# سیّد معین الدین چشتی اجمیریؒ

زندگی نامہ اور تعلیمات

سید افضل حیدر

# سیّد معین الدین چشتی اجمیریؒ

## زندگی نامہ اور تعلیمات

سید افضل حیدر

کلاسیک

42- دی مال' لاہور

خواجہ غریب نوازؒ فرماتے ہیں کہ

"جو شخص عذاب آخرت سے بچنا چاہے، اسے چاہیے کہ خدا کی اطاعت کرے، غریبوں کی حاجت روائی کرے اور بھوکوں کو کھانا کھلائے۔"

جملہ حقوق محفوظ

بار اوّل: اکتوبر 2005ء

قیمت: -/250 روپے

DYAL SINGH TRUST LIBRARY 1908

136726

CF

CR14123

ناشر: آغا امیر حسین

کلاسیک، چوک ریگل (مال) لاہور

فون: 7312977 فیکس: 7323963

ای میل: agha@classicpublishers.com

ویب سائٹ: www.classicpublishers.com

کمپوزنگ: ذیشان حیدر

طابع: کلاسیک پرنٹرز، لاہور

# انتساب

دخترم سیدہ فرح بتول کے نام
جس کی تحریک پر یہ کتاب لکھی گئی۔
اللہ تبارک تعالیٰ عزیزی کو دین و دُنیا کی
نعمتوں سے سرفراز کرے۔ آمین

# فہرست


| | |
|---|---|
| تقدیم | 9 |
| تعارفی خاکہ | 89 |
| پیغام پیر بحر | 95 |
| حالاتِ زندگی | 97 |
| تعلیمات | 175 |
| اوراد و وظائف | 197 |
| ارشاداتِ عالیہ | 207 |
| خلفاء | 223 |
| خواجہ کے دربار میں | 227 |
| درگاہ کے معمولات و مراسم | 237 |
| درگاہ کی عمارتیں | 241 |
| اسانید الصیادید | 255 |
| تصورات و نظریات اور ریاضتیں | 269 |
| کتابیات | 272 |

# تقدیم

سید معین الدین چشتی اجمیری نے بارہویں تیرہویں ہجری عیسوی میں برصغیر پاک وہند کی سرزمین میں ایک ایسی تحریک کی بنیاد رکھی جسے آج کی سیاسی زبان میں آفاقی روحانی جمہوریت کا نام دیا جاسکتا ہے۔ خواجہ غریب نواز (متوفی 6 رجب المرجب 633 ہجری مطابق مارچ 1236ء) اس روحانی گروہ کے فرد تھے جنکی نظر میں عبادت کا جوہر صرف رسوم ووظائف کی ظاہری ادائیگی ہی نہ تھی بلکہ عبادت کا خلاصہ یہ تھا کہ احکام خداوندی کا معاشرتی زندگی میں عملی اور بھرپور اظہار ہوتا رہے۔ خدا کا تصور تو ہر آسمانی مذہب میں موجود رہا ہے۔ غیر الہامی مذاہب بھی اس تصور سے ناآشنا نہیں لیکن اسلام باقی ادیان سے اس لیے ممتاز ہوا کہ اس کے ذریعہ دنیا کو آخری بار وحی کی صورت میں ہدایت اور نبی آخرالزمان کی سیرت میں انفرادی اور اجتماعی زندگی گزارنے کے لیے کامل نمونہ میسر آیا۔ ان انعامات کا شکرانہ ادا کرنا اپنی جگہ اہم ہے لیکن اس انعام کو انسان کی بھلائی کیلئے عام کرنا وہ عمل ہے جو اللہ عزوجل کو پسند ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو خلقت کے اعتبار سے احسن تقویم کے عمل سے گزار کر بہترین صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا احسان ہوگا کہ انسان کو پیدا کرنے سے پہلے اس کے قیام وبقا کیلئے ایک لامتناہی کائنات پیدا کی اور پھر اس کائنات کو تسخیر کرنے کی صلاحیت، عقل، فہم، مواقع اور قوانین فراہم کردیے اور ان ممکنات پر انسان کا یقین کامل کرنے کیلئے قرآن میں معراج نبوی کا واقعہ بھی محفوظ کردیا۔

بنابراں ایک صوفی درویش ان اہداف ومقاصد کی تلاش میں ہوتا ہے جو اس کائنات کی تخلیق کا محرک بنے۔ وہ اپنے تجربے کی بنیاد پر چیزوں سے عبرت حاصل کرتا ہے تاکہ وہ علی وجہ بصیرت اللہ تبارک تعالیٰ کی صفت وثنا بیان کرنے کے قابل ہوسکے۔ سورہ نور 18/24/55 میں ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ جب اللہ تبارک تعالیٰ اپنے بندوں کو اس زمین پر اقتدار سے سرفراز

کرتا ہے تو ایسے لوگ (انسانوں کو پریشان کرنیوالے) ہر قسم کے خوف کو امن میں بدل دیتے ہیں۔

سورۃ الاعراف 09/07/157 میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منشور اس طرح بیان ہوا ہے:

> وہ انہیں نیک باتوں کا حکم دیتے ہیں، بُری باتوں سے منع کرتے ہیں اور پاکیزہ چیزوں کو حلال بتاتے ہیں اور گندی چیزوں کو ان پر حرام فرماتے ہیں اور ان لوگوں کے (صدیوں پرانے) بوجھ اتارتے ہیں اور زنجیروں کو کاٹتے ہیں (جن غلط رسوم و تصورات نے انسان کی آزادی چھین لی ہوتی ہے) لہٰذا جو لوگ اس نبی پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی حمایت کرتے ہیں اور انکی مدد کرتے ہیں اور اس نور کا اتباع کرتے ہیں جو ان کے ساتھ بھیجا گیا ہے ایسے لوگ پوری فلاح پانے والے ہیں۔

سالک درویش کو احساس ہوتا ہے کہ جب حضورؐ پر وحی جیسی نعمت کا نزول شروع ہوا تو آپ نے اللہ کو مخاطب ہو کر یہ نہیں کہا کہ اے میرے رب اب تو مجھے مل گیا ہے اور تو نے میری طرف فرشتے بھیج کر میری عزت افزائی کی ہے لہٰذا اب مجھے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں۔ تو میری ذاتی نجات فرما اور میں غار حرا میں تیری عبادت کرتا رہوں۔ اس کے برعکس حضورؐ نے اس پیغام کو سنا اور جب حکم ہوا کہ اٹھ اور اس پیغام کو پھیلا دے تو پھر حضورؐ نے قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں، لوگوں کے طعنے سنے دشمنیاں مول لیں، کئی بار جسمانی طور پر زخمی ہوئے لیکن دنیا کی تاریخ میں پہلی بار آفاقی روحانی جمہوریت کا سلسلہ قائم کرنے میں کوشاں ہوئے اور اس امر کیلئے ایک عملی نمونہ پیش کیا اور اس ذمہ داری سے فارغ ہو کر اپنے اللہ کے حضورؐ چلے گئے۔

حضور کی سنت مومنین کی وراثت ہے اور اللہ کے ولی اس وراثت کے امین ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سالک درویش حقیقت کی تلاش میں اپنی سمت شریعت کے طے شدہ راستے کے مطابق متعین کرتے ہیں۔ یہ لوگ اپنی زندگی کو اللہ کے مقرر کردہ اہداف کے حصول کیلئے وقف کر دیتے ہیں اور اپنی خدمات کا ڈھنڈورا نہیں پیٹتے۔ تسلسل اور وقار کے ساتھ اپنے مشن کو لمحہ بہ لمحہ آگے بڑھاتے رہتے ہیں کیونکہ انہیں احساس ہوتا ہے کہ وہ جس خدا کے بندے ہیں وہ زندہ اور دیکھنے والا ہے اور ہر انسان کا عمل اور اس کی سوچ اللہ کے سامنے ہر دم موجود ہے۔ وہ کسی لمحہ بھی خود کو اللہ کی نگاہ سے دور یا اوجھل نہیں دیکھتے۔ خواجہ غریب نواز فرماتے ہیں کہ اللہ کے دوست ایسے بھی ہیں کہ اگر دنیا میں ایک لمحے کیلئے بھی اس کی یاد سے غافل ہو جائیں تو ان کی ہستی نابود ہو جائے۔

ہمارے صوفی درویش اس وقت سے برصغیر تشریف لا رہے ہیں جبکہ ابھی ہندوستان دار



الاسلام نہیں بنا تھا۔ یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ 93 ہجری مطابق 711 عیسوی کے لگ بھگ محمد بن قاسم نے سندھ کا علاقہ فتح کیا۔ سلطان محمود غزنوی نے 1000ء سے 1026ء تک ہندوستان پر تقریباً 17 حملے کیے۔ ازاں بعد غوری خاندان نے حکومت کی داغ بیل ڈالی پھر 1206ء سے 1290ء تک خاندانِ غلاماں حکمرانی کرتا رہا۔ پھر خلجی دور 1290ء سے 1320ء تک نظر آتا ہے۔ تغلق نے 1414ء تک حکومت کی پھر خاندانِ سادات اور لودھی خاندان حکمران رہا۔ ازاں بعد مغلیہ خاندان نے 1526ء سے 1857ء تک حکومت کی اور کچھ درمیانی عرصہ شیر شاہ سوری بھی حاکم رہا اور ملوکیت کے خاندانی انتقالات وراثت بڑے تزک و احتشام کے ساتھ تاریخ کے دفتر میں درج ہوتے رہے لیکن اسلام کی خدمت یا مخلوق خدا کی خدمت کا ذکر شاذ ہی ملتا ہے۔ اس بے بسی اور بے رخی کی فضا میں سید معین الدینؒ ابر کا ایک ٹکڑا بن کر ہندوستان کے پیاسے دشت پر برسے۔

ایک ہزار برس پہلے سید علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش (ولادت 400 ہجری) 1035/1034 عیسوی میں لاہور تشریف لائے۔ آپ کی زندگی میں مسلمان اگرچہ مختلف ممالک میں پھیلے ہوئے تھے لیکن مسلمانوں کی سلطنت سیاسی و فکری مرکزیت سے محروم ہو چکی تھی۔ مسلمانوں کے کئی سیاسی اور مذہبی ثانوی گروہ وجود میں آ چکے تھے اور کسی بادشاہ یا سیاسی فلسفی کو یہ توفیق نہ ہوئی کہ اتنے بڑے برصغیر میں مسلمان حکومتوں اور سلطنت کیلئے کوئی آئین، دستور یا قانونی ڈھانچہ مرتب کرتا اور اعلیٰ قسم کی شفاف اور خدمت پر مبنی حکمرانی کی بنیاد رکھتا لیکن روحانی دُنیا کے شہسوار داتا صاحب نے لاہور کے قیام میں اسلامی تصوف پر پہلی کتاب لکھ کر ایک مکمل صوفیانہ نظام فکر پیش کیا۔ اگرچہ مسلمانوں کا ایک گروہ سیاسی سطح پر علاقوں کی فتوحات میں مصروف تھا لیکن داتا صاحب نے اپنی فکری کاوش کے ذریعہ ایک تحریک کی بنیاد رکھی جس سے ہمارے ممدوح خواجہ معین الدین چشتی کے مشن کو تقویت حاصل ہوئی اور سالکان حقیقت کیلئے ان کی کتاب کشف المحجوب ایک اہم ماخذ قرار پائی۔ اس علمی کارنامہ اور داتا صاحب کے زہد و تقویٰ ہی کے پیش نظر حضرت خواجہ معین الدینؒ نے داتا صاحب کو اس طرح خراج عقیدت پیش کیا:

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

سید معین الدین چشتی کی ولادت 536 ہجری مطابق 1141ء بجستان میں بیان ہوئی

ہے۔ آپ نے سمرقند و بخارا کی علمی درسگاہوں سے مذہبی اور متداولہ علوم کی تعلیم حاصل کی۔ نیشاپور کے علاقہ ہروند میں آپ کی ملاقات خواجہ عثمان ہرونی سے ہوئی اور انکے حلقہ ارادت میں شامل ہو گئے۔ خواجہ صاحبؒ نے ہم عصر بزرگوں سے بامقصد ملاقات کی۔ ان شیوخ و علماء میں شیخ عبدالقادر جیلانی، شیخ نجم الدین کبری، شیخ نجیب الدین، عبدالقادر سہروردی، شیخ ابوسعید تبریزی اور شیخ عبدالواحد غزنوی شامل تھے۔ اس کے علاوہ سیروا فی الارض کے قرآنی فلسفہ پر عمل کرتے ہوئے آپ اصفہان' سبزوار' مہنہ' خراسان' استرآباد' بلخ' غزنہ' سمرقند' بخارا' بغداد' نیشاپور' تبریز اور اوش کے علاقوں میں گھومے پھرے۔ اس طرح آپ ہم عصر دنیا کے سیاسی' سماجی' مذہبی' فقہی اور روحانی رجحانات سے متعارف ہوئے۔ ان شیوخ کی تعلیمات اور دوران سفر مشاہدات اور علمی بحثوں نے ان کی زندگی اور تصورات کو ایک خاص رنگ اور رخ دینے میں بنیادی کردار ادا کیا۔

آپ کے شیخ حضرت عثمان ہرونی (وفات 6- شوال 607 ہجری) کا ان کی ذات پر بہت گہرا اثر تھا۔ حضرت عثمان کو اپنے شیخ خواجہ حاجی شریف سے جب خرقہ خلافت ملا تو انہیں ایک کلاہ چارترکی سر پر رکھتے ہوئے پیر نے فرمایا تھا کہ کلاہ چارترکی کا مطلب چار چیزوں کا ترک کرنا ہے ۱۔ دنیا ۲۔ عقبیٰ یعنی اللہ سے ماسوا ہر مقصد ۳۔ خواہش نفس ۴) کھانا اور سونا (کم از کم ضرورت کے سوا۔) حضرت عثمان ہروندی خود ان چار اصولوں پر کاربند رہے اور اپنے مرید کی بھی انہی خطوط پر تربیت کی۔ عثمان ہروندی کا ایک شعر قابل غور ہے:

اگرچہ قطرہ شبنم نہ پوید بر سر خارے
منم آں قطرہ شبنم بنوک خاری رقصم

یعنی اگرچہ شبنم کا ایک قطرہ کانٹے کی نوک پر نہیں ٹھہر سکتا لیکن میں شبنم کا وہ قطرہ ہوں جو کانٹے کی نوک پر رقص کرتا ہوں۔

اس شعر کا حسن اس کی علامات میں پوشیدہ ہے۔ خواجہ صاحب ایک ایسے عملی اور نظریاتی شخص کا تصور پیش کر رہے ہیں جو زندگی کے کسی جھمیلے سے نہ گھبرائے۔ زندگی کا نہ صرف مردانہ وار مقابلہ کرے بلکہ اس پُر آشوب زندگی سے فائدہ حاصل کرے اور اس زندگی میں رقاص کی مانند منظم طریقے سے حرکت پیدا کرے اور جمود کو توڑ دے۔ کائنات کی شب بھر کی خاموشی' غور و فکر کا ثمرہ شبنم کے قطرات ہوتے ہیں اور وہ اتنے لطیف ہوتے ہیں کہ اگر انہیں قدرت کانٹوں پر بکھیرے تو یہ قطرہ اپنا وجود قائم نہیں رکھ سکتا۔ یہ قطرہ چیرا جاتا ہے۔ اس شعر میں لفظ کانٹا ان



نامساعد حالات و واقعات کا سمبل ہے جو زندگی میں قدم قدم پر انسان کو پیش آتے رہتے ہیں جبکہ شبنم کی مثال اس لطیف جنس جیسی ہے جس میں حرکت کی طاقت نہیں۔ وہ فضا کے رحم و کرم پر ہے۔ عثمان ہروندی ایک ایسا انسان تعمیر کرنا چاہتے ہیں جس کی بنیاد نظریات پر ہو لیکن اس کا عمل اس کے نظریات سے ہم آہنگ ہوتا کہ وہ اس خارزدہ دنیا سے شکست کھانے کی بجائے اسے اپنے مقاصد کے استعمال میں لا کر اپنے محبوب تک رسائی حاصل کرے۔ یعنی سالک کی مراد اللہ کی ذات ہے جو اس کے بتائے ہوئے منشور پر عمل پیرا ہوتا ہے لہذا سالک کہتا ہے کہ

تلاش یاری دارم سر بازاری رقصم

یعنی مجھے تو اپنی منزل پر پہنچنا ہے اور اگر مجھے جبہ و دستار سمیت بھی رقص کرنا پڑے اور سربازار بھی رقص کرنا پڑے تو میں وہ بھی کر گزروں گا کیوں کہ میرا مقصد جبہ و دستار سے زیادہ ارفع و اعلیٰ ہے۔ بالفاظ دیگر آپ کہہ سکتے ہیں کہ ان صوفی بزرگوں کا اپنے اپنے عہد میں منفرد کارنامہ یہ تھا کہ انہوں نے اپنے ہم عصر آدمی کو انسان سازی کے عمل سے گزار کر ذمہ دار انسان بننے کی ترغیب دی تاکہ ایک ایسی بنیاد فراہم ہو سکے جہاں انسان کے مادی اور روحانی تقاضوں کو احسن طریقے سے پورا کیا جا سکے۔ یہ اس تحریک کی روح تھی جو ہر صوفی بزرگ اپنے اپنے دور میں آگے بڑھاتا رہا اور اسی تحریک کو ہم نے اپنی فہم کے مطابق آفاقی روحانی جمہوریت کا نام دیا ہے۔

خواجہ معین الدین فرماتے ہیں کہ جب عارف سالک خاموش ہوتا ہے تو سمجھو کہ اللہ سے گفتگو کر رہا ہے۔ جب آنکھیں بند کر لیتا ہے تو اس لیے نہیں کھولتا کہ کہیں اسرافیل صور نہ پھونک دے۔ اس مقام تک پہنچنے کیلئے کٹھن مراحل طے کرنا ہوتے ہیں۔ خواجہ چشتی فرماتے ہیں کہ عارفوں میں صادق وہ ہے جس کی ملکیت میں کچھ نہ ہو اور نہ وہ خود کسی کی ملک ہو۔ خواجہ معین الدین چشتی کا یہ انداز فکر ان کے مرشد کے کلاہ چارترکی کے فلسفہ کی تعبیر تھا اور یہی فلسفہ آگے بڑھ کر چشتی سلسلہ کی اساس بن گیا۔

آگے بڑھنے سے پہلے اسی موضوع سے متعلق شیخ سعدیؒ کی گلستان کے باب دوم کی حکات 16 سن لیں۔ شیخ فرماتے ہیں کہ ایک پیدل سوار ننگے سر اور ننگے پاؤں حجاز کے قافلہ کے ساتھ کوفہ سے روانہ ہوا اور ہمارے ساتھ شامل ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ اس کے پاس کچھ بھی نہ تھا لیکن اس کے باوجود خراماں خراماں چل رہا تھا اور چلتے چلتے کہے جا رہا تھا:

نہ باشتر برسوارم نہ چو اشتر زیر بارم
نہ خداوند رعیت نہ غلام شہریارم

غم موجود و پریشانئے معدوم ندارم
نفسے می زنم آسودہ و عمرے می گزارم

یعنی میں اگرچہ اونٹ پر سوار نہیں ہوں (یعنی میرے پاس آرام و آسائش کے ساتھ سفر طے کرنے کا سامان نہیں ہے) لیکن میں اونٹ کی طرح کسی کے بوجھ تلے دبا بھی نہیں ہوا۔ نہ میں کسی رعیت کا بادشاہ ہوں (یعنی جابر حاکم ہوں) اور نہ ہی کسی بادشاہ کا غلام ہوں۔ نہ مجھے اس بات کا غم ہے کہ میرے پاس کچھ نہیں ہے اور نہ جو کچھ موجود ہے اس کے ضائع ہونے کی فکر ہے۔ میں آرام سے (اللہ کے آزاد بندوں کی طرح) سانس لے رہا ہوں اور اپنی عمر گزار رہا ہوں۔

حکایت جاری رکھتے ہوئے شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں کہ اس قافلے میں موجود ایک اونٹ سوار نے اس پیدل درویش کو واپس جانے کی نصیحت کی کیونکہ راستہ کی دشواریوں کے باعث اس کی موت واقع ہو سکتی تھی۔ اس درویش نے اس نصیحت کی پرواہ نہ کی۔ جب قافلہ منزل مقصود پر پہنچا تو اتفاق یہ ہوا کہ وہ نصیحت کرنے والا مالدار خود مر گیا تو وہی فقیر اس کے سرہانے آیا اور بولا: ما بہ سختی نہ بمردیم و تو بر بخت بمردی یعنی ہم تو تمام تر سختیوں کے باوجود زندہ ہیں اور تو یعنی اونٹ یعنی اچھے بختوں کے ہوتے ہوئے مر گیا۔

ہندوستان آنے کے بعد خواجہ معین الدینؒ نے اجمیر کو اپنا مستقر بنایا۔ اس علاقہ پر راجہ جے پال حکومت کرتا تھا جو اپنی رعایا کے حق میں اچھا نہ تھا۔ اسے خواجہ صاحب کا آنا پسند نہ آیا کیونکہ خواجہ صاحب کے حسن اخلاق کی وجہ سے راجہ کی رعایا ان کی طرف متوجہ ہو رہی تھی۔ روایت بیان ہوتی ہے کہ آپ سے کچھ کرامات سرزد ہوئیں جس کی وجہ سے اہل ہنود آپ کی طرف مائل ہونے لگے۔ ان میں سے ایک شخص رام دیو نامی ہندو مہنت بھی تھا جس کا نام خواجہ صاحب نے شادی دیو یعنی مسرت بخش رکھ دیا۔ راجہ کو بتایا گیا کہ خواجہ صاحب دراصل جادوگر ہیں لہٰذا کسی بڑے جادوگر کو بلا کر انہیں شکست دی جائے۔ راجہ نے ہندوستان کے نامی گرامی جادوگر جوگی جے پال کو بلایا۔ معلوم ہوتا ہے سیدنا موسیٰ اور دربار فرعون کا واقع دہرایا جا رہا تھا۔

جے پال اپنے ساتھیوں سمیت اجمیر پہنچا اور راجہ کے حکم سے جادوگروں کا یہ گروہ خواجہ صاحب کے پاس گیا۔ آپ نے تازہ وضو کر کے اپنے عصا سے اپنے لوگوں کے اردگرد ایک لکیر کھینچی اور فرمایا کہ کوئی بھی ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ جادوگر اپنے گر آزماتے رہے لیکن ان کی کارروائیاں کامیاب نہ ہوئیں۔ اس واقعہ کے پیچھے دراصل حریت بشری کا ایک اہم اصول کارفرما



ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر انسان نے مادی اور روحانی ترقی کرنی ہے تو اسے خوف و حزن سے نجات حاصل کرنا ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے خوف و حزن کی اصطلاحات کو بار بار استعمال کر کے انسانوں کو اس کے مضر اثرات سے آگاہ کیا ہے۔

چاہے سیدنا موسیٰ کا دربار فرعون میں جادوگروں کو شکست دینا ہو یا سید معین الدین چشتی کا جے پال کے گروہ کو بے اثر کرنا ہو ان واقعات کے پیچھے کارفرما فلسفہ یہ تھا کہ اللہ کی مخلوق کو خوف سے نجات دلائی جائے۔ اس زمانے میں ہندوستان کی آبادی کو نہ صرف ذات پات میں تقسیم کر دیا گیا تھا بلکہ ہم عصر دنیا کے بادشاہوں کی طرح ہر شخص راجہ، مہاراجہ اور سلطان کا غلام تصور ہوتا تھا۔ قرآن گواہ ہے کہ فرعون نے حکم دے رکھا تھا کہ بنی اسرائیل کے نومولود لڑکے قتل کر دیے جائیں جبکہ لڑکیوں کو زندہ رکھا جائے۔ ایام جاہلیت میں عرب اپنی بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیا کرتے تھے۔ تاریخ گواہ ہے کہ جنگوں کا سلسلہ عام طور پر دشمن قوم کے افراد کو غلام اور لونڈیاں بنانے کیلئے چھیڑا جاتا تھا تاکہ ہیئت حاکمہ کو تعمیری اور نجی کاموں کیلئے مفت کے مزدور مل جائیں جو معمولی روٹی کپڑے پر بلا اجرت کام کرتے رہیں۔ ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں نے برصغیر میں ستی جیسی بے رحم اور انسانیت سوز رسم کو ختم کرنے کی طرف دھیان نہ دیا حالانکہ سورہ التکویر 30/81/09 میں قرآن نے عربوں کی رسوم جاہلیت کا حوالہ دیتے ہوئے زندہ دفن کی جانے والی لڑکی کے منہ سے یہ سوال قیامت تک کے لیے محفوظ کر لیا ہے۔

بای ذنب قتلت
وہ کس گناہ کی وجہ سے قتل کر دی گئی

بالآخر یہ کامیابی انگریز ہی کو میسر آئی کہ اس نے اپنے دور میں قانوناً ستی کی رسم کو جرم قرار دیدیا۔ انگریز نے بدامنی کو حالت امن میں بدلا اور مسافروں کیلئے سڑکوں کو محفوظ کیا کیونکہ راہزنوں اور ٹھگوں نے ملوکیت کے آخری دور میں زندگی کو نہایت غیر محفوظ کر دیا تھا۔

عوام غیر منظم تھے۔ عوام کے پاس وسائل پیداوار نہ تھے۔ عوام کو دینی اور سیاسی تعلیم و تربیت روحانی تعلیم سے دور رکھا جاتا تھا۔ سیاست، معیشت اور مذہب پر چند گروہ قابض تھے اور یہ تینوں شیطان ایک دوسرے کی مدد کر کے عوام کو شکنجوں میں جکڑے رکھتے تھے۔ انبیاء کی بعثت کا مقصد مخلوق خدا کو بیدار کرنا ہوتا ہے۔ فکری اور شعوری سطح پر لوگوں کو خواب گراں سے جگایا جائے تاکہ لوگ اپنے گرد و پیش حالات پر غور و فکر کر کے جمود کو توڑیں اور صدیوں پرانے بوجھ تلے دبی

انسانیت کیلئے آزادی کی راہ ہموار کریں۔ مفاد پرست ٹولوں نے لوگوں کو توہمات اور عجیب و غریب رسوم و رواج کی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا جن کے کاٹے جانے کے بغیر انسان متحرک نہیں ہو سکتا تھا۔ مادی اور روحانی ترقی جمود برداشت نہیں کرتی جبکہ حریت فکر، تدبیر منزل، تکریم آدم اور حقوق بشری کا تحفظ ملوکیت میں ممکن نہیں۔

شریعت کے علماء عبادت کے طور طریقوں سے لوگوں کو آگاہ تو کر سکتے تھے لیکن ان میں اتنی فہم نہیں تھی کہ عبادات کے پس پردہ حکمت کو عملی طور پر معاشرہ میں نافذ کرنے کی کوشش کرتے یا اس کے پس منظر میں الہامی حکمت بیان کرتے۔ علماء یا تو گوشہ نشین ہو کر ذاتی نجات کیلئے عبادت کرتے یا پھر دربار کی نوکر شاہی کی ہاں میں ہاں ملا کر اپنی زندگی میں آرام و آسائش پیدا کر لیتے۔ جتنی شدت کے ساتھ انسان مختلف جہتوں میں جکڑا ہوا تھا اتنی ہی قوت کے ساتھ اسے موجود منفی رجحانات کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ اس کمی کو پورا کرنے کیلئے ہمارے صوفی درویش اس دھرتی پر وارد ہوئے اور ان کے آنے کے بعد برصغیر کی گھٹن میں تازہ ہوا کے جھونکے آنے لگے۔ یہ درویش ہی وہ فعال، دور اندیش، معاملہ فہم اور باہمت رہنما تھے جن کے متعلق اقبال نے کہا تھا:

ہے وہی تیرے زمانے کا امام برحق
جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے

بنابراں خواجہ معین الدین چشتی نے اپنی تحریک کا آغاز کرتے ہوئے آفاقی روحانی جمہوریت کی عمارت کی تعمیر کیلئے پہلی اینٹ خوف سے نجات کی شکل میں رکھی۔ عام آدمی کو احساس ہونے لگا کہ یہ درویش ان جیسا ہی ایک بندہ جس کے پاس نہ دولت ہے نہ سیاسی قوت ہے اور نہ ہی اس کے پاس لشکر و سپاہ ہے وہ کیسے بڑے بڑے حاکموں کو چیلنج کرتا ہے اور نہ ان سے شکست کھاتا ہے نہ ہی ان سے ڈرتا ہے۔ عام آدمی تو یہ نہیں سمجھ سکتا تھا کہ جو لوگ اللہ تبارک تعالیٰ کی طاقت پر بھروسا کرتے ہیں وہ خدا کی مدد اور معجزاتی مدد سے محروم نہیں ہوتے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کا ایمان ہے کہ خدا طاقت ہے جبکہ عام دُنیا دار آدمی جس نظام میں زندگی گزارتا ہے وہاں "طاقت خدا ہے" کا نظریہ کارفرما نظر آتا ہے۔ اسے یہی بتایا گیا ہے۔ یہ انداز فکر آسان ہے جبکہ یہ کہنا کہ خدا طاقت ہے ایک مشکل مرحلہ ہے کیونکہ ایسا کہنے والا لامحالہ ہیئت حاکمہ کیلئے چیلنج بن جاتا ہے۔

سورہ الانفال 09/08/17 میں حضورؐ پر کفار کے حملوں کی ناکامی کا ذکر کرتے ہوئے اصول بیان ہوا ہے کہ تم نے انہیں قتل نہیں کیا بلکہ یہ سب کچھ اللہ کی مدد سے ہوا ہے اور آپؐ نے جنگ بدر



میں کافروں کی طرف مٹھی بھر کنکریاں نہیں پھینکیں تھیں بلکہ اللہ تبارک تعالیٰ نے پھینکیں اور دشمن کی آنکھیں چندھیا گئیں۔

جادوگروں کی شکست کے بعد خواجہ صاحب کا کام آسان ہو گیا اور انہوں نے اپنے مشن کا دوسرا اقدام جماعت سازی کی شکل میں کیا۔ لوگ جوق در جوق آتے اور آپ کے حلقہ ارادت میں شامل ہو کر سکون اور روحانی تحفظ حاصل کرتے۔ وہ لوگ جنہیں معاشرہ نے دھتکار دیا تھا، وہ محروم جو صرف بادشاہوں کی جنگوں کیلئے ایندھن کا کام دیتے تھے، جن کی زندگی کا کوئی مقصد تھا اور نہ ہی ان کے سامنے کوئی ہدف تھا، نہ وہ کسی مؤثر گروہ سے منسلک تھے اور نہ ہی مذہبی حلقوں تک رسائی حاصل تھی جو نہی خواجہ کے حلقہ اثر میں آتے وہ اپنے اندر اور باہر ایک عجیب کیفیت محسوس کرتے۔

1۔ ہر شخص خصوصی توجہ کا مرکز بن جاتا۔
2۔ ہر شخص شیخ کے ساتھ بلا روک ٹوک ہم کلام ہو سکتا تھا۔
3۔ ہر سائل اپنے مسائل پیش کر سکتا تھا۔
4۔ حاجتمند کو اپنی انا کا سودا کیے بغیر مراد ملتی تھی۔
5۔ دعاؤں کیلئے لوگ اکٹھے ہوتے اور ان کے حق میں بلا معاوضہ دعائیں بھی ہوتیں۔
6۔ اجتماعی عبادت کا تصور عام ہوا جس نے انجان لوگوں میں نہ صرف اخوت کا عنصر پیدا کیا بلکہ ایک مرکزی قائد کے ساتھ منسلک بھی کر دیا۔
7۔ ہندوستان کی آبادی میں مختلف قومیں، نسلیں، ذاتیں، گوتیں، مذاہب، رسوم، زبانیں، عبادت و پرستش اور رہن سہن کے طریقے رائج تھے۔ ان سب کا اتصال صوفی درویش کے زاویہ پر ہونے لگا اور اس طرح بین الصوبائی، بین المذاہب، بین السماجی و بین المعاشرتی مکالمہ کی ابتدا ہوئی جس نے لوگوں کو رواداری جیسے اصول رجحان سے متعارف کرایا۔ اس کا نتیجہ بالآخر میں امیر خسرو کی شکل میں نظر آتا ہے جو تاریخ کے صفحات پر مختلف تہذیبوں کا نقطہ اتصال بن کر ابھرا۔
8۔ مرشد کی صحبتوں میں علم و ادب کی گفتگو سے لوگوں کی زندگی میں معنویت پیدا ہوئی اور مرشد کی سیدھی سادھی لیکن پر حکمت باتوں کو سننے کے بعد زندگی کے مقاصد اور اہداف سے روشناسی ہوئی۔

9۔ مریدوں میں ہر طبقہ کے لوگ شامل تھے جو اپنی آزاد مرضی سے ایک مجلس میں بیٹھتے جس کی وجہ سے مساوات اور مواصات کا تصور بھی ابھرنا شروع ہو گیا۔

10۔ شیخ ہر آنے والے کی دیکھ بھال کرتے اور اس طرح ایک اجتماعی لنگر خانے کی بنیاد رکھی گئی اور اس میں سب نے مل جل کر کام کرنا شروع کر دیا تاکہ کسی کی انا کو ٹھیس نہ پہنچے اور ہر آدمی نہ صرف محنت کی عظمت کے تصور سے روشناس ہو بلکہ رزق کو اللہ کا عطیہ سمجھے جو کسی انسانی صوابدید کے بغیر کھلے بندوں ہر ایک کو مل جاتا تھا۔

11۔ وہ طالبعلم جو تعلیم و تربیت کے زیور سے آراستہ ہونا چاہتے تھے ان کیلئے مرشد کے ہاں قیام و طعام کا بندوبست ہوتا اور اسطرح ہندوستان میں بلا معاوضہ اجتماعی اور روحانی تعلیم و تربیت کا آغاز ہوا۔

12۔ حکومت کے ہرکاروں نے جب درویشوں کی عوامی قوت کا اندازہ لگایا تو انہیں بھی ضرورت محسوس ہوئی کہ اہل اللہ سے بنا کر رکھی جائے تاکہ ان کی طرف سے مسلح بغاوت کا خطرہ نہ رہے۔ بادشاہوں نے اپنے نمائندے تحفے اور نقدی بھیجنا شروع کی جس کی وجہ سے عوام میں شیخ کی عزت اور بڑھی اور یہ عزت اور بھی زیادہ ہو گئی جب شیخ نے ان فتوح میں سے کچھ بھی اپنے پاس نہ رکھا بلکہ سب کچھ اللہ کی مخلوق کیلئے وقف کر دیا۔

13۔ خواجہ معین الدین اجمیری کا قول ہے کہ جس شخص میں تین خصوصیات ہوں وہ درویش کہلانے کا حقدار ہے اور اللہ تبارک تعالیٰ اسے دوست رکھتا ہے یعنی وہ درویش جس میں

الف: دریا کی سخاوت ہو،

ب: آفتاب کی شفقت ہو اور

پ: زمین جیسی تواضع ہو۔

خواجہ صاحب ہی کا قول ہے کہ درویش وہ ہے جس کے پاس اگر کوئی شخص حاجت لے کر آئے تو نامراد نہ لوٹے۔ آپ کو خواجہ کا یا کسی اہل اللہ درویش کا کوئی ایسا قول نہیں ملے گا جس میں تفاخر کی بو آتی ہو۔ آپ انہیں ہمیشہ مقام شکر اور مقام صبر اور عجز و نیاز ہی کے مقام پر دیکھیں گے۔ ان کے نزدیک اللہ کی رضا حاصل کرنے کا مجرب نسخہ اس کی مخلوق کی بے لوث خدمت ہے۔ یہ



درویش بڑے حساس لوگ ہوتے ہیں اور اللہ تبارک تعالیٰ کے معاملہ میں اپنی جان پر بڑی سختی کرنے والے اور ہر ہر لحظہ اپنی ذات کا محاسبہ کرنے والے ہوتے ہیں۔ درویش اپنے اوپر راحت، آسودگی، آسائش اور عیش و عشرت کا دروازہ بند کر کے محنت، بیداری، غور و فکر اور تدبیر منزل کا دروازہ کھول لیتے ہیں۔

اس کے بعد خواجہ صاحب نے آفاقی روحانی جمہوریت کا تیسرا پتھر بھی رکھ دیا۔ آپ نے اعلان کیا کہ عارفوں میں صادق وہ ہے جس کی ملکیت کچھ نہ ہو نہ وہ خود کسی کا ملک ہو۔ آپ کا یہ قول بھی معروف ہے کہ عارفوں کا توکل خدا کے سوا کسی اور پر نہیں ہوتا نہ وہ کسی غیر سے التفات کرتے ہیں۔

ملکیت کی نفی خواجہ صاحب کی طرف سے وقت حاکمہ اور درباری ٹولے کے خلاف اعلان جنگ سے کم نہ تھا۔ اس زمانے میں عام آدمی کیلئے زرعی اراضی کی ملکیت کا کوئی تصور نہ تھا۔ ریاست یا مملکت کی ہر شے بادشاہ، راجہ، مہاراجہ، رئیس، سلطان یا حاکم کی ملکیت ہوتی تھی۔ برصغیر میں ذاتی ملکیت کا تصور ابھی کل کی بات ہے۔ زرعی اراضی کی ملکیت کا رواج انگریز نے آ کر برصغیر میں جاری کیا کیونکہ اسے یہاں نہروں کا جال بچھا کر گندم، مینگلر 'دھان' کپاس اور پٹ سن جیسی اشیاء درکار تھیں تاکہ علاقائی ضرورتوں کو پورا کرنے کے بعد خام مال انگلستان کی معیشت کو سہارا دینے کیلئے بھیجا جا سکے۔ ملوکیت کے دور میں وسائل پیداوار پر قبضے کو چیلنج کرنے کا مطلب علاقہ کے جاگیردار اور ملک کے حاکم سے براہ راست تصادم تھا لیکن خواجہ غریب نواز محض ایک تارک الدنیا درویش نہیں تھے۔ آپ صاحب علم، صاحب عمل اور اللہ تبارک تعالیٰ و رسول اللہ کے ایک نظریاتی کارکن بھی تھے جنہوں نے رضا کارانہ طور پر منشور الٰہی کو متعارف کرانے کے فرائض اپنے ذمہ لے لیے تھے۔ اس روحانی گروہ نے ایک نیا اقتصادی نظام پیش کیا۔ خواجہ صاحب ہی کا قول ہے کہ جسے جو بھی ملا خدمت کے ذریعے ہی ملا۔ آپ کا ایک خوبصورت اور بھی قول ہے۔ فرماتے ہیں کہ عارفوں کا ایثار عاشق و بے نیازی ہے جبکہ محبوں کا ایثار آرزو ہے۔

آیئے ملکیت یعنی ذرائع پیداوار کی ملکیت کے بارے میں دیکھیں کہ قرآن کا موقف کیا ہے۔

1) سورہ الجاثیہ 25/45/27 اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہی (ملک السموت والارض) اللہ ہی کی ہے۔

2) سورہ الرحمٰن 27/55/10-13 اور اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی خاطر اس زمین کو بچھا

دیا جس میں میوے ہیں اور خوشے والے کھجور کے درخت اور بھس والا اناج اور خوشبودار پھول ہیں۔ پس اے انسانو! تم اللہ کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

3) سورہ الحدید 27/57/10 تمہیں کیا ہو گیا ہے جو تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے؟ دراصل آسمانوں اور زمینوں کی میراث کا مالک (تنہا) اللہ ہی ہے۔

آج کا مولوی انگریزی نظام کو برا تو کہتا ہے لیکن انگریز اور مغل بادشاہوں کے نظامِ جاگیرداری اور اس کی باقیات کے خلاف بات نہیں کرتا۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے وقت جب عراق کی مفتوح زمینوں کا سوال صحابہ کرامؓ کے سامنے پیش ہوا تو اس سوال پر طویل مشاورت ہوئی اور فیصلہ یہ ہوا کہ تمام ذرائع پیداوار ریاست ہی کی تحویل میں رہیں گے تاکہ نہ صرف ریاست کے اخراجات اور ریاستی سرحدات کے تحفظ کے فرائض پورے کیے جا سکیں بلکہ آنے والی نسلوں کو بھی اس دولت سے فائدہ اٹھانے کا موقع ملتا رہے۔ ہندوستان کی اراضی کے متعلق بعض جید علماء کے فتاویٰ موجود ہیں کہ یہ ارض المملکت یا ارض المحوزہ ہے۔ یہ اراضی نہ عشری ہیں نہ خراجی۔ اراضی کے نگران کو کاشتکار تلاش کرنے، زراعت کروانے، برداشت کرنے کا حق حاصل تو ہے لیکن لوگوں کی محنت اور اللہ کی اراضی سے حاصل ہونے والے ثمرات کو سمیٹنے کا حق نہیں۔ یہ سراسر ڈاکہ اور لوٹ مار ہے۔ یہی موقف حضرت ابوحنیفہؒ کا بھی ہے۔ اگرچہ حنفی فقہ کے پیروکار اب لامحدود ملکیت کے جواز کے قائل ہو چکے ہیں۔

قرآن کا یہ تصور انقلابی نوعیت کا تھا۔ بادشاہان وقت نے اس تصور کو اس لیے عملی جامہ نہ پہنایا یعنی ان ثمرات کو لوگوں میں تقسیم نہ ہونے دیا کہ وہ اپنے خاندان اور قبیلہ میں حکومت کو برقرار رکھنا چاہتے تھے اور اس کیلئے دولت، اسلحہ، فوج، نوکر شاہی، جاگیرداری سسٹم اور غلامی جیسے اداروں کی ضرورت تھی لہٰذا حاکموں نے ریاست یا ریاست کے تحفظ کے عنوان سے ساری مملکت کو اپنی ذاتی جاگیر بنالیا۔

اس پس منظر میں آپ خواجہ معین الدین سجزی چشتی کے اس اقدام کو دیکھیں کہ ملکیت کے تصور کی نفی کر کے انہوں نے ملوکیت کے ادارے کی نفی بھی کر دی۔ یہی وجہ ہے کہ خواجہ صاحب نے امام حسینؓ کے شدید احتجاج کو اپنی تحریک کی بنیاد قرار دیتے ہوئے وہ رباعی لکھی جس کی مثل روحانی ادب میں موجود نہیں ہے۔



شاہ ہست حسینؓ، پادشاہ ہست حسینؓ
دین ہست حسینؓ، دیں پناہ ہست حسینؓ
سرداد نداد دست در دستِ یزید
حقا کہ بنائے لاالہ ہست حسینؓ

یعنی اے وقت کے نام نہاد بادشاہو! اصل بادشاہ وہ درویش ہے جسے تاریخ حسینؓ کے نام سے جانتی ہے۔ وہ شاہ بھی ہے اور شاہوں کا شاہ بھی ہے۔ وہ سراپا دین ہے اور دین کی حفاظت کرنے والا بھی ہے کیونکہ اس نے یزید کے ہاتھ پر بیعت کر کے ملوکیت کے ادارے کو استحکام نہیں بخشا۔ بے شک کلمہ لاالہ کی بنیاد وہی حسینؓ ہے۔

قارئین کو معلوم ہے کہ اسلام کی روحانی آفاقی جمہوریت کا رخ 60 ہجری میں یزید کے حاکم بننے سے بدل گیا تھا۔ کیونکہ اسلام کی مختصر تاریخ میں اس سال خلافت کو خاندانی میراث بنا دیا گیا تھا۔ اس ایک آئینی انحراف کی وجہ سے آج تک امت مسلمہ نہ تو متحد ہو سکی ہے نہ ہی آج اس کا کوئی مشترکہ سیاسی مرکز ہے جہاں خلافت علی منہاج النبوت کا دور دورہ ہو۔ ایک لمحے کی خاموشی نے صدیوں تک تاریکی پھیلا دی۔

خواجہ صاحبؒ نے اپنے ہم عصر بادشاہوں اور جاگیرداروں کو چیلنج کر کے مخلوق خدا کو اس قرآنی منشور کی طرف متوجہ کیا جس نصاب میں دین کی تعریف میں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کے علاوہ معاشی اور سیاسی اصلاحات بھی شامل ہیں۔ آپ کے اس اعلان کا ایک اثر یہ بھی ہوا کہ عوام کو اس حقیقت سے آگاہی ہوئی کہ یہ حاکم دراصل غاصب ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ یہی روایت آگے بابا فریدؒ کے کلام میں ایک زوردار تحریک بن کر ابھرتی ہے۔

خواجہ غریب نوازؒ نے طویل سفروں میں مختلف ممالک اور متعدد معاشروں کا مشاہدہ کیا اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ سب بادشاہوں کا مسلک ایک ہی ہوتا ہے۔ دولت، اقتدار اور جاہ و حشمت طلب کرنے والے ان بادشاہوں کا مقدر جسمانی تکلیف، روحانی بے چینی، اندرونی خوف اور عوام الناس کی بیداری کا ڈر ہوتا ہے اس لیے وہ حقوق بشری کی پامالی کیلئے ظلم و استبداد پر انحصار کرتے ہیں۔ ہم عصروں کا حسد، اپنی جان کا ہر وقت خطرہ، تنزلی اور شکست کا خوف انہیں دامنگیر رہتا ہے۔ یہ طبقہ دینی سطح پر بھی گھاٹے میں رہتا ہے اور قیامت میں شدید حساب دینے پر مجبور ہوگا۔ اس کے مقابلہ پر متوکل صابر درویش دین و دنیا میں سرفراز ہوتا ہے۔ خواجہ صاحبؒ کے مشاہدہ اور

ریاضتوں نے انہیں اس راستے پر گامزن کیا جو بادشاہوں کی قسمت میں نہیں ہوتا۔

خواجہ صاحبؒ کی طرف ایک قول منسوب ہے کہ اس شخص پر افسوس ہے جو قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شرمندہ ہوگا۔ حضور کو شرمندہ ہونے والے کی جگہ کہاں ہے؟ اس قول سے آپ اندازہ لگائیں کہ اطاعت و محبت رسولؐ کی کس منزل پر پہنچ کر خواجہ صاحب اتنا اہم اعلان کرتے ہیں کہ قیامت میں شرمندہ ہونے والوں پر افسوس ہے۔

خواجہ صاحب کا ایک اور انقلابی قدم عوام میں علمی و فکری بیداری پیدا کرنا تھی۔ آپ نے اپنی مجالس میں ارادتمندوں کی باقاعدہ تعلیم و تربیت کا بندوبست کیا یعنی آپ نے آزاد انسانوں کی جماعتیں تیار کرنا شروع کیں۔ تعلیم و تربیت ہی وہ محفوظ ذریعہ ہے جس سے نہ صرف جہالت کی زنجیریں ٹوٹتی ہیں بلکہ عرفان ادراک، تحقیق اور تجسس کی نئی راہیں کھلتی ہیں۔ بات آگے بڑھتی ہے۔ انسان مادی اور روحانی ترقی کی راہ پر گامزن ہو جاتا ہے جس کا ایک نتیجہ یہ برآمد ہوتا ہے کہ انسان دوست رجحانات پروان چڑھتے ہیں اور ملوکیت کی بنیادوں میں کمزوری پیدا ہو جاتی ہے۔ علم کے حوالے سے خواجہ غریب نوازؒ کے دو قول قابل ذکر ہیں۔ آپ فرماتے ہیں: اس جہاں میں جو تین عزیز ترین چیزیں ہیں ان میں اول وہ عالم ہے جس کی گفتگو اس کے علم سے ہو۔ علم کے متعلق آپ فرماتے ہیں کہ علم بحر بے کنار ہے معرفت اس بحر بے کنار کی ایک ندی۔ پس اللہ کجا اور بندہ کجا۔ علم اللہ ہی کو ہے اور بندے کو صرف معرفت حاصل ہوتی ہے۔

یہ بات درست ہے کہ علم کا ہدف صالح عمل ہے۔ عمل دو قسم کا ہوتا ہے۔ حسن لعینہ جو محدود ہونے کی وجہ سے کم درجے کا ہے اور دوسرا عمل حسن لغیرہ یعنی کسی دوسری چیز کی خاطر۔ اس کی مثال وضو کی سی ہے۔ وضو بذات خود ایک عمل ہے لیکن اس کا حسن یہ ہے کہ اس سے مقصود نماز ہے۔ اگر علم سے مراد عمل صالح نہ ہو تو ایسا علم صرف ذاتی منفعت ہی کیلئے ہوتا ہے جسے مولنا رومیؒ پسند نہیں کرتے۔ آپ فرماتے ہیں:

علم را بر تن زنی مارے بود
علم را بر جاں زنی یارے بود

یعنی اے انسان تو اگر علم کو اپنے جسم ہی کیلئے استعمال کرے گا تو یہ سانپ بن جائے گا لیکن اگر تو اسے اپنی جان (بین الاقوامی ضمیر) پر استعمال کرے گا تو یہ علم تمہارا دوست بن جائے گا۔

خواجہ صاحبؒ کی تعلیمات کا ایک بڑا کارنامہ عورت اور مرد کی برابری کی شکل میں نظر آتا



ہے۔ اسلام نے آدمی کو عورت کا لباس اور عورت کو آدمی کا لباس قرار دیا ہے اور میاں بیوی دونوں کیلئے زوج ہی کا لفظ استعمال کیا ہے تاکہ یہ ظاہر کیا جائے کہ دونوں مل کر ہی اللہ تبارک تعالیٰ کے تخلیقی عمل میں حصہ ڈالتے ہیں۔ خواجہ صاحبؒ کی اپنی صاحبزادی حافظہ جمال تصوف کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوئیں۔ خواجہ صاحب نے اپنی صاحبزادی کو خرقہ خلافت سے بھی نوازا اور موصوفہ نے امہات المومنین کی سنت کی پیروی کرتے ہوئے ہندوستانی خواتین کی دینی تربیت کی۔ بی بی حافظہ کا مزار خواجہ غریب نواز کے پہلو میں ہے۔

خواجہ صاحب کا ایک کارنامہ قرآن پاک کے حوالے سے بھی نظر آتا ہے۔ بعض روایات میں درج ہے کہ آپ روزانہ ایک بار قرآن پاک ختم کیا کرتے تھے۔ خیر جو بھی صورت ہو اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ آپ کو قرآن پاک سے بہت شغف تھا اور آپ کی صاحبزادی قرآن پاک کی حافظہ تھیں۔ اپنے ارادتمندوں کے سامنے قرآن پاک پڑھنے کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ اپنے ملنے والوں کو قرآن پاک کی تعلیمات سے آگاہ کیا جائے اور یہ ثابت کیا جائے کہ یہ ایک زندہ کتاب ہے جس کا ہر زندہ شخص کی زندگی میں عمل دخل ہے اور اس کی اہمیت کا یہ عالم ہے کہ آپ لوگوں پر واضح کرنا چاہتے تھے کہ ان کا مرشد ہر وقت اس پاک کلام کی تلاوت میں مصروف رہتا ہے لہٰذا مریدین کو بھی قرآن سے تعلق جوڑنا چاہیے۔ ہمارے صوفی بزرگ اپنی مجالس میں قرآن پاک کے مختلف مضامین پر اظہار خیال کر کے لوگوں کے ذہنوں میں پیدا ہونے والے سوالات کا نہ صرف جواب دیتے تھے بلکہ ان کی سوچ اور فکر کو نئے زاویوں سے متعارف کراتے تھے۔

خواجہ صاحبؒ کی اس روایت کو آپ کے شاگرد رشید خواجہ قطب الحق والدین بختیار کاکی نے اس طرح زندہ رکھا کہ دن رات تلاوت قرآن میں مشغول رہتے۔ آپ حافظ قرآن بھی تھے اور بعید نہیں کہ روزانہ قرآن ختم کرنا آپ کا معمول ہو۔ رات کو سوتے وقت تین ہزار مرتبہ درود شریف پڑھا کرتے۔ آپ کے متعلق لکھا ہے کہ اکثر مراقبہ اور استغراق کی حالت میں ہوتے لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ آپ ان لمحات میں آیات قرآنی پر غور کیا کرتے۔ وقت کا صحیح استعمال تو درویش ہی سے سیکھا جا سکتا ہے۔ یہ لوگ ایک ایک لمحہ کا حساب رکھتے ہیں۔ بختیار کاکیؒ صاحب کے متعلق مشہور ہے کہ آپ چھپ کر عبادت کیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ مرد کا کمال چار چیزوں میں ہے۔ کم کھانا، کم بولنا، کم سونا اور لوگوں سے کم ملنے میں (تاکہ بلا مقصد باتوں میں وقت ضائع نہ ہو)۔

قرآن پاک کی تلاوت کو عام کرنے کا ایک مقصد لوگوں تک خالص توحید کا تصور بھی پیش

کرتا تھا۔ جس معاشرہ میں خواجہ صاحب نے اپنے مشن کا آغاز کیا وہاں خدا کے متعلق مختلف تصورات رائج تھے کیونکہ ایک خدا کی جگہ وہاں کئی خداؤں کی پرستش ہوتی تھی۔ قرآن خدا کی پرستش کی بجائے ذات وصفات باری تعالیٰ سے انسان کو متعارف کراتا ہے۔ توحید خالص کی فہم و ادراک کیلئے مجالس ومحافل میں قرآن پاک کی تلاوت ایک انقلابی اقدام تھا جس کے لامحالہ دور رس اثرات پیدا ہوئے۔ قرآن نے اسی لیے کئی مقامات پر اپنے قاری سے ترتیل وتلاوت کلام الٰہی کا مطالبہ کیا ہے۔

سورہ مزمل 29/73/04 میں رتل القرآن ترتیلا کا حکم دے کر اس حقیقت کو واضح کیا ہے کہ قرآن فکر وتدبر کی چیز ہے اور زندگی کی رہنما کتاب۔

بزرگان دین کے اکثر تذکرہ نگار حالات زندگی لکھتے وقت ان کی کرامات، وظائف اور زہد وتقویٰ کا ذکر ضرور کرتے ہیں۔ بعض کتب میں ہم عصر درباری سیاسی حالات بھی درج ہوتے ہیں مثلاً ہندوستان کی طرف آنے والے بزرگوں کے سلسلہ میں ان کے دور کے مسلم حکمرانوں اور برصغیر میں راجے مہاراجوں اور مسلمان فاتحین کے واقعات درج کیے ہوتے ہیں۔ بعض مصنفین برصغیر پر حملہ آور مسلمان حکمرانوں یا سپہ سالاروں کو شاہان اسلام جیسے مقدس ناموں سے یاد کرکے اسلام کے ان جاں نثاروں کی قربانیوں کی نفی کردیتے ہیں جن لوگوں نے اسلامی تعلیمات کی ترویج میں جان اور مال تک قربان کر دیا۔ ان وقائع نگاروں کو پڑھنے کے بعد احساس ہوتا ہے کہ شاید اسلام کا سنہری دور انہی لوگوں کے دم قدم سے تھا اور ان سے پہلے تاریکی ہی تاریکی تھی۔ بعض کی تحریروں سے کچھ ایسا تاثر بھی ملتا ہے کہ یہ درویش بزرگ طالع آزما فاتحین کی عسکری نوکر شاہی کے ساتھ دعا گو کے طور پر منسلک تھے اور ان کی دعاؤں سے بعض اشخاص کی خاندانی حکومتیں قائم ہوئیں۔

ان مورخین نے ہر دور کے چند متقدر افراد کے قتل وخون کو تاریخ سمجھ کر بیان تو کیا لیکن اس عوام کی داستانِ حیات بیان کرنے سے گریز کیا جو حکمرانوں کی عسکری مہمات کا ایندھن بنتے رہے۔ وہ عوام جن کا مقدر ہی فلاکت کی سطح سے نیچے زندگی گزارنا تھا۔ جن پر ذرائع پیداوار سے فائدے کے راستے بند کر دیئے گئے تھے اور ان کے حق میں دانشور، مورخ، انشاپرداز اور مذہبی گروہی طبقہ آواز اٹھانے کیلئے تیار نہ تھا۔

اب آپ سید معین الدین چشتیؒ کی آمد کا واقعہ ہی لے لیں۔ بیان کیا گیا ہے کہ جب ان کے مرشد نے تبرکات سے نوازنے کے بعد انہیں اللہ تبارک تعالیٰ کے سپرد کیا تو نصیحت فرمائی کہ



خلق سے طمع نہ رکھنا اور کسی سے کچھ طلب نہ کرنا تو اس کے بعد آپ اپنے وطن آئے اور پھر زیارت حرمین کیلئے گئے۔ روایت کے مطابق انہیں مدینہ منورہ سے ہندوستان جا کر دین اسلام کی ترویج کا حکم ملا اور حضورؐ نے یہ بھی فرمایا کہ معین آج سے تم غریب نواز ہو اور ایک انار بھی عطا فرمایا۔

اس روایت کا بغور جائزہ لیں تو اس میں تین اہم باتیں نظر آ رہی ہیں: ۱) حضورؐ نے خواجہ معین الدین چشتی کو اپنا سفیر بنا کر ہندوستان جانے کا حکم دیا۔ ۲) آپ کو غریب نواز کے لقب سے نوازا نہ کہ بادشاہ یا امراء نواز قرار دیا۔ یعنی آپ کی سفارت کار کا دائرہ محرومین کی فلاح سے منسلک کر دیا۔ کیا یہ بات ظاہر نہیں کرتی کہ محرومین کی اصلاح اس وقت کا سب سے بڑا مسئلہ تھا۔ یہ مسئلہ آج بھی اسی طرح توجہ طلب ہے۔ ۳) آپ کو حکم یہ تھا کہ اسلام کی ترویج کی جائے۔ اسلام کی خدمت کیلئے علماء بھی موجود تھے لیکن خواجہ صاحب کو خصوصی مشن دے کر بھیجنے کا مقصد یہ تھا کہ اسلامی تعلیمات کی روح کو برصغیر میں عام کیا جائے۔ آپ کو کسی بادشاہ یا فوجی حکمران سے مدد طلب کرنے کا فرمان نہیں ملا تھا۔ ۴) انار نہ صرف ایک خوبصورت میوہ اور قدرت کی صناعی کا ایک شاہکار ہے بلکہ بیماروں کو صحت یاب کرنے کا وسیلہ بھی ہے۔ انار اس حقیقت کی نشاندہی کر رہا تھا کہ اے معین الدین تیرے ہاتھوں بے شمار بیمار یعنی بے عقیدہ لوگ ایمان کی دولت پا کر فیض یاب ہوں گے۔ انار کا مطلب یہ تھا کہ جس طرح سینکڑوں دانوں کو اللہ تبارک تعالیٰ کی صناعی نے ایک کوزے میں باہم دگر ملا دیا ہے اسی طرح معین الدینؒ اپنی تحریک کے ذریعہ اللہ تبارک تعالیٰ کی بکھری ہوئی مخلوق کے ایک ایک دانے کو روحانی پوشش کے اندر محفوظ کر کے ایک اجتماعی نظام میں منسلک کریں گے۔

ہمارے نکتۂ نظر سے حضرت خواجہ نظام الدینؒ ہندوستان میں ایک نکاتی ایجنڈا لے کر وارد ہوئے تھے اور وہ تھا اسلام کا آفاقی روحانی جمہوریت کا تصور جسے اس دھرتی پر انسانی زندگی کا حصہ بنانا تھا تاکہ توحید کی عملی شکل ہر ہر فرد کی زندگی میں نظر آئے اور احکم الحاکمین کی عملداری کا اظہار کائنات کے ایک ایک ذرہ میں ہو جائے۔

کرامتوں کے حوالے سے چند تاریخی واقعات کا ذکر دلچسپی کا باعث بنے گا۔

1۔ اکبر بادشاہ کا اولاد نرینہ یعنی مغل سلطنت کیلئے وارث کیلئے بے قرار رہنا اور بالآخر بابا فرید کی اولاد میں سے سلیم چشتی کی خانقاہ پر ایک عام سوالی کی حیثیت میں حاضری دینا تاریخی واقعہ ہے۔ اس حقیقت کا اعتراف جہانگیر نے اپنی تزک میں بھی کیا ہے۔ جناب سلیم چشتی

نے اکبر بادشاہ کو خواجہ معین الدین کے دربار پر حاضری کا حکم دیا۔ دونوں درگاہوں پر ہندوستان کا بادشاہ پا پیادہ حاضری دیتا ہے، دعائیں کرتا ہے اور اللہ تبارک تعالیٰ اس عاجزی اور حاضری کو قبول فرما کر اسے اولاد نرینہ سے نوازتے ہیں۔ اکبر بادشاہ اپنے وارث کا نام اسی درویش کے نام پر سلیم رکھتا ہے۔ جس بچے نے جہانگیر بن کر ہندوستان میں بادشاہی کی اور جب تک زندہ رہا جناب سلیم چشتی کا تذکرہ بھی نہایت ادب و احترام سے کرتا رہا حالانکہ جہانگیر کی ماں ہندو راجہ کی بیٹی تھی جس کی پوجا پاٹ کیلئے قلعہ کے اندر علیحدہ مندر بنایا گیا تھا اور جودھابائی کی کوکھ سے جنم لینے والے اور اس کی گود میں پرورش پانے والے اور اپنی ماں کو بتوں کے سامنے سجدہ ریز دیکھنے کے باوجود جہانگیر کی مسلمان صوفیاء سے عقیدت بھی کسی کرامت سے کم نہیں۔

2۔ دوسرا واقعہ بھی مغل بادشاہوں سے متعلق ہے۔ اورنگ زیب عالمگیر اپنے کٹر مذہبی خیالات کی وجہ سے مشہور ہے۔ وہ خواجہ معین الدین چشتی کی درگاہ پر نہایت ادب و احترام کے ساتھ کافی دور سے اپنی شاہی سواری سے اتر کر پا پیادہ حاضری دینے جاتا ہے۔ درگاہ سے باہر اسے اندھے لوگ نظر آرہے ہیں جو کئی برسوں سے بینائی تلاش کرتے کرتے گداگر بن جاتے ہیں۔ اورنگ زیب انہیں دھمکی دیتا ہے کہ درگاہ سے حاضری کے بعد اگر اس نے دیکھا کہ ان کی بینائی واپس نہیں آئی تو سب کو قتل کروا دیگا۔ فقراء میں کہرام مچ گیا اور سب نے صدق دل سے آنکھوں کے نور کی اپنے اللہ کے حضور التجائیں شروع کر دیں۔ اورنگ زیب جیسا بادشاہ جو قبر پرستی کو گناہ سمجھتا تھا آج ننگے پاؤں ہندوستان کے اصل سلطان یعنی سید معین الدین چشتی اجمیری کی درگاہ میں حاضری دے رہا ہے۔ درود و سلام پڑھتا ہے، تلاوت کرتا ہے، ہاتھ باندھے، سر جھکائے ہوئے آستانہ پر کھڑا ہے۔ آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی ہے۔ اس کی اس حالت کو دیکھ کر درباری اور موجود لوگوں پر بھی رقت طاری ہو جاتی ہے۔ کافی دیر کے بعد جب شرع شریف کا پابند اورنگ زیب باہر آتا ہے تو سارے اندھوں کی آنکھوں میں روشنی بحال ہو چکی تھی۔ اس کے بعد اورنگ زیب دعا کے لیے درویش کے اسی دربار پر اجمیر میں حاضری دیتا رہا۔

کرامات کے سلسلہ میں ان دو واقعات کا اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ ان کی حیثیت تاریخی اور متفق علیہ ہے۔ اورنگ زیب جیسے کٹر مذہبی بادشاہ کے متعلق بیان ہوتا ہے کہ وہ خود مجدد الف ثانی



کے بیٹے خواجہ معصوم کے حلقہ ارادت میں شامل تھا۔

اب چونکہ کرامات کا ذکر ہوا ہے تو میں یہاں اپنے معزز قاری کو سید عثمان مروندی المعروف حضرت لعل شاہ باز قلندر کا حوالہ دینا چاہوں گا جن کی زندگی کرامات سے بھری پڑی ہے۔ خالد آصف نے آپ کی متعدد کرامات کا ذکر کیا ہے اور مختلف کتب میں بھی ان محیر العقول واقعات کا تذکرہ ملتا ہے۔ بیان ہوتا ہے کہ جس زمانے آپ گرنار میں مقیم تھے آپ کے گرد حاجتمندوں اور بیماروں کا ہجوم ہوتا تھا۔ وہاں ایک ایسا شخص بھی تھا جس کا بیٹا عرصہ دراز سے لاپتہ تھا۔ ماں باپ کا جدائی میں ابتر حال ہو گیا تھا۔ اس کی درخواست پر قلندر صاحب نے خود اس کا لڑکا تلاش کر کے اس کے حوالے کیا۔ اسی طرح خواجہ صاحب کے ایک خاص مرید بودلا کا واقعہ بھی بیان ہوا ہے جسے آپ نے سہون جانے سے پہلے روانہ کر دیا تھا۔ حاکم سہون راجہ جیر جی نے اس ملنگ کو زنجیروں میں جکڑ کر جسمانی تشدد شروع کروایا۔ لعل شاہباز کے سہون پہنچنے کے بعد کئی ایسے واقعات ہوئے کہ راجہ کو درویش سے چڑ ہو گئی لیکن ایک دن قلندر صاحب نے بودلا کو آواز دی تو اس کی زنجیریں بھی ٹوٹ گئیں اور دیواریں شق ہو گئیں اور وہ آزاد ہو کر اپنے مرشد کے سامنے پہنچ گیا۔

حضرت شہباز قلندر چلتے وقت گردن نیچی رکھتے تھے۔ ان کی زیارت کیلئے ایک ہندو لڑکی نے کھڑکی سے چھلانگ لگائی اور آپ کے قدموں میں گری اور اس طرح اس نے مرنے سے پہلے آپ کا چہرہ دیکھ لیا۔ لڑکی کے گھر والوں کو معلوم تھا کہ وہ قلندر سے بہت عقیدت رکھتی ہے۔ اس کی میت کو جب عزیز و اقرباء اٹھانے آئے تو میت اس جگہ سے نہ اٹھا سکے۔ قلندر صاحب نے کہا کہ میت اس وقت اٹھے گی اگر تم وعدہ کرو کہ اسے دفن کیا جائے گا۔ اس لڑکی کی تجہیز و تکفین ہوئی اور آج بھی قلندر سرکار کے عرس کے موقع پر اسی خاتون کی قبر سے مہندی اٹھائی جاتی ہے۔

اس جگہ اس حقیقت کو بیان کرنا ضروری ہے کہ درویشوں نے کرامات کے سہارے دین کی خدمت نہیں کی۔ ان کی نظر میں کرامات ایک طرح کا حجاب ہے۔ شیخ نظام الدین اولیاءؒ فرمایا کرتے تھے کہ سلوک کے سو مراتب ہیں جن میں سترہواں مرتبہ کشف و کرامات کا ہے۔ جو سالک اس مقام پر رہ گیا وہ باقی تراسی مراتب حاصل نہیں کر سکتا۔ یعنی اصل بات درویش کا عوام الناس سے اخلاق اور سلوک ہے۔ ان کا طرز حیات اگر بطور نمونہ قابل قبول اور پسندیدہ ہے تو پھر درویش تحریک کو آگے لے کر چلتا ہے۔ "انکی پاک اور بے لوث زندگیوں کی کشش ان کے اخلاقی نصب العین اور اصلاحی اور دینی جدوجہد میں مضمر ہے۔"

انسانی تاریخ میں وہ لمحات بھی موجود ہیں جب حضورؐ نے تلوار چلائے بغیر اور شاہی حکم صادر کیے بغیر لاکھوں دلوں کو فتح کر لیا۔ آپ کے پاس ابتداء میں حکومتی سرپرستی تھی نہ ہی سپاہ و لشکر موجود تھے۔ جناب محمدؐ رسول اللہ خاندانی بادشاہ بھی نہ تھے کہ ان کے دین کو دیکھ کر لوگ اپنا دین بدل لیتے۔ آپ لوگوں میں سے اٹھے، لوگوں ہی میں رہے، لوگوں کے ساتھ معاملات کیے اور لوگوں ہی سے صادق و امین کا لقب حاصل کیا۔ آپؐ نے ہمیشہ محرومین کی مدد کی اور ظلم کے خلاف آواز اٹھائی۔ آپ کا اخلاق کریمانہ تھا اور آپ کے مزاج میں تحمل، رواداری اور برداشت تھی۔ غور و فکر آپ کا وطیرہ تھا۔ اس لیے آپ کے ہاتھوں دنیا کا سب سے پہلا اور عظیم روحانی انقلاب برپا ہوا۔ یہ روحانی انقلاب زندگی کے ہر شعبہ کو متاثر کرتا گیا اور آج بھی فکری احیاء کی مضبوط بنیادیں فراہم کیے ہوئے ہے۔

سورہ النصر 30/110/01-03 میں قرآن نے اعلان کر دیا کہ جب اللہ کی مدد اور فتح آ جائے اور تو لوگوں کو جوق در جوق اللہ کے دین میں آتا دیکھ لے تو پھر اپنے رب کی تسبیح کے ساتھ اور اسی سے مغفرت مانگ۔ بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔

خواجہ غریب نواز نے اسی سنت کا احیاء کیا اور اجمیر میں ڈیرے ڈال کر دین حنیف کی روح کو لوگوں میں متعارف کرایا۔ ان کے اس عمل میں اللہ تبارک تعالیٰ نے ایسی تاثیر پیدا کر دی کہ جو کوئی جی بھر کے ان کو دیکھ لیتا وہ دل و جان سے آپ کی تعلیمات کا گرویدہ ہو جاتا اس طرح لوگوں کی زندگیوں میں خیر کی کثرت ہونے لگی۔ راقم کی نظر میں یہ بہت بڑی کرامت تھی۔ ان کی تحریک کی کامیابی درویش کی ذاتی جد وجہد کا نتیجہ تھی۔ یہاں ایک اور بات غور طلب ہے۔ خواجہ صاحبؒ کو اپنے مرشد کی جانب سے جو تبرکات ملے تھے وہ آپ کے نزدیک امانت تھے۔ یہ امانت مادی اعتبار سے بے حیثیت تھی لیکن معنوی حیثیت میں ایک گراں قدر سرمایہ تھا۔ کلاہ چارتر کی و دستار، عصا، قرآن پاک، مصلے اور خرقہ یہ پانچ مادی چیزیں مل کر خلافت کی علامت بنی تھیں۔ خواجہ غریب نوازؒ نے حضرت بختیار کاکی کو فرمایا تھا کہ اللہ کے دوستوں میں تین صفتوں کا ہونا ضروری ہے۔ اولاً خوف یعنی اللہ تبارک کی ذات پر ایمان لانے کے بعد گناہوں سے بچا جائے تا کہ نار جہنم سے نجات حاصل ہو سکے دوم رضا یعنی سالک کی مراد اللہ تبارک تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا ہوتی ہے۔ عبادت نہ تو جنت کی خواہش کیلئے ہو نہ ہی دوزخ کے خوف سے بلکہ اللہ تبارک تعالیٰ ہی کے لیے اور اس کے حکم کی تعمیل میں تا کہ اس کی رضا حاصل ہو سکے۔ رضا کا لغوی مطلب کسی سے متفق



ہوتا ہے۔ اس میں جبر کا پہلو نہ ہو بلکہ اپنی خوشی بھی شامل ہو۔ قرآن پاک کی سورہ توبہ 11/09/100 میں مومنین کی صفت اس طرح بیان ہوتی ہے رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ یعنی اللہ ان سب سے راضی ہے اور وہ سب اللہ سے راضی ہوئے۔ اللہ کے پسندیدہ راستے اپنانے والے لوگ ہی اپنا گروہ ہوتا ہے جن سے اللہ راضی ہوتا ہے۔ انسان کا خدا سے راضی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ کے تجویز کردہ راستے کو دل سے پسند کرتا ہے اور اس پر عمل پیرا ہوتا ہے۔ یہ لوگ منہ سے صرف چند لفظ بول کر راضی نہیں کرتے جیسا کہ سورہ توبہ ہی میں 10/09/08 میں لکھا ہے کہ یہ لوگ یرضونکم بافواھھم وتابی قلوبھم یعنی بس وہ منہ زبانی آپ کو (اے رسولؐ) راضی کرتے ہیں اور ان کے دل انکار کر رہے ہوتے ہیں۔

خواجہ صاحب نے جس تیسری بات کا ذکر کیا وہ محبت تھی یعنی سوائے اللہ تبارک تعالیٰ کی ذات سے اور کسی سے بھی لگاؤ نہ ہو۔ اگر لگاؤ ہے تو اس کے وجود سے، اس کی ذات سے، اس کی صفات سے، اس کے احکام سے، اس کے مشن سے اور اس کے مقرر کردہ اہداف سے۔ کیونکہ مومن کی مراد اللہ ہے، مومن کا مقصد اللہ کی رضا ہے۔ وہ جس طرح راضی ہو سالک اسی طریقہ کار کو اپنا کر اپنی عقیدت کا اعلان کرتا ہے۔ اس لیے محبت اور عبودیت میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ عبودیت محبت کے بغیر محض رسوم کی ادائیگی ہے اور محبت عبودیت کے بغیر زبانی دعویٰ سے زیادہ کچھ بھی نہیں۔

یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

تین الفاظ یعنی خوف، رضا اور محبت کی تعلیم فرمانے کے بعد خواجہ صاحب نے جناب بختیارؒ کاکی کو خلافت عطا فرماتے ہوئے کہا یہ امانت (یعنی کلاہ چارتر کی معہ دستار وغیرہ) حضورؐ کی جانب سے ہمارے خواجگان کو ملی تھی۔ میں نے اس امانت کا حق ادا کیا اب تمہارا کام اس حق کو ادا کرنا ہے۔ اس کے بعد دعا دی اور کہا کہ میں نے تجھے خدا کے سپرد کیا۔ جہاں رہو خوبی سے رہو۔ مرد شناس بنو اور خدا شناس ہو۔ اس کے بعد حضرت بختیار کاکی اس بھاری امانت کو اٹھا کر دلی آ گئے۔

یہ امانت کا تصور محض صوفیانہ تصور نہیں بلکہ یہ قرآنی تصور ہے۔ امانت وہ شے ہے جو کسی کو اس کے بھروسے پر دی جاتی ہے۔ اس لفظ کا مادہ ا۔م۔ن ہے اور اسی سے لفظ ایمان بنتا ہے۔ اس مادہ میں امن کا پہلو شامل ہوتا ہے۔ امین وہ شخص ہوگا جو مطمئن ہو۔ جسے کسی قسم کا خوف نہ ہو۔ اس

میں بوجھ اٹھانے کی صلاحیت ہو اور وہ مال امانت میں کمی نہ آنے دے۔ ایسا اعتماد والا شخص ہو کہ لوگ خود پکار اٹھیں کہ یہ صادق و امین ہے اسی لیے ہر رسول امین ہوتا ہے۔ سورہ التکویر 30/81/21,22 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ وحی پہنچانے والا فرشتہ امین ہے اور اس کی اطاعت آسمانوں میں کی جاتی ہے اور اس کے بعد حضورؐ کے متعلق کہا کہ تمہارا ساتھی دیوانہ نہیں ہے۔ یہ غیب کی باتیں بتانے میں بخل نہیں کرتا۔ امانت کی اہمیت کا یہ عالم ہے کہ خصوصی طور پر سورہ النساء 05/04/58 میں حکم درج ہے کہ حق داروں تک امانتیں پہنچادو۔

تصوف کے نقطۂ نظر سے چونکہ جناب رسالتمآبؐ کی ذات اقدس ہی سے خلافت کا منصب حضرت علیؓ کو حاصل ہوا تھا جو عہد بعہد صوفیا کرام میں چلا آ رہا ہے لہٰذا یہ ایک مقدس امانت ہے جس کی ادائیگی ہر صاحب امانت پر فرض ہو جاتی ہے۔ اس امانت کو صرف سنبھال کر نہیں رکھنا ہوتا بلکہ معنوی طور پر اس امانت کا معاشرتی سطح پر اظہار بھی ہونا چاہیے جس طرح حضورؐ پاک نے وحی کو متعارف کراتے ہوئے انسان دوست اداروں اور متوازن معاشرہ کے قیام کیلئے دن بھر رات کوشش بھی کی تھی۔ اس امانت کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اسے حقداروں تک پہنچنا چاہیے اور یہ وراثت خاندان ہی میں مقید نہ کر دی جائے۔ اس کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ یہ امانت اہل اور حق دار حضرات تک منتقل بھی ہوتی رہے کیونکہ انسان کی روحانی ضروریات ہر زمانے اور ہر مقام پر موجود ہیں۔ اس ترسیل میں اگر رکاوٹ پیدا ہو جائے تو وہ امت کے زوال کا سبب بھی بن سکتی ہے۔

میرے نقطۂ نظر سے خواجہ معین الدین چشتیؒ اور ان کے بعد ان کے محترم جانشینوں کا ایک اہم کارنامہ برصغیر میں اسلامی حوالوں سے تصوف کی ثقافت کو رائج کرنا تھا۔ معاشرے کی تقویت کا انحصار اس کی ثقافت پر ہوتا ہے۔ ثقافت اگر معروف، مقبول، مضبوط اور فعال ہو تو معاشرہ کی اساس کمزور نہیں ہوتی۔ تصوف کی لہر تو کافی پرانی تھی لیکن تصوف کی تحریک کا کوئی مرکز تھا اور نہ ہی یہ کسی خاص علاقے میں محدود تھی۔ اسلام کے مذہبی عناصر کیلئے مکہ اور مدینہ ایک معروف اور مقبول مرکز تھے اور ان کی دینی حیثیت مسلمہ تھی۔ ان جگہوں پر لوگ باقاعدگی سے جا کر مخصوص انداز میں عبادت کرتے اور اسی طریقہ کو یعنی نماز روزہ کو ہر مسلمان علاقے میں بھی رواج حاصل تھا لیکن اس مذہبی عمل میں ایک جمود طاری ہو چکا تھا۔ مذہبی پیشوا الا ماشاء اللہ سو مات کو متحرک نہ کر سکے۔ ان مذہبی رسوم کا جسمانی اظہار تو ہر روز ہو جاتا لیکن ان رسوم کے پس منظر نظریہ کو انسان کی عملی اور فکری زندگی کا حصہ نہ بنایا جا سکا لیکن بایں ہمہ یہ بات ثابت ہے کہ تیسری صدی ہجری میں بغداد اسلام کی ثقافت اور علم کا



مرکز بن چکا تھا اور انہی علمی اور فکری کاوشوں نے آگے آنیوالی صدیوں کے دانشوروں کو متاثر کیا۔

مولوی کی طرف سے ہر خطے میں تصوف کی تحریک پر اعتراضات وارد ہوئے اور علماء کی اس آواز میں دربار کا جبر بھی شامل ہو گیا تھا لہٰذا ضروری تھا کہ تصوف کا مکتب روحانی اساس پر قائم ہو اور اسے عوامی تائید بھی حاصل ہو لیکن اس مقصد کیلئے نہایت جانفشانی سے کام کرنے والے مخلص دانشور کارکن درکار تھے جو اسلامی فلسفہ کو انسان کی عملی زندگی میں نہ صرف رائج کریں بلکہ اللہ تبارک تعالیٰ کی ذات کو انسانی زندگی کا مرکز و محور بنانے کا کام انجام دیں۔ ان شیوخ کے پاس تصوف کی تحریک بڑھانے اور اس کو عوامی ثقافت بنانے کیلئے نہ تو دولت موجود تھی اور نہ ہی ان کے پاس فوج یا نوکر شاہی یا دربار کی سرپرستی تھی جس کا اثر رسوخ استعمال کر کے تحریک کو منظم کیا جا سکتا۔

خواجہ صاحبؒ نے ان تمام دنیاوی ذرائع کی نفی کرتے ہوئے اپنے خدا پر اور خداداد صلاحیتوں پر بھروسہ کیا اور برصغیر میں روحانی ثقافت کی بنیاد اجمیر کی سرزمین میں رکھی۔ اپنے طرز عمل سے اسلام کو آزاد کرانے یعنی بالآخر انسان کو آزاد کرانے کا عمل جاری کیا۔ آپ کے اس عمل میں عوام شریک ہوئے اور پھر یہی عوام تصوف کی تحریک کے چلتے پھرتے سفیر بنے اور قریہ قریہ اس ثقافت کے پیروکار پیدا ہو گئے۔ آپ اندازہ لگائیں کہ اس تصور کو منظم کرنے کے کتنے دوررس نتائج برآمد ہوئے۔

یونان کے ایک باغ میں افلاطون لوگوں کو درس دیا کرتا تھا۔ اس جگہ کا نام اکیڈمی تھا اور اس وقت سے لفظ اکیڈمی علمی فکری مکالمہ کے لیے مخصوص ہو گیا ہے۔ اس یونانی اکیڈمی کو اگرچہ ڈوس ٹی نین نے اس لیے بند کروا دیا کہ یہاں پڑھائے جانے والے اسباق اس کے عقیدے کے منافی تھے لیکن ہمارے صوفیاء نے اسی ارفع نظریہ کے تحت جنگلوں، بیابانوں اور بستیوں کے اندر خانقاہیں، زاویے، مزار، تکیے، حوضے، جماعت خانے اور روضے بنا کر فکری اور ثقافتی تحریک کے مراکز کا جال بچھا دیا جن کو بند کرنا کسی حاکم کیلئے ممکن ہی نہ رہا کیونکہ ان اداروں کے ساتھ مخلوق خدا ثقافتی سطح پر وابستہ ہو چکی تھی اور لوگوں کے شب و روز میں مرشد، قوالی، نذر نیاز، تبرک، میلے اور عرس اور زیارات کو بہت اہمیت حاصل ہو گئی تھی۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ خواجہ اجمیریؒ نے ثقافت کا یہ راز اپنے جد امجد امام جعفر صادقؓ کی تعلیمات سے حاصل کیا تھا جنہوں نے بنی امیہ اور بنو عباس کی اہل بیت دشمنی کے باوجود شیعی مکتبہ فکر کو روحانی اساس مہیا کر کے ایک زندہ تحریک بنا دیا۔

امام جعفر صادق ہی نے شیعہ مکتب فکر میں مختلف موضوعات پر آزادی اظہار فکر کے ساتھ

مختلف موضوعات پر بحث کی اجازت دے رکھی تھی۔ امام جعفر صادق کا دور 80 ہجری سے 148 ہجری تک کا ہے۔ آپ کی مذہبی ثقافت کے چار رکن بتائے گئے ہیں۔ (۱) دین (۲) ادب (۳) علم اور (۴) عرفان۔ امام جعفر صادق کے پاس کربلا کے واقعہ کی شکل میں ایسا مواد بھی موجود تھا جس کے گرد ایک فعال ثقافت ابھری جس نے عوامی سطح پر لوگوں کو متاثر کیا۔ خواجہ اجمیریؒ کے پاس ان روایات کے علاوہ اسلام کی مستقل اقدار اور امام جعفر صادق جیسے متحرک دانشور کا عملی نمونہ وہ فکری اثاثہ تھا جسے ہندوستان کی سرزمین میں لوگوں کے درمیان ان کی زندگی میں رائج کر کے سنتِ رسولؐ کا احیاء کیا گیا۔

عہد بعہد اس رجحان میں ترقی ہوئی اور تصوف کا ثقافتی پہلو حضرت بابا فریدؒ کی زندگی میں اپنے کمال تک پہنچ چکا تھا۔ تصوف کو ثقافتی سطح پر لانے اور عوامی زندگی کا ایک با اعتماد اور مضبوط حصہ بنانے میں بابا فرید کا کردار قابل تعریف ہے۔ عام طور پر مسجد سے ملحق مدارس میں صرف فقہ کی تعلیم دی جاتی تھی اور آج بھی دی جا رہی ہے جبکہ درویشوں کے جماعت خانوں میں زندگی پڑھائی جاتی تھی۔ یہ تعلیم مقامی زبان میں ہوتی جس میں ہر مکتب فکر کے لوگ شامل ہوتے۔ کھلا مکالمہ ہوتا۔ زبانوں یا ذہنوں پر تالے لگانے کی بجائے انہیں شعوری طور پر متحرک اور آزاد کیا جاتا تھا۔ آج ہماری زندگی میں عربی معاشروں کے مقابلہ پر جو متنوع زندگی کے آثار ملتے ہیں وہ اسی روحانی ثقافت اور عرفانی مکتب کا نتیجہ ہے جس سے ہم عصر عربی معاشرے آج بھی نا آشنا ہیں۔

صوفی درویشوں کے عرفانی مکاتب کی وجہ سے برصغیر میں حریتِ فکر کی بنیاد پڑی۔ مغربی دنیا میں کلیسا کے مذہبی جمود کا یہ اثر تھا کہ مذہبی روایات کے خلاف سوچنے والے کا سر قلم کر دیا جاتا تھا۔ یہی حال کٹر مولوی نے بھی روا رکھا ہوا تھا جو دربار کے ساتھ مل کر منصور اور سرمد جیسوں کی گردنیں کاٹتا تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ معاشرے میں ذہنی کشادگی' آزادانہ بحث اور تحمل و بردباری پیدا ہونا ہمارے صوفی بزرگوں کی عطا کردہ عرفانی ثقافت کا نتیجہ تھا۔ پانچویں اور چھٹی صدی ہجری کا بڑا احسان ہے کہ تصوف کی دنیا میں شیخ سعدی' مولانا روم' داتا گنج بخش' عبدالقادر جیلانی' عثمان ہارونی' سید معین الدین' امام غزالی' قطب الدین بختیار کاکی' فرید الدین مسعود' نظام الدین جیسے اکابرین پیدا ہوئے جن کے مجاہدوں' انداز فکر' عملی زندگی' تعلیمات اور عوامی رابطوں نے ان گنت لوگوں کی زندگی میں انقلاب برپا کیا اور یہ عمل تا قیامت جاری رہے گا۔

اسی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے ہم ایک اور مثبت رجحان کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جو روایت



کی صورت میں برصغیر کی سرزمین میں سید معین الدین چشتی کے ذریعہ پروان چڑھا۔ سید اجمیریؒ نے عیسائی خانقاہوں کے زیر اثر مسلمان فرقوں میں ترک دنیا اور برصغیر کی ثقافتی اور فلسفی روایات کے برعکس لوگوں کے اندر رہتے ہوئے پرہیز گاری' عدم لالچ' قناعت' تدبیر منزل' حریت فکر' بردباری اور تحمل' تہذیب نفس اور باوقار عملی طرز زندگی اپنانے کی بنیاد رکھی۔ یہ روایت بھی امام جعفر صادق جیسے اکابرین کی وجہ سے اسلامی ثقافت کا حصہ بنی تھی جو انتہائی محتاط طریقہ سے اور دنیاوی ضروریات سے بے نیاز ترک دنیا کے مخالف تھے۔ مجاہدہ و اعتکاف اپنی جگہ درست بات ہے لیکن سادہ زندگی اور اعلیٰ فکری یعنی آزاد زندگی گزارنا امام جعفر صادق نے اپنے آباء و اجداد سے سیکھا تھا۔ محمدؐ و آل محمد نے اعلیٰ روحانی زندگی گزارنے کا درس دیا لیکن تنہائی' گوشہ نشینی' ترک دنیا' عوام سے لاتعلقی کو پیشہ نہ بنایا جیسا کہ بعد میں بعض روحانی شخصیات نے اپنی زندگی کا حصہ بنا لیا تھا۔

سید معین الدینؒ نے سادگی اور خود کفالت کے پہلو کو مد نظر رکھا اور محنت کو عزت کا مقام دلوایا۔ ان کے حلقے سے وابستہ لوگ بھیک مانگ کر گزر اوقات نہ کرتے بلکہ سب مل کر کام کرتے اور اس طرح اجتماعی لنگر کا بندوبست بھی ہو جاتا۔ اپنی معاشی زندگی کیلئے نہ تو لوگوں سے زکوٰۃ کا چندہ طلب کرتے نہ ہی دربار سے جاگیریں حاصل کرتے۔ اس تحریک کی بدولت محنت کی عظمت کا تصور ابھرا۔ ان کا یہ عمل ہندوستان کے معاشرہ میں انسان کی پیشہ ورانہ تقسیم اور تذلیل کے خلاف شعوری احتجاج بھی تھا۔ اسی روایت کو بابا نانک نے مشترکہ لنگر کی شکل میں زندہ کیا جو آج بھی سکھ مت کا بنیادی رکن ہے۔

کتاب سپر مین ان اسلام میں لکھا ہے کہ "امام جعفر صادق کی مذہبی ثقافت کا راز اس میں تھا کہ اس کے چار ارکان یعنی میں سے صرف ایک رکن مذہبی تھا جب کہ باقی تین ارکان یعنی علم' ادب اور عرفان معاشرتی علوم سے متعلق تھے۔ دنیا کی تاریخ میں یہ کہیں نہیں ملتا کہ کسی مذہب کے مکتب میں علم و ادب کو اتنی اہمیت حاصل ہوئی ہو جتنی امام جعفر صادق کی مذہبی ثقافت میں حاصل ہوئی۔ جعفر صادق کی مذہبی ثقافت میں علم و ادب کو اس قدر اہمیت حاصل تھی کہ محقق اپنے آپ سے پوچھتا ہے کہ مذہبی ثقافت میں ادب کی زیادہ اہمیت تھی یا مذہب کی اور کیا علم کو زیادہ اہمیت دی جاتی تھی کہ مذہب کو۔ جعفر صادق اس بات سے آگاہ تھے اور کہا کرتے تھے کہ ایک مومن چونکہ ایمان جیسی نعمت کا حامل ہوتا ہے لہٰذا اسے علم و ادب سے روشناس ہونا چاہیے۔ آپ کہا کرتے تھے کہ

ایک عام شخص کا ایمان سطحی اور بے بنیاد ہے۔ وہ چونکہ ایک عام انسان ہوتا ہے لہٰذا وہ اس بات سے آگاہ نہیں ہو سکتا کہ کس پر ایمان لایا ہے اور کس کے لیے ایمان لایا ہے۔ اس کے ایمان کی بنیاد مضبوط نہیں ہوتی اس لیے اس کے خاتمہ کا امکان ہوتا ہے۔ لیکن وہ مومن جو علم و ادب سے بہرہ مند ہوگا اس کا ایمان مرتے دم تک متزلزل نہیں ہوگا کیونکہ وہ ان باتوں سے آگاہ ہے کہ کس لیے اور کس پر ایمان ہے۔

امام جعفر صادقؑ یہ دکھانے کیلئے کہ علم و ادب کس طرح ایمان کی جڑوں کو مضبوط کرتا ہے دوسرے مذاہب کی مثال بھی دیتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ جب اسلام پھیل گیا اور جزیرۃ العرب سے دور ممالک تک پہنچا تو ان ممالک کے عام لوگوں نے اسلام کو جلدی قبول کر لیا لیکن جو لوگ علم و ادب سے آگاہ تھے انہوں نے اسلام کو جلدی قبول نہ کیا بلکہ ایک مدت گزر جانے کے بعد جب ان پر ثابت ہو گیا کہ اسلام دنیا اور آخرت کا دین ہے تو پھر انہوں نے اسلام قبول کیا۔

امام جعفر صادقؑ نے ادب کی ایسی تعریف کی ہے جس کے بارے میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ ادب کی اس سے اچھی تعریف کی گئی ہوگی۔ انہوں نے فرمایا ادب ایک لباس سے عبارت ہے جو تحریر و تقریر کو پہناتے ہیں تاکہ اس میں سننے اور پڑھنے والے کیلئے کشش پیدا ہو۔ یہاں پر توجہ طلب بات یہ ہے کہ امام یہ نہیں فرماتے کہ تحریر و تقریر اس لباس کے بغیر قابل توجہ نہیں۔ آپ اس لباس کے بغیر بھی تحریروں اور تقریروں کو پرکشش سمجھتے ہیں لیکن آپ کے فرمانے کا مقصد یہ ہے کہ ادب کے ذریعے تحریروں اور تقریروں کو مزید پرکشش لباس پہنایا جاتا ہے۔

ادب کے متعلق آپ کا دوسرا نظریہ یہ تھا کہ ہر علم میں ادب ہے لیکن ممکن ہے کہ ہر ادب میں علم نہ ہو۔ امامؑ ان نادر روزگار افراد میں سے تھے جو علم اور ادب دونوں کے متوالے تھے۔ آپ کے مدرسہ پر یہ شعر لکھا تھا۔

لیس الیتیم قدمات والدہ　　　ان الیتیم یتیم العلم والادب

یعنی یتیم وہ نہیں جس کا باپ وفات پا چکا ہو بلکہ یتیم وہ ہے جو علم و ادب سے بے بہرہ ہے۔

قرآن کی تعلیمات کی طرف لوٹتے ہوئے ہم قارئین کو ایک حدیث کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ حضرت عثمانؓ سے حضورؐ کا قول مروی ہے کہ:

تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو قرآن شریف سیکھے اور سکھلائے۔

ترمذی اور دیگر کتب میں ابو سعیدؓ سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی



منقول ہے کہ حق سبحانہ و تقدس کا یہ فرمان ہے کہ جس شخص کو قرآن شریف کی تلاوت میں مصروف رہنے کی وجہ سے دعائیں مانگنے کی فرصت نہیں ملتی ہیں اسے سب دعائیں مانگنے والوں سے زیادہ عطا کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کے کلام کو سب کلاموں پر ایسی ہی فضیلت ہے جیسی کہ خود حق تعالیٰ شانہ کو تمام مخلوق پر برتری حاصل ہے۔

مسلم اور ابو داؤد میں عقبہ بن عامرؓ سے مروی ہے کہ ایک بار نبی کریمؐ تشریف لائے اور ہم صفہ میں بیٹھے تھے۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم میں سے کون شخص اس کو پسند کرتا ہے کہ علی الصبح بازار بطحان یا عقیق میں جائے اور دو اونٹنیاں عمدہ سے عمدہ بلا کسی قسم کے گناہ اور قطع رحمی کے پکڑ لائے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ اس کو تو ہم سب پسند کریں گے۔ آپؐ نے فرمایا کہ مسجد میں جا کر دو آیات کا پڑھنا یا پڑھا دینا دو اونٹنیوں سے اور تین آیات کا تین اونٹنیوں سے اسی طرح چار کا چار سے افضل ہے اور ان کے برابر اونٹوں سے افضل ہے۔

نہج البلاغہ میں حضرت علیؑ کے ایک خطبہ میں قرآن پاک کے متعلق یہ فرمان درج ہے کہ:

قرآن حکم دیتا ہے منع بھی کرتا ہے خاموش بھی ہے اور گویا بھی ہے۔ دنیا پر یہ قرآن خدا کی حجت ہے جس کے لیے اس نے عہد لے لیا ہے اور ان کے دلوں کو جواب کا پابند بنا دیا ہے۔ اس قرآن کے نور کو تمام کیا اور اس سے دین کو کامل بنایا۔

خواجہ صاحب کی سوچ کا ماخذ بھی اللہ تعالیٰ کی کتاب اور حضورؐ کی سنت تھی۔ مولوی کی سوچ کی اساس بھی یہی دونوں مصادر ہیں لیکن دونوں کی سوچ میں ایک بنیادی فرق ہے۔ مولوی کو اس دنیا میں متوازن معاشرہ عدل و احسان معاشی اور سیاسی آزادی اور مساوات جان و مال و آبرو کے تحفظات حقوق بشری خوف و حزن سے نجات جیسے احکام اسلام سے کوئی سروکار نہیں۔ مسلمان عوام کی معاشی بدحالی مولوی کو پریشان کرتی ہے نہ ہی انسانوں کی سیاسی غلامی اس کی ضمیر کو جھنجھوڑتی ہے۔ اس کے نزدیک اتنا کافی ہے کہ غریب فقیر مسکین نادار یتیم اور اسیر کو صدقہ زکوٰۃ مل جاتا ہے تاکہ وہ زندہ رہ سکیں۔ محرومین کو مولوی بتاتا ہے کہ ان کا مستقبل محفوظ اور درخشاں ہے۔ انہیں صبر کرنا چاہیے تاکہ قیامت کے روز وہ اللہ تبارک تعالیٰ کے انعامات سے بہرہ مند ہو سکیں۔ مولوی اس بات پر زور دیتا ہے کہ لوگ ظاہری عبادات میں مصروف رہیں۔ مولوی اسلام کا نظام سزا نافذ کرنے پر زور دیتا ہے وہ اسلام کے نظام جزا سے سروکار نہیں رکھتا۔ اس طرح مولوی سمجھتا ہے کہ نماز روزہ حج کے ظاہری اظہار کے ذریعہ وہ مسلمانوں کو جنت میں داخل ہونے کیلئے تیار کر رہا

ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مولوی کا یہ طریق کار آج بھی جاری ہے لیکن اس فرق کے ساتھ کہ آج کا مولوی اقتصادی طور پر کل کے مولوی سے زیادہ طاقتور با تدبیر' موثر اور دولتمند اور سیاسی ہو چکا ہے۔

خواجہ معین الدینؒ اور آپ کے نامور درویش خلفاء و جانشینوں نے تصوف کے ذریعہ ر صغیر کے لوگوں کے سامنے ایک نہایت اہم سنت کو زندہ کیا۔ وہ اس طرح کہ آپ لوگوں کے اندر ہے لیکن اپنے دامن کو بچا کر رکھتے۔ اس گروہ نے خواہشات کی پیروی نہ کی اور بڑے سے ڑے لالچ کو ٹھکرا دیا۔ ان کے لیے قرآن وسنت ہی قابل اتباع تھے۔ خواجہ صاحبؒ اپنے مشن کا کوئی اجر یا معاوضہ بھی نہ لیتے حتیٰ کہ دربار سے آنے والے تحفے بھی لوگوں میں بانٹ دیتے۔ آپ رسولؐ کے اس مشن کو آگے بڑھاتے کہ اصل کام بنی نوع انسان کے بوجھ کم کرنے اور ان کی گردنوں کو آزاد کرانا ہے۔ اس کے لیے درویش خود اپنی زندگی کو لوگوں کے سامنے بطور نمونہ پیش کرتا ہے اور یہ ثابت کرتا ہے کہ خواہشات کے بتوں کو پوجا کیے بغیر بھی عزت وآبرو کے ساتھ زندگی گزاری جا سکتی ہے۔ ملاحظہ ہو سورۃ الاعراف 09/07/157

خواجہ صاحبؒ کی تحریک کا مقصد محرومیوں اور ناانصافیوں کا پردہ چاک کرنا تھا تا کہ لوگ خود سمجھ جائیں کہ یہ ظلم اور فساد ابلیسی نظام ہی کا نتیجہ ہے۔ ابلیسی نظام کی بنیاد ہوس' طمع اور لالچ پر ہوتی ہے۔ جب انسان کی سوچ وحی کے پیغام سے بیگانہ ہو جائے تو مقتدر طبقات اللہ کی دھرتی پر فساد برپا کرتے ہیں اور اس طرح معاشرہ میں خوف وحزن کا دور دورہ شروع ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر حالات میں مثبت تبدیلی مقصود ہے تو پھر ان مستقل اقدار پر عمل پیرا ہونا ہوگا جن کا علم وحی کے ذریعہ انسان کو مل چکا ہے جو حضور نبی پاکؐ کے زمانے میں کامیابی کے ساتھ چلتا دیکھا بھی جا چکا ہے۔ اس دور کی اور اس نظام کی بنیادی خصوصیت قانون کی بالا دستی تھی۔ اس نظام میں کوئی کسی کا مالک نہیں تھا اور ہر شخص آزاد تھا۔ جبر واستبداد کو حرف غلط کی طرح مٹا دیا گیا تھا اور کتاب کے مطابق ہی ہر حکم نافذ ہوتا۔ یہ ممکن ہی نہ تھا کہ اشرافیہ کیلئے ایک قانون ہے اور عام جنتا کیلئے ادنیٰ درجے کا قانون نافذ العمل ہو۔

خواجہ معین الدینؒ صاحب نے اپنی جدوجہد کے ذریعہ ایک روایت یہ بھی ڈالی کہ اپنی مجالس میں ارادتمندوں کو سابقہ انبیاء اور بزرگان کے قصے اور واقعات سنایا کرتے۔ یہ طریقہ کار تہذیب نفس اور تربیت ذات کیلئے بڑا موثر ذریعہ ہے اور عام طور پر مصلح اسی روش کو اپناتے ہیں۔ در اصل یہ طرز عمل قرآن کا بتایا ہوا راستہ ہے۔ قرآن اپنے اصولوں کی سچائی بیان کرنے کیلئے



قصص الانبیاء کو پیش کرتا ہے۔ خدا کا یہ بڑا احسان ہے کہ اس نے انسان کو تاریخ شناسی کا مادہ عطا کیا اور تاریخ کے علم کو جانچنے کیلئے عقل وفہم' تجسس اور مشاہدہ کی نعمت ودیعت کی تا کہ استدلال کے ذریعہ انسان حقیقت تک پہنچ پائے۔ انبیاء کے قصے دراصل معاشروں کے بگاڑ اور سنورنے کی تاریخ ہے۔ ان پر غور کرنے سے ان محرکات کا علم بھی ہو جاتا ہے جو انسانی معاشروں کے تنزل کا باعث بنتے ہیں اور ان نتائج سے بھی آگہی حاصل ہو جاتی ہے جو منفی اعمال ورجحانات کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ قرآن میں درج اصول وضوابط افراد اور اقوام کیلئے کسوٹی کا کام دیتے ہیں۔ ان واقعات سے اہل دانش پر یہ راز کھلتا ہے کہ قدرت کے کارخانہ میں قانون کی بالا دستی ہے اور خدا کے آئین ہی کی حاکمیت ہے۔ یہاں افراد کی مرضی یا ناراضگی کا کوئی سوال نہیں ہوتا۔

صوفی حضرات کی اس طویل جدوجہد کا اثر یہ ہوا کہ لوگ سوچنے پر مجبور ہوئے کہ انکے اور اللہ تبارک تعالیٰ کے عالمی نظام ربوبیت کے قیام کے درمیان ملوکیت' فرعونیت' قارونیت' ہامانیت' طبقاتی نظام' جاگیرداری اور سرمایہ داری جیسے عوامل حائل ہو چکے ہیں اور جب تک انسان ان رجحانات اور مخصوص مفاد پرست گروہوں کو شکست نہیں دیتا انسان کی آزادی محض ایک خواب ہی رہے گی۔

حضرت علیؓ نے اپنے خطبات میں انہیں موضوعات پر عمیق تبصرہ کیا ہے۔ وہ اپنے ہم عصروں کے حالات کو دیکھ کر خبردار کرتے ہیں کہ ان اقوام سابقہ کی طرح تباہی کے گرداب کا شکار نہ ہو جاؤ جنہوں نے غلط کام کیے۔ آپ نے بنی اسرائیل کی مثال دے کر آنے والی نسلوں کو بتایا کہ کن مشکل حالات میں یہ قوم غلام رکھی گئی۔ پھر ایک انقلاب آیا جس نے ان کی شکست کو کامیابی میں' خوف کو امن میں اور ذلت کو عزت میں بدل دیا۔ غلاموں کو بادشاہی ملی۔ اس وقت ان میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کا جذبہ تھا۔ باہم متحد ہو گئے۔ ان کی سوچ ایک خاص نہج پر کام کرنے لگی لیکن جب ضد انقلاب قوتیں اور رجحانات ان میں پیدا ہوئے تو وہ گروہوں میں بٹ گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جماعت پر خدا کا جو ہاتھ تھا وہ اٹھ گیا اور وہ پھر ذلیل ورسوا ہوئے اور ان کی داستانیں باقی رہ گئیں۔ اسی طرح حضرت علیؓ نے اولاد اسماعیلؑ کے حالات سے لوگوں کو آگاہ کیا کہ کس طرح ان میں جاہلیت عود کر آئی تھی تا آنکہ جناب رسالتمآبؐ کا ظہور ہوا اور اولاد اسماعیلؑ میں دوبارہ زندگی کی لہر پیدا ہوئی اور انعامات خداوندی کا نزول شروع ہوا۔ انہیں حکومت' طاقت اور عزت ملی۔ آپ خبردار کرتے ہیں کہ اے میری قوم تم نے اطاعت الٰہی اور اتباع رسولؐ سے ہاتھ اٹھا کر اپنے ہاتھوں اس قلعہ کو منہدم کر دیا ہے جو تباہی کے خلاف ضمانت تھا۔ حضرت علیؓ نے ایک حدیث بیان

ی کہ جس طرح تم نے ایرانیوں کو مشرف بہ اسلام کیا ہے ایک دن وہ تمہیں اسلام کی طرف پلٹنے کیلئے کہیں گے۔

حدیث مبارک میں یہ مضمون بھی ملتے ہیں کہ سب سے بڑا جہاد اپنے نفس یعنی ذاتی گروہی خواہشات کے خلاف جنگ کرنا ہے اور ہر مجاہد کا یہی بنیادی ہدف ہے۔ شیطان وسوسوں کے ذریعے آراستہ ہو کر انسان کو صحیح راستے سے ہٹانے کی مقدور بھر کوشش کرتا ہے اور دلوں میں نئی امیدیں پیدا کرتا ہے تا کہ ہوا و ہوس کے پیروکار بن کر اللہ کی زمین پر فساد برپا کریں۔ اسلامی انقلاب ہم سے فکری سطح پر ایک مطالبہ کرتا ہے کہ اگر اسلام کے اصولوں کو بھلا کر اتنی طویل صدیوں میں مختلف تجربوں کے باوجود منزل حاصل نہیں ہوئی تو اس میں کیا مذائقہ ہے کہ ایک بار مل کر اس بھولے ہوئے راستے کو دریافت کریں اور اسلام کی حقانیت کو آزما کر دیکھیں۔ خدا کا وعدہ غلط ہو سکتا ہے نہ ہی حضورؐ کی تعلیم میں کوئی نقص ہے۔ اگر اس یقین کے ساتھ کہ اللہ کی بتلائی ہوئی راہ کو ہم ذاتی خواہشات پر ترجیح دے کر اپنے سفر کا آغاز کرتے ہیں تو اس کی تائید اور نصرت کو بہت ہی قریب پائیں گے۔

خواجہ غریب نوازؒ نے اجمیر میں بیٹھ کر ایسی روایات متعارف کرائیں کہ آپ کی زندگی کئی پہلوؤں سے ایک موثر ادارہ بن گئی۔ آپ نے اپنے طرزِ عمل سے تصوف کی دنیا میں عجز و انکسار، تواضع، خدمت خلق، تعلیم و تعلم، تربیت نفس، اجتماعی لنگر خانے، عرفان و آگہی، بین الاقوامی اور بین المذاہب رابطے، احتجاج کا حق، اجتماعی عبادت اور اجتماعی غور و فکر، رواداری، اخلاق، ایثار اور تحمل و برداشت جیسے اوصاف کو اپنی ذاتی کوشش سے معاشرہ میں اجتماعی سطح پر اپنانے کی تعلیم دی اور اس کے لیے اپنی ذات کا نمونہ بھی پیش کیا۔ ان روایات کو آگے بڑھانے کیلئے خلفاء کی ایک جماعت بھی بنائی اور ان کے نصاب کی خود نگرانی کی۔ ان بزرگ اور مقدس خلفاء میں قطب الدین بختیار کاکیؒ اور صوفی حمید الدین جیسے نام ملتے ہیں جنہوں نے اس روشنی سے کتنے اور چراغ روشن کیے۔ انہی وجوہات کی بنا پر خواجہ صاحبؒ کو سلطان الہند، نائب رسولؐ فی الہند جیسے القابات سے تاریخ نے یاد رکھا ہے۔

پردہ پوشی معلم اخلاق کا مسلک ہے۔ نظام الدین اولیاؒ بیان کرتے ہیں کہ معراج کی رات حضورؐ کو فقر کا خرقہ عطا ہوا۔ آپ نے صحابہؓ کو فرمایا کہ یہ خرقہ اسے ملے گا جو میرے سوال کا صحیح جواب دے گا۔ حضرت ابو بکرؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اگر یہ خرقہ تمہیں ملے تو کیا کرو گے۔ انہوں نے کہا کہ صدق اختیار کروں گا۔ پھر حضرت عمرؓ سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ میں عدل و انصاف کروں گا۔ حضرت عثمانؓ نے اس سوال کے جواب میں کہا کہ عطا و کرم اختیار کروں گا اور سخاوت کروں گا۔



حضرت علیؓ سے پوچھا گیا تو آپ نے کہا کہ میں پردہ پوشی کروں گا اور بندگانِ خدا کے عیب چھپاؤں گا۔ حضورؐ نے وہ خرقہ حضرت علیؓ کو دیا اور فرمایا کہ مجھے یہی حکم تھا جو صحابی یہ جواب دے اسے دے دیا جائے۔ اس روایت سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ چشتی سلسلہ کی تحریک کن ارفع عوامل پر مشتمل تھی۔

اسرار الاولیاء میں خواجہ صاحبؒ کے بعض ملفوظات بھی درج ہیں ایک دو قول سن لیجئے تا کہ آپ کو خواجہ صاحب کے مشن کی آگاہی ہو سکے۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں: ۱) جب ہم سانپ کی طرح کینچلی سے باہر آئے اور نگاہ دوڑائی تو ہم نے دیکھا کہ عاشق و معشوق اور عشق ایک ہیں یعنی عالم توحید میں سب ایک ہیں۔ ۲) قیامت کے روز حق تعالیٰ فرشتوں کو حکم دے گا کہ دوزخ کو سانپ کے منہ سے نکالیں۔ اس وقت دوزخ کی آگ کو بھڑکایا جائے گا چنانچہ وہ اس وقت سانس لے گی تو تمام عالم حشر دھوئیں سے بھر جائیگا۔ جو چاہتا ہے کہ اس دن کے عذاب سے مامون رہے اسے چاہیے کہ ایسی اطاعت کرے کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک اس سے بہتر اطاعت نہ ہو۔ پوچھا گیا کہ وہ کون سی اطاعت ہے؟ فرمایا کہ مظلوموں کی فریاد کو پہنچنا، ضرورت مندوں کی حاجت پوری کرنا اور بھوکوں کو پیٹ بھر کر کھلانا۔

ایک اور قول قابل غور ہے۔ خواجہ معین الدینؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص میں یہ تین خصلتیں ہونگی وہ اس حقیقت کو جان لے کہ خدائے تعالیٰ اس کو دوست رکھتا ہے۔ اول سخاوت دریا کی طرح، دوسرے شفقت آفتاب کی طرح، تیسرے تواضع زمین کی طرح۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جس کسی نے بھی نعمت پائی اس نے سخاوت ہی سے پائی۔ ان باتوں کے پیش نظر امیر خورد اسرار الاولیا میں خود اپنی ذات سے سوال کرتے ہیں کہ ''کون سی کرامت اور مراتب اعلیٰ میں (کوئی شخص) اس (یعنی خواجہ صاحبؒ کے) مرتبہ سے زیادہ بلند ہوگا کہ جو بزرگ اس بادشاہ (خواجہ صاحب) کے مرید ہوئے انہوں نے خدا کے بندوں کی دستگیری کی، دنیاوی غرور کو ترک کیا اور عقبیٰ کو اپنا مقام بنایا۔ قیامت تک اس بادشاہ دین کی عظمتؒ کا ڈنکا آسمان کے گوش ہوش اور فرشتوں کے کانوں تک پہنچتا رہے گا اور خلقت آپ کی وجہ سے منزل صدق میں جگہ پائے گی۔''

ان بزرگوں کی سوچ فکر اور عمل کا ماخذ قرآن و حدیث تھا۔ پروفیسر خلیق نظامی لکھتے ہیں کہ اس سلسلہ دور اول کے بزرگ یعنی ابتداء سے چراغ دہلوی تک مندرجہ ذیل کتب ان کی توجہ کا مرکز تھیں۔

تفسیر: کشاف، تفسیر مقاتل، تفسیر مدارک، تفسیر امام ناصری، تفسیر زاہدی، تفسیر کبیر امام رازی،

تفسیر شیخ عثمان خیر آبادی۔

حدیث: مشارق الانوار، مصابیح

فقہ: ہدایہ، قدوری، بزدوی، تمہیدات، ابوشکور

تصوف: قوت القلوب، احیاء العلوم، کیمیائے سعادت، جواہر القرآن، رسالہ قشری، عوارف المعارف، مرصاد العباد، کشف المحجوب، شرح تعرف، مکتوبات عین القضاۃ، تصانیف منصور حلاج، لوائح ولوامع قاضی حمید الدین ناگوری، مکتوبات فخر الدین رازی، مقامات شیخ ابو الخیر۔

ازاں بعد دیگر کتب بھی شیوخ کے مطالعہ میں آتی ہیں۔ عہد اول کے مشائخ زیادہ باخبر تھے کیونکہ انہوں نے ماخذ سے براہ راست فیض حاصل کیا تھا۔ مشائخ چشت تفسیر سے زیادہ تفہیم قرآن پر زور دیتے تھے۔ ایک قول ہے کہ انسان کو چاہیے کہ قرآن کے جملہ خطابات کا مخاطب خود کو سمجھے۔

ہم نے اس کتاب میں ان کرامات کا تفصیلی ذکر نہیں کیا جو عام طور پر صوفی درویشوں کے متعلق معروف ہوتی ہیں۔ ہماری نظر میں یہ کراتیں ان کی عظمت کا معمولی سا عکس بھی نہیں کیونکہ جن لوگوں کو اللہ تبارک تعالی پیار کرتا ہے ان کے تصرف میں کل کائنات آجاتی ہے۔ یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں والا معاملہ ہو جاتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ان بزرگ درویشوں نے دلوں کو فتح کیا' اسلام کو متعارف کرایا' لوگوں کی سوچ بدلی' ان کے رہن سہن اور طور طریقوں کو تبدیل کیا اور انہیں آفاقی اقدار سے متعارف کرایا۔ امیر خورد بیان کرتے ہیں کہ ایک بار ملک اختیار الدین ایک حاجب نذرانہ لے کر شیخ الاسلام قطب الدین بختیار کاکی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے رقم پیش کی لیکن آپ نے قبول نہ فرمائی۔ اس کے بعد آپ نے اپنے بوریے کو اٹھایا اور ملک اختیار الدین نے دیکھا کہ بوریے کے نیچے چاندی کی ندی بہ رہی ہے۔

اسرار الاولیاء میں امیر خورد نے صابر فقیر اور شاکر مالدار کے درمیان قرآن پاک کی آیات کے حوالے سے ایک دلچسپ فرق بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ صابر فقیر کو شاکر دولتمند پر فضیلت حاصل ہے کیونکہ شکر ادا کرنے والے غنی کو مال و دولت میں اضافے کا وعدہ کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو سورہ ابراہیم 13/14/07 "لئن شکرتم لازیدنکم" جبکہ صبر کرنے والے فقیر کو اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ میں خود تمہارے ساتھ ہوں۔ ملاحظہ ہو سورہ البقرۃ 02/02/153۔ بنابراں ان دونوں مراتب میں عظیم فرق ہے کیونکہ شکر کرنیوالے کو معاوضہ اسی دُنیا میں ملتا ہے جبکہ صبر کرنیوالے کیساتھ



اللہ ہوتا ہے یعنی شاکر کو مال جبکہ صابر کو خدا ملتا ہے اور اسی وجہ سے صوفی درویشوں پر اللہ تبارک تعالی کی عنایات ہوتی ہیں کیونکہ وہ مقام صبر پر بھی فائز ہوتے ہیں۔ حضورؐ نے مقام شکر اور مقام صبر دونوں کیلئے دعا کی تھی۔ اللھم اجعلنی صبوراً و اجعلنی شکوراً۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی نے اپنی کتاب "تاریخ مشائخ چشت" جلد اول کے حصہ پنجم میں چشتیہ سلسلہ کی اساس فکر کا احاطہ کیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ ہندوستان میں چشتیہ سلسلہ کی کامیابی اور اس کی مقبولیت کا راز اس کا وہ واضح مقصد اور مضبوط لائحہ عمل تھا جس کو اکابر سلسلہ نے اعلیٰ روحانی اقدار کے سہارے شریعت و سنت کی روشنی میں آگے بڑھایا۔ ان کی چشم بصیرت نے زمان و مکان کے گونا گوں تقاضوں کی حقیقت کو سمجھا اور بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود کے وسیع پس منظر میں اپنی تحریک کو ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیلا دیا۔ پروفیسر صاحب نے اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل عوامل کا ذکر کیا۔

1- چشتیہ سلسلہ کی تمام روحانی و اصلاحی جدوجہد کا مقصد انسان کے دل میں ذات باری کی محبت پیدا کرنا تھا۔

2- چشتیہ سلسلہ انسانی برادری کی وحدت کا قائل تھا اور اپنی اعلیٰ روحانی اور اخلاقی قدروں کو ہر انسان تک پہنچانے کا خواہش مند تھا۔ الخلق عیال اللہ پر ان بزرگوں کا یقین کامل تھا۔

3- چشتیہ سلسلہ کے مشائخ نے مذہب کا وہ انقلابی تصور پیش کیا جو قرآن کی تعلیمات کی روح ہے۔ انہوں نے بتایا کہ مذہب حقیقتاً خدمت خلق کا دوسرا نام ہے۔ خواجہ معین الدین چشتی فرمایا کرتے تھے کہ حقیقی عبادت عاجزوں کی فریاد کو پہنچنا، ضعیفوں اور بیچاروں کی حاجت روائی کرنا اور بھوکوں کا پیٹ بھرنا ہے۔

4- مشائخ چشت آدم گری یعنی انسان کو بھلائی کی طرف بلانا اور بُرائی سے روکنا، اس میں اخلاقی اور روحانی قدروں کا احترام پیدا کرنے کو فریضہ سمجھتے تھے۔

5- مشائخ چشت نے وحدت الوجود کے نظریہ کے عملی پہلو کو اجاگر کیا۔ یہ نظریہ جب انسانی سماج میں بروئے کار آتا ہے تو اس کا اثر سماجی اتحاد اور یک جہتی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ حضورؐ کو رحمت للعالمین کہا گیا ہے یعنی سارا عالم حضورؐ کی رحمت کے سایہ میں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسانوں کے درمیان فرق کرنا جائز نہیں۔

6- مشائخ چشت درباری نامراد زندگی اور سیاست کے ہر لحہ بدلتے ہوئے تقاضوں سے اس

لئے علیحدہ ہے کہ ان کی فکر و عمل کی راہ میں رکاوٹیں پیدا نہ ہوں۔

7۔ چشتی مشائخ کے نزدیک انفرادی کامیابی اور فلاح کا راز ضروریات پھیلانے میں نہیں بلکہ محدود کرنے میں ہے۔

ایک دن ایک درویش نے خواجہ اجمیری سے سوال کیا کہ تارک دُنیا کو کیا کچھ کرنا چاہیے۔ آپ نے فرمایا کہ شرع شریف میں یہی حکم ہے کہ جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس کی بجا آوری اور جس چیز سے روکا گیا ہے اس سے پوری طرح بچا جائے۔ ایسے شخص کو تارک الدنیا کہنا صحیح ہے۔

جہاں تک کرامات اور معجزات کا تعلق ہے تو ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ بعض عقلی وجوہ پر اگر ان واقعات کا انکار بھی کر دیا جائے تو اس حقیقت سے انکار نہیں ہو سکتا ہے کہ کرامتوں اور معجزات کا ذکر ہماری منقولات کا جزو ہیں۔ کتابوں میں واقعات درج ہیں اور چشم دید گواہوں کے مشاہدات بھی مروی ہیں۔ یہ روایات پرانی کتابوں کا حصہ ہیں۔ کرامات کا ذکر تمام قدیم مذاہب میں ملتا ہے حتیٰ کہ پنجاب سے ابھرنے والا سکھ مت بھی گرو نانک اور جانشینوں سے متعدد کرامات منسوب کرتا ہے جن کی صدائے بازگشت مختلف تحریروں میں موجود ہے۔ اس ضمن میں حضرت علیؓ کا ایک قول ہے کہ اگر ایک چیز ہماری سمجھ سے بالا ہے تو اس سے یہ مطلب نہ اخذ کیا جائے کہ اس شے کا وجود ہی نہیں ہے۔ دوسری بات یہ بھی ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ کرامت یا معجزات کا تعلق ہوتا ہی محیر العقول واقعات کے ساتھ ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اگر کرامت کا پس منظر اور طریقہ کار انسان کی گرفت میں آ جائے تو کرامت یا معجزہ اپنی حقیقت کھو بیٹھے گا اور کرامت ایک روز اسی طرح اپنی انفرادیت کھو بیٹھے گی جس طرح آج گھر گھر ٹیلیفون اور ٹی وی اپنی وہ اہمیت برقرار نہیں رکھ سکا جو اسے ایجاد ہونے کے بعد خصوصی توجہ کی شکل میں حاصل تھی۔ میں ذاتی طور پر کرامتوں پر یقین رکھتا ہوں کیونکہ میں نے اپنی زندگی میں متعدد بار محیر العقول واقعات سرزد ہوتے دیکھتے ہیں۔ اگر یہ درست ہے تو اس سے بڑھ کر چیزیں بھی درست ہو سکتی ہیں۔ اگر کرامت اور معجزہ ممکن ہے تو پھر اس کا انکار قابل فہم نہیں۔

معجزہ عام طور پر پیغمبروں کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے جبکہ کرامات اولیاء کے حصہ میں آتی ہیں۔ ہم نے خود اپنی آنکھوں سے چند کرامات کا مشاہدہ کیا ہوا ہے جنہیں کوشش کے باوجود حسن اتفاق کا نام نہیں دیا جا سکتا۔ ہم نے بعض اوقات عام انسانوں کو ایسے خواب دیکھتے پایا ہے جن کی تعبیر دنوں میں حیرت انگیز طریقہ سے پوری ہوئی لہٰذا ہمارے لیے معجزات اور کرامات کا انکار مشکل ہے کیونکہ یہ اللہ تبارک تعالیٰ کے انعامات میں شمار ہوتا ہے اور اس کی نعمتوں کا حساب لگانا



انسان کے بس میں نہیں ہے۔

ہمارے روحانی ادب میں مختلف انبیاء و رسل کے ساتھ معجزات وابستہ ہیں اور یہ بات قابل فہم نہیں کہ ہر معجزہ متشبہات کے گروہ میں آ کر علامتی حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔ خدا نے کن فیکون کا تصور متعارف کرا کر ہمیں باور کرایا ہے کہ اللہ کے مخصوص بندوں کے ذریعہ محیر العقول واقعات ممکن ہیں۔

میں نے ایک جگہ یہ بھی پڑھا تھا کہ ایک فرانسیسی محقق نے یہ سوال اٹھایا تھا کہ معجزات ان مذاہب میں ملتے ہیں جن کا تعلق مغربی ایشیا سے ہے جبکہ مشرقی اور جنوبی ایشیائی مذاہب میں معجزات یا اس قسم کے کسی چمتکار کا کوئی تصور نہیں لہٰذا چین اور جاپان میں نمودار ہونے والے مذاہب میں لوگوں کی طرف سے اس امر کا مطالبہ نہیں ملتا کہ یہ کام کرو گے تو ہم ایمان لائیں گے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی وجہ وہ تربیت یا ذہنی رجحان ہو جو خاص علاقوں میں پایا جاتا ہے جہاں بزرگوں کی باتوں کو تسلیم کیا جاتا ہے اور بعض ایسے علاقوں ہیں جہاں کے لوگ مشاہدہ کے بعد ہی انبیاء پر ایمان لاتے ہوں۔ یہ سوال بھی اپنی جگہ اہمیت کا حامل ہے کہ کیا مشرقی اور جنوبی ایشیاء کے نام نہاد پیغمبروں میں معجزہ دکھلانے کی صلاحیت بھی موجود تھی یا ان مذاہب اور دیگر الہامی مذاہب کی بنیادیں مشترک بھی تھیں۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود قرآن نے تدبر، تعقل، تفکر، تعلقہ، تجسس اور تحقیق کی ضرورت کی طرف اپنے قاری کو بار بار متوجہ کیا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ اللہ کے قوانین تغیر آشنا نہیں ہیں۔

یہاں ایک دلچسپ سوال پوچھا جا سکتا ہے کہ خدا کو پانے کیلئے خدمت خلق کو درویش کیوں ضروری تصور کرتے ہیں۔ قرآن کی نظر میں انسان کا مقام کیا ہے اور اللہ تبارک تعالیٰ کے تخلیقی ایجنڈے پر انسان کی کیا کیفیت ہے۔ آیئے پہلے قرآن پاک سے اس سوال کا جواب حاصل کرتے ہیں۔

1) وحی کا مخاطب ہی حضرت انسان ہے۔ اسی کی ہدایت اور فلاح اللہ تبارک کو مطلوب ہے۔ اسی کیلئے ساری کائنات کو پیدا کیا گیا۔ اسی کی جنس سے نبی، رسول، صدیق، شہید اور ولی پیدا کیے۔ سورہ نساء04/04/01,105 سورہ الاعراف09/07/158۔

2) قرآن نے ایک بے گناہ انسان کے قتل کو انسانیت کا قتل قرار دیا ہے۔ سورہ المائدہ 06/05/32۔ اسی جگہ یہ بھی درج ہے کہ ایک شخص کی جان کو بچا لینے کا مطلب ساری انسانیت کو بچا لینا ہے۔ ایک انسانی جان کی اتنی اہمیت حیرت انگیز مقام ہے۔

3) ہر انسان کو اللہ تبارک تعالیٰ نے عزت و تکریم کا جامہ پہنا دیا ہے۔ لقد کرمنا بنی آدم۔ سورہ بنی اسرائیل 15/17/70۔

4) اللہ تبارک تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ وہ انسان کی شہ رگ سے زیادہ نزدیک ہے۔ سورہ ق 26/50/16۔

5) اللہ تبارک تعالیٰ نے کائنات کی ہر شے انسان کیلئے مسخر کردی ہے۔ ملاحظہ ہو سورہ ابراہیم 13/14/32-34' سورہ النحل 14/16/10-16' سورہ لقمان 21/31/20' سورہ الجاثیہ 25/45/12-13 و سورہ المومن 24/40/64۔

6) انسان کو بڑی اچھی صورت عطا کی۔ سورہ التغابن 28/64/03' سورہ الانفطار 30/83/06-08' سورہ مومن 24/40/64۔

7) انسان کو بہترین پیمانے پر بنایا۔ فی احسن تقویم۔ سورہ التین 30/95/04۔

8) زمین کی پیداوار یعنی ذرائع پیداوار سب انسانوں کیلئے یکساں بنائے گئے۔ سورہ الحج 17/22/65' سورہ النزعت 30/79/33 و سورہ عبس 30/80/33۔

9) انسان کو علم کی استعداد عطا کی۔ سورہ العلق 30/96/05۔

10) اللہ خود آدم کا پہلا معلم بنا۔ سورہ البقرہ 01/02/31۔

11) انسان کو قوت گویائی عطا کی گئی۔ سورہ الرحمٰن 27/55/04۔

12) نبی اور رسول بشری لبادے میں بھیجے گئے۔ سورہ حم السجدہ 24/41/06۔

13) بیشتر مخلوق کے مقابلہ پر انسان کو افضل بنایا گیا۔ سورہ بنی اسرائیل 15/17/70۔

14) انسان کو ہدایت فراہم کی گئی۔ سورہ البقرہ 02/02/185۔

15) انسان کی تخلیق خدا کی نشانی ہے۔ سورہ الجاثیہ 25/45/04۔

16) انسان کو بے مقصد پیدا نہیں کیا گیا۔ سورہ القیامۃ 29/75/36۔

یاد رہے کہ قرآن پاک میں انسان کیلئے آدم، بنی آدم، عبد اور بشر جیسے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

ان صوفی درویشوں کا ایک طرہ امتیاز یہ بھی تھا کہ اپنے ارادتمندوں پر شریعت کا پورا بوجھ



نہیں ڈالتے تھے۔ جس طرح ایک بچہ ارتقائی سفر طے کرتا ہے اسی طرح سید معین الدینؒ اور ان کے خلفاء و جانشینوں نے نو آمد سالکوں اور طالبوں کو ان کی استطاعت کے مطابق تعلیم و تربیت دی۔ اس ضمن میں قرآن پاک سے استدلال کرتے ہوئے ہم اپنے محترم قاری کی خدمت میں گذارش کریں گے کہ قرآن بھی 23 سال کے اندر بتدریج نازل ہوا اور احکام الٰہی یکبارگی ہمیں نہیں ملے۔ قدم بہ قدم جماعت کو تیار کر کے ان کو نصاب ملتا رہا۔ اسی لیے حضورؐ کو بہترین معلم کی حیثیت میں بھی جانا جاتا ہے۔

ہم نے ابھی یہ سوال اٹھایا تھا کہ خدا کو پانے کیلئے صوفی درویش خدمت خلق کو کیوں ضروری سمجھتے ہیں۔ اس کے متعلق چند اور دلائل قاری محترم کی نذر کرتا ہوں۔ ایک حدیث کے مطابق رسول اللہؐ نے فرمایا کہ تمام مخلوق اللہ تبارک تعالیٰ کی عیال ہے۔ جس طرح ہمیں صراط مستقیم پر چلنے والا شخص پسند ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے سب سے زیادہ پیار اس شخص سے کرتا ہے جو اللہ کی عیال کے ساتھ احسان اور اچھا سلوک کرے۔

اسی طرح عیاض بن حمار المجاشعی کے حوالے سے صحیح مسلم نے ایک حدیث قدسی روایت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جنت کے باسی تین اقسام کے ہیں۔ (1) ایک طاقتور انسان جو سخی ہو۔ (2) نیک دل شریف النفس رقیق القلب انسان جو اقربا کی حاجتوں کو پورا کرے اور (4) کثیر اولاد کا نیک طور طریقوں والا باپ۔ اسی حدیث پاک میں مجھے کچھ ایسے الفاظ ملے جس نے میرے شک کو رفع کیا۔ ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ توقع کرتے ہیں کہ انسان سوتے اور جاگتے تلاوت میں مشغول رہے۔ اس روایت کی روشنی میں صوفی درویشوں کا دن رات قرآن میں مشغول رہنا قابل فہم ہے۔ ان لوگوں کے قلب جاری ہوتے ہیں جو ہر دم یاد خدا اور ذکر الٰہی میں مصروف رہتے ہیں۔ اس جملہ معترضہ کے بعد ہم اپنے موضوع کی طرف آتے ہوئے قاری محترم کو حلف الفضول کے واقعہ کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔

حلف الفضول کا تعلق جناب رسول اللہؐ کی ذات گرامی سے ہے جب آپ کی عمر تقریباً 25 برس تھی اور آپ ابھی محمد ابن عبداللہ ہاشمی کی حیثیت میں معروف تھے۔ اس جاہلیت کے دور میں محرومین پر ظلم و ستم روا رکھا جانا معمول کی بات تھی۔ اس معاشرتی دکھ کے پیش نظر مکہ کے چند نوجوانوں نے ایک پرائیویٹ تنظیم تشکیل دی جسے آج کی لغت میں این جی او (N.G.O) کہتے ہیں۔ عرب نوجوانوں نے ایک معاہدہ کرتے ہوئے قسم اٹھائی کہ آئندہ سے کسی بھی شخص پر اگر ظلم

ہوا تو اس معاہدہ کے فریق نوجوان اس ظلم کا ازالہ کرنے کیلئے آگے آئیں گے اور اس وقت تک کوشاں رہیں گے جب تک مظلوم کا حق واپس نہیں ملتا۔ اس دوران مظلوم کی مالی امداد کرنے سے بھی گریز نہیں کیا جائے گا۔

اتفاق کی بات ہے کہ اس معاہدہ کے فوراً بعد خانہ کعبہ سے ایک مسافر زائر نوجوان لڑکی کو اغوا کر لیا گیا۔ مغویہ کے باپ نے کعبہ میں کھڑے ہو کر حلف فضول کے اراکین کو پکارا۔ اس پکار کو سنتے ہی نوجوان آئے اور انہوں نے اس خاتون کو برآمد کرایا اور اس کے بعد لڑکی کو اسکے باپ کے حوالے کیا جو مکہ میں اجنبی تھا۔ اس جماعت یعنی این جی او کے ایک مقدس رکن ہمارے نبی محمدؐ بن عبداللہ تھے۔ آپ کو ساری عمر اس جماعت سے وابستگی پر فخر رہا اور آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ اگر کوئی انہیں اس معاہدہ میں شریک ہونے سے رکوانے کیلئے سو سرخ اونٹ بھی دیتا تو میں کبھی بھی قبول نہ کرتا۔ آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر آج بھی مجھے کوئی اس معاہدہ کی رو سے پکارے گا تو میں فوراً اس مظلوم کی مدد کو پہنچوں گا۔ اس ایک واقعہ سے آپ اندازہ لگائیں کہ محروم و مظلوم و بے سہارا انسانوں کی خدمت اور مدد سے بڑھ کر اور کیا مقدس کام ہو سکتا ہے۔

اس جگہ سورہ الماعون 7-30/107/1 کے حوالے کی سعادت بھی حاصل کروں گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ کیا تم نے اس شخص کو دیکھا ہے جو دین کو جھٹلاتا ہے۔ یہی تو ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا۔ ایسے نمازیوں کیلئے افسوس ہے (جو محرومین کی مدد کیلئے آگے نہیں بڑھتے) ایسے لوگ اپنی نمازوں کے مقاصد سے غافل ہیں۔ یہ ریاکاری کرتے ہیں (یعنی دکھاوے کی نماز پڑھتے ہیں) اور معمولی استعمال کی چیزوں کو بھی روک لیتے ہیں یعنی اس حد تک کنجوسی برتتے ہیں کہ معمولی چیزوں کو دینا بھی گوارا نہیں کرتے۔ اسی تصور کو سورہ الھمزہ 30/104/02 میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ بڑی خرابی ہے اس شخص کی جو لوگوں کے عیب تلاش کرتا ہے اور غیبت کرتا ہے اور اپنے مال کو جمع کرتا ہے اور گنتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اس کا یہ مال سدا اس کے ساتھ رہے گا۔ ایسا ہرگز ممکن نہیں۔

ان مثالوں کو پیش کرنے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن نے دین کو حقوق بشری اور مظلوموں کی مدد سے علیحدہ نہیں جانا۔ ان کی اہمیت اتنی ہی ہے جتنی دوسری عبادتوں کی بلکہ سورہ الماعون میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ نماز قائم کرنے کا مقصد ہی معاشرہ میں معاشی توازن پیدا کرنا ہے۔ ان مصادر



ہی کی بنیاد پر خواجہ سید معین الدینؒ چشتی نے تصوف کو معاشرتی سطح پر خدمت خلق کے ساتھ مربوط کرنے کی روایت قائم کی اور اس طرح ایک اور سنت کو زندہ کیا جو رجحان مرور زمانہ میں ایک تحریک کی شکل اختیار کر گیا۔

تصوف میں انسان کی اہمیت کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔ اس ضمن میں خواجہ صاحبؒ کی تحریک کا ذکر بھی ہو رہا ہے۔ بنابراں ہم قرآن مجید سے تین مزید آیات کا حوالہ دینا چاہیں گے۔ سورہ المومن 24/40/64 میں اللہ تبارک تعالیٰ اپنے انعامات کا حوالہ دیتے ہوئے انسان کو آگاہ کرتے ہیں کہ:

اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو ٹھہرنے کی جگہ اور آسمان کی چھت بنایا اور تمہاری صورتوں کو اچھی طرح بنایا اور تمہیں عمدہ عمدہ چیزیں کھانے کو دیں۔ یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے بہت ہی برکتوں والا اللہ ہے سارے جہانوں کا پرورش کرنے والا۔

تمام مخلوقات کے مقابلہ پر سورہ تغابن میں انسان ہی کے متعلق کہا گیا ہے 28/64/03 و صورکم فاحسن صورکم۔۔۔ اور سورہ التین 30/95/4 میں احسن الخالقین نے حضرت انسان ہی کے بارے میں فرمایا۔۔۔ لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔۔۔ یقیناً ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا اور یہ کہ ہر شخص صاحب تکریم ہے۔

انسان کی اہمیت کیلئے اور اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے انبیاء و رسل کو بھی انسان کے لبادہ میں بھیجا اور اسی انسان میں سے انسان کامل بنائے جن میں سے ایک عبد کو معراج کے شرف سے نوازا۔ انہی انسانوں میں سے امام صدیق شہداء صالحین عباد الرحمٰن اور اولیاء کرام پیدا کیے جن کے دم قدم سے اس دنیا کا کاروبار جاری ہے۔

اولیاء کرام کی جانب سے حضرت انسان کو جو ہدایات میسر آئیں ان کے نتیجے میں انفرادی اور اجتماعی سطح پر افراد اور معاشرتی زندگی میں بہت سے اثرات مرتب ہوئے جن میں چند کا احاطہ بے معنی نہ ہوگا۔

1۔ لوگ منظم زندگی اور اس کے ثمرات سے آشنا ہوئے۔
2۔ نظریاتی رویوں کی افادیت ظاہر ہوئی۔
3۔ معاملات کی کھوج لگانے اور حقیقت جاننے کا شعور پیدا ہوا۔

4۔ عملی زندگی کے دوررس اثرات سے آگاہی ہوئی۔

5۔ آدابِ محفل اور اخلاقی اقدار سے لوگ متعارف ہوئے۔

6۔ نیک اعمال کرنے اور برے اعمال سے بچنے کی ترغیب ملی۔

7۔ خدمتِ خلق کا عنصر ایک تحریک کی شکل میں ابھرا۔

8۔ اعلیٰ و ارفع جذبات کا اظہار نثر اور نظم میں ہونے لگا۔

9۔ مرشد کی اطاعت اور مرکزیت کا عمل دخل افراد کی زندگی میں جاری ہوا۔

10۔ مذہبی رسومات مستحکم ہوئیں۔

11۔ اجتماعی عبادت کے پر کیف لمحات سے لوگ مستفید ہوئے۔

12۔ عرس، میلے، میلاد جیسی تقریبات جاری ہوئیں جن کے اپنی اپنی جگہ پر تمدنی و تہذیبی اثرات مرتب ہوئے۔

13۔ رہن سہن میں سادگی اور صفائی کا رجحان بڑھا اور نمود و نمائش سے اکثر لوگوں کو نجات ملی۔

14۔ جھوٹ، دجل، فریب اور دھوکہ دہی جیسی مذموم حرکات میں کمی ہوئی۔

15۔ سودی کاروبار سے لوگ توبہ تائب ہوئے۔

16۔ مرشد کے خوف سے زنا اور شراب جیسی قباحتوں میں بہت کمی واقع ہوئی۔ ارادتمند اس بات سے ڈرتے تھے کہ ان کی شکایت کی وجہ سے پیر و مرشد ناراض ہو جائے گا۔

17۔ اللہ تبارک تعالیٰ سے محبت کا اظہار ہونے لگا۔

18۔ حج و زیارات اور عمرہ کی طرف لوگ مائل ہوئے۔

19۔ تصوف کی تحریک پروان چڑھی اور تصوف کے حوالے سے بہت سی تصانیف کا اضافہ ہوا۔ روحانی ادب اب باقاعدہ ایک شعبہ بن چکا ہے۔ اسی طرح دعاؤں، وظیفوں، درود و سلام پر رسالے شائع ہونا شروع ہوئے۔

20۔ لنگر خانوں اور اجتماعی طعام نے تصوف کی دنیا میں ایک مستقل حیثیت حاصل کر لی ہے۔

21۔ قرآن و سنت کی تعلیم و تفہیم میں خاطر خواہ اضافہ ہوا۔

22۔ قوالی ایک فن کے طور پر ابھری اور مقبولیت کے ریکارڈ قائم ہوئے۔

23۔ تصوف کی تحریک میں کئی سلسلے معرضِ وجود میں آئے اور مختلف علاقوں کے لوگ ان سلسلوں سے وابستہ ہو کر سکونِ قلب حاصل کرنے لگے۔ مردوں کے علاوہ عورتیں بھی اس



تحریک میں شامل ہوئیں۔

24۔ لوگوں کو احساس پیدا ہوا کہ زندگی بے مقصد نہیں ہے لہذا اس کے مقاصد کو تلاش کرنا اور ان اہداف کو حاصل کرنا سالک و طالب کی روحانی ذمہ داری ہے۔

25۔ اسلام کی تعلیم کردہ اعلیٰ اقدار سے نہ صرف لوگ متعارف ہوئے بلکہ ان اقدار کو زندگی میں لاگو کرنے کا شعور بھی پیدا ہوا۔

26۔ اللہ تبارک تعالیٰ کی ذات و صفات و وجود کے بارے میں لوگوں نے غور کرنا شروع کیا۔ قرآن پاک کی سورہ العنکبوت 21/29/69 کا مطلب اس طرح بھی بیان ہوا ہے کہ جو لوگ اللہ تبارک تعالیٰ کے عرفان میں کوشش کرتے ہیں اللہ تبارک تعالیٰ ان پر بہت سے راستے کھول دیتا ہے۔

27۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ تصوف سے وابستہ افراد اللہ تبارک تعالیٰ کے علاوہ ہر خوف سے آزاد ہو جاتے ہیں۔ یہ وہ بنیاد ہے جس پر شرف و عرفان کی عمارت تعمیر ہوتی ہے۔

اس کتاب کی تحریر کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ جن بزرگ ہستیوں نے مخلوق خدا کی ہدایت و رہنمائی کی ذمہ داری سنبھالی وہ اس بات کے مستحق ہیں کہ ہم اپنی مجالس یا اپنی تنہائیوں کو ان کے ذکر جمیل سے زینت بخشیں۔ ان کا نام عزت سے لیں کیونکہ یہ وہ گروہ ہے جو اللہ اور اس کے رسولؐ کی سنت کا احیاء کر کے دین کے پیغام میں تسلسل برقرار رکھے ہوئے ہے۔

قرآن میں انذار ایک باقاعدہ موضوع ہے۔ لفظ انذار کا مادہ ن۔ ذ۔ ر ہے۔ جس کا مطلب آگاہی ہے یعنی قول و فعل کے نتائج مرتب ہونے کی پیشگی اطلاع۔ قرآن نے انذار کے پہلو پر اس لیے زور دیا کہ انسان اپنے طور پر ہر چیز کے نتائج سے واقف نہیں ہو سکتا۔ سورہ بقرہ 02/02/213 میں قرآن نے ایک اصول قائم کیا ہے کہ دراصل بنی آدم ایک ہی گروہ تھا۔ امتِ واحد۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے نبیوں کو خوش خبریاں (اعمال کے اچھے نتائج پر جزا) دینے اور ڈرانے والا (یعنی برے اعمال کے منفی نتائج پر سزا کی پیشگی اطلاع) بنا کر بھیجا اور ان کے ساتھ سچی کتابیں نازل فرمائیں تاکہ لوگوں کے ہر اختلافی امر کا فیصلہ ہو جائے۔

سورہ المومن 24/40/15-17 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''بلند درجوں والا عرش کا مالک وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے وحی نازل کرتا ہے تاکہ وہ لوگوں کو (آخرت میں)

ملاقات والے دن (کی سخت کارروائی) سے آگاہ کرے جس دن سب لوگ ظاہر ہو جائیں گے۔ ان کی کوئی چیز اللہ سے پوشیدہ نہیں رہے گی۔ آج (یعنی یوم حساب) کس کی بادشاہی ہے۔ (ظاہر ہے) فقط اللہ واحد قہار کی۔ آج ہر نفس کو اس کی کمائی کا بدلہ دیا جائے گا۔ آج کسی قسم کا ظلم نہیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب کرنے والا ہے۔''

انذار کا عرفان صرف ان کے لیے مفید ہے جو سمجھ لیتے ہیں کہ اللہ کے حضور مکافات عمل کا نظام ہے اور حساب کتاب لازمی ہے لہٰذا وہ لوگ جو اعمال کے منفی نتائج اور متوقع سزا سے بچنے کیلئے رہنمائی کی پیروی کرنا چاہتے ہیں وہی انذار کے عنصر سے فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔ ایسے لوگ درحقیقت زندہ ہوتے ہیں ان کا ضمیر زندہ ہوتا ہے۔ ویسے بھی انذار کا عمل زندگی ہی میں فائدہ دے سکتا ہے کیونکہ جب تک انسان زندہ ہے عمل کر سکتا ہے۔ بقولے آج عمل ہے حساب نہیں' کل حساب ہوگا اور عمل ممکن نہیں ہوگا۔ دوسرے انداز سے دیکھیں تو انذار کا عمل اللہ تبارک تعالیٰ کی طرف سے نعمت ہے' رحمت ہے کیونکہ انسان آگاہ ہو کر سزا سے بچ جاتا ہے۔ اس انداز سے دیکھیں تو نبی اور ولی اللہ حقیقی طور پر اللہ کی رحمت کے کارکن نظر آتے ہیں لہٰذا اس پہلو سے بھی یہ ہستیاں قابل احترام ہیں۔

علاوہ ازیں قرآنی حکم بھی ہے کہ تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو لوگوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تعلیم دیتی رہے۔ آگاہ کرنے والے ربانی کام کرتے ہیں کیونکہ آگاہ کرنا اللہ تبارک نے اپنے ذمہ لیا ہے اور اسی لیے وحی کا نزول ہوتا رہا لہٰذا ولی اللہ جو لوگوں کو آگاہ کرتے ہیں اس کا محرک دراصل انسانی خدمت کا جذبہ ہی ہوتا ہے تاکہ انسان کو جہنم کی آگ کا ایندھن نہ بننے دیا جائے۔ اللہ نے انسان کو اکیلا نہیں چھوڑا۔ اللہ نہیں چاہتا کہ انسان ناامید ہو۔ ہدایت زندہ ہے اور ہدایت دینے والے بھی زندہ ہیں۔

درویشوں نے انسان سازی کیلئے خانقاہوں کی شکل میں ایک اہم نوعیت کا ادارہ قائم کیا۔ اس ادارے کو زاویہ' تکیہ' خانقاہ' جماعت خانہ' رباط اور دائرہ جیسے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ سورہ نور 18/24/36 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ان گھروں میں جن کے بلند کرنے اور جن میں اپنے نام کی یاد کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے' وہاں صبح وشام اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔

اس آیت مبارکہ میں تین لفظ قابل غور ہیں: بیت' ذکر اور تسبیح۔ قرآن نے یہاں مسجد کا



لفظ استعمال نہ کر کے یہ بتایا ہے کہ مساجد کے علاوہ بھی ایسے ادارے قائم ہونے چاہئیں بیوت' جہاں اللہ تبارک کا ذکر ہو اور اس کی تسبیح کی جائے۔ اس ہدایت کے پیش نظر درویشوں نے زاویوں' تکیوں' خانقاہوں' جماعت خانوں' رباط اور دائروں کی شکل میں ایسے بیت قائم کیے جن کا بنیادی مقصد اجتماعی ذکر واذکار و تسبیح تھا۔ اس رسم خانقاہی کے بعض پہلو بہت اچھے تھے جن کا ہم اس جگہ نہایت اختصار کے ساتھ احاطہ کرتے ہیں۔

1- جماعت سازی کا قیام۔

2- افراد میں باہمی نظم وضبط کی تربیت تاکہ معلوم ہو سکے کہ اجتماعی زندگی کیسے گزاری جاتی ہے۔

3- تزکیہ نفس جیسے بنیادی عنصر کا انسانی زندگی میں عمل دخل۔

4- ایک جگہ مل بیٹھنے اور دکھ درد میں شریک ہونے کے مواقع۔

5- مساوات انسانی کا زندہ مظہر۔

6- اصلاح وتربیت جیسے بنیادی عوامل کا احیاء۔

7- سلسلہ کے منشور کے بارے میں متعلقین کی مکمل آگاہی تاکہ ہر فرد پر مقاصد واہداف زیست واضح ہو جائیں۔

8- سلسلہ کے طریقہ کار کے ساتھ ارادتمندوں کو منسلک کرنا تاکہ مشن کو آگے بڑھایا جا سکے۔

9- ادب وآداب کے اسباق اور اس کے فوائد سے آگاہی حاصل کرنا تاکہ تصوف کی تحریک عوامی جمہوری تحریک کی شکل میں اور زندہ ومتحرک آگے بڑھتی رہے۔

10- مختلف مقامات پر رہائش پذیر ارادتمندوں کو ایک مرکز سے منسلک کر کے زندگی بسر کرنے کی تربیت۔

11- ان اداروں میں ارادتمندوں کی رہائش کا بندوبست۔ مسافر' حاجتمند بھی ان اداروں سے فیض یاب ہو سکتے تھے۔

12- دینی امور پر غور وفکر کیلئے مناسب ماحول اور مواقع جہاں شیخ کی سرپرستی اور پیر بھائیوں کا تعاون بھی حاصل ہو سکتا تھا۔

13- ایک ایسا مقام جس کا ماحول انسانوں کو توبہ استغفار کی طرف مائل کرتا ہے۔

14- ایسے مراکز جہاں تہذیب نفس کے علاوہ دینی تعلیم کے مواقع بھی میسر ہوتے تھے۔

15- ایمان، عمل، یقین، صداقت، صبر، شکر، عدالت جیسے عوامل کی مدد سے انسانی شخصیت کی تعمیر و تربیت کا کام لینا۔

16- خانقاہ کے شیخ کا مثالی کردار پیش کرنا تا کہ اس کے نمونہ کو سامنے رکھ کر سالک اپنا راستہ متعین کر سکے۔

لیکن اس بات کا افسوس ضرور ہے کہ مرور زمانہ میں ان خانقاہوں سے جذبہ شبیری اور معاشرتی انصاف کے حصول کا جذبہ تقریباً عنقا ہو چکا ہے۔ جس کی وجہ سے بعض حلقوں سے سخت قسم کے اعتراضات وارد ہو کر تصوف کے ادارے کی بکی کا باعث بن رہے ہیں۔ بعض سجادہ نشینوں نے خانقاہوں کو ٹکسال بنا دیا ہے جہاں نوٹ چھپتے ہیں اور پیر صاحبان دونوں ہاتھوں سے دولت اکٹھی کر کے اپنے بزرگوں کی تعلیمات کی نفی کر رہے ہیں۔ نظم و ضبط کی تعلیم کی جگہ ہر گدی سے منسلک افراد سجادہ نشین بننے کیلئے سازشیں کرتے ہیں۔ یعنی ترجیحات ہی بدل دی گئی ہیں جو ان خانقاہوں کو تعمیر کرنے کے وقت پیش نظر تھیں۔

یہاں مجھے علامہ اقبال کے چند اشعار یاد آ رہے ہیں۔ جو انہوں نے اے روح محمدؐ کے عنوان سے قلمبند کیے تھے۔ آپ بھی سن لیں۔

شیرازہ ہوا ملتِ مرحوم کا ابتر
اب تو ہی بتا، تیرا مسلمان کدھر جائے
وہ لذت آشوب نہیں بحر عرب میں
پوشیدہ جو ہے مجھ میں وہ طوفان کدھر جائے
ہر چند ہے بے قافلہ و راحلہ و زاد
اس کوہ و بیاباں سے حدی خواں کدھر جائے
اس راز کو اب فاش کر اے روح محمدؐ
آیات الٰہی کا نگہبان کدھر جائے

ہم نے سورہ نور کے حوالے سے بیت، ذکر اور تسبیح کے بارے میں بات شروع کی تھی۔ عربی میں بیت اس جگہ کو کہتے ہیں جس میں انسان رات کے وقت پناہ لے۔ اب یہ لفظ گھر کے



معنوں میں استعمال ہونے لگا ہے کیونکہ اس مسکن میں ہی آرام کرنے کیلئے انسان لوٹ کر آتا ہے۔ ذکر کا مطلب کسی چیز کو محفوظ کرنا، دل میں حاضر کر لینا، بھولنے نہ دینا ہوتا ہے۔ قرآن کیلئے بھی لفظ ذکر استعمال ہوا ہے۔ غور و فکر کرنے والے بھی اس میں شامل ہیں۔ لفظ تسبیح کا مادہ س۔ب۔ح ہے۔ اس کا بنیادی مطلب تیرنا ہوتا ہے۔ تلاش معاش میں سرگرداں رہنا، کسی کام کی تکمیل کے لیے کوشاں ہونا، اللہ تبارک تعالیٰ کی طرف تیزی سے جانا یہ سب اس لفظ کے مفہوم میں شامل ہیں۔ لہٰذا قرآن پاک کی محولہ بالا آیت مبارک کا مطلب انسانوں کے وہ ٹھکانے جہاں اللہ تبارک تعالیٰ کے منشور پر غور و فکر ہوتا ہو اور اس کی رہنمائی میں حاصل ہونے والے راستہ پر چلنے والے اکٹھے ہوتے ہوں جو ان اصول و ضوابط کو یاد رکھیں اور خود عملی نمونہ پیش کریں تا کہ لوگ ان تعلیمات کو بھول نہ جائیں۔

سورہ التکویر 30/81/26 میں قرآن پاک نے انسان سے خود اس کے بارے میں ایک نہایت ہی اہم سوال کیا ہے:

فاین تذھبون
یعنی اے انسان تم کدھر جا رہے ہو۔

یہ سوال قرآن پاک نے قیامت تک کے لیے محفوظ کر چھوڑا ہے تا کہ انسان اپنے ہدف بھولنے نہ پائیں۔ انسان کو مقاصد حیات کی یاددہانی ہوتی رہے اور وہ اپنے وظیفے اور تسبیح یعنی روزمرہ کے فرائض منصبی سے بے خبر نہ رہے۔ یہ چاند ستارے بھی فضا میں تیر کر اپنے اپنے وظائف اور تسبیح میں مصروف ہیں اور ان اجسام فلکی کی منظم کارروائی کی وجہ سے ہماری دنیا کا نظام ٹھیک چل رہا ہے کیونکہ اگر ان کی تسبیح یعنی کارکردگی میں کمزوری واقع ہو جائے تو آناً فاناً سب کچھ تباہ و برباد ہو جائے گا۔ قرآن نے یہ سوال چاند ستاروں سے نہیں کیا کیونکہ اجسام فلکی نہ تو صاحب ارادہ و اختیار ہیں اور نہ ہی جوابدہ ہیں۔ ان کے وظائف مقرر ہیں اور اللہ کے کمپیوٹر پر ان کے پروگرام مرتب ہو چکے ہیں جبکہ ہمیں بطور انسان کچھ آزادی حاصل ہے۔ یہی تقدیر الٰہی کا کرشمہ ہے۔

ہر عہد اپنے سابقہ ادوار کا وارث اور مستقبل کا نقیب ہوتا ہے۔ حساس افراد محسوس کر لیتے ہیں کہ وہ ماضی اور مستقبل کے درمیان ایک اہم رابطہ ہیں اور انہیں جو وقت بھی میسر آیا ہے یہ دراصل ایک امانت ہے اور ایک ورثہ ہے، جسے صحیح جگہ استعمال کر کے اگلی نسلوں میں منتقل کرنا اور اس ورثہ میں کچھ نہ کچھ اضافہ کرنا ان کا فرض ہے۔ حساس لوگ کسی نہ کسی نظریہ کے تابع اپنے شب

وروز گزارتے ہیں اور اپنے ورثہ کی نوک پلک سنوانے میں بھرپور کردار بھی ادا کرتے ہیں۔ یہ لوگ خود احتسابی کے معاملہ میں سخت کوش ہوتے ہیں۔ اپنی ذات کو بھی معاف نہیں کرتے اور اپنے ظاہرو باطن کا باقاعدگی کے ساتھ تجزیہ کرتے رہتے ہیں۔ اپنی ذات اور معاشرہ کے ساتھ تعلق پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ ان کے نظریات محض جامد قسم کے اصول نہیں ہوتے بلکہ ان کے پیچھے حکمت ہوتی ہے اور انکا اپنا ہدف ہوتا ہے جس پر سالک غور کرتا رہتا ہے تاکہ وہ راہ سے بھٹک نہ جائے اور اسکی زندگی صحیح ڈگر پر چلتی رہے۔ اس طرح انسان لمحہ بہ لمحہ اپنے معاشرہ میں اپنا مقام بھی متعین کرتا چلا جاتا ہے۔

قرآن پاک نے اسی عمل کو تحریک دینے کیلئے اور انسان کو غور و فکر کی طرف مائل کرنے کیلئے قصص الانبیاء کا سلسلہ نازل کیا تاکہ وحی کے ذریعہ انسان کو ماضی کے معاشروں کی تباہی، بربادی اور عروج کے محرکات، اسباب اور مختلف عوامل سے آگاہی ہو سکے اور انسان کو یہ احساس بھی ہو کہ ایک روز اسے بھی ماضی کا حصہ بننا ہے لہٰذا وہ سوچ لے کہ قصص الانبیاء کے سلسلہ میں وہ وقت کے دھارے میں کس جگہ جذب ہوتا ہے۔ اس سارے سفر میں دو باتیں بنیادی ہیں۔ پہلی بات غور و فکر ہے اور دوسری بات عمل۔ یعنی اپنے اہداف کی شناخت کی کوشش اور ان کو حاصل کرنے کی سعی۔

ہمارے ممدوح سید معین الدین چشتیؒ کو اپنے عہد میں جامد تقلید کے رجحان کا ورثہ ملا تھا۔ لوگ پیدائشی مسلمان تھے، رواجاً مسلمانوں کی زندگی گزارتے تھے اور ان کے مرنے کے بعد ان کے عزیز و اقارب انہیں مسلمانوں کے معروف طریقے کے مطابق دفن کر دیتے تھے۔ اور اس کے بعد سوئم، ساتے، دسے اور چالیسویں کی تقریبات منعقد کر دی جاتیں۔ محراب و منبر پر وہی سطحی باتیں دہرائی جاتی تھیں جن کا نہ دل پر اثر ہوتا تھا اور نہ ہی ان خطبوں سے دماغ روشن ہوتے تھے۔ مذہبی سطح پر مسلمان گروہی اور مسلکی تقسیم کا شکار تھے اور اس تقسیم کا کوئی مثبت نتیجہ بھی برآمد نہ ہوتا تھا۔ ہاں اس کے منفی اثرات ضرور پیدا ہوئے جنہوں نے دھیرے دھیرے رواداری، مساوات، خدمت خلق اور ہمدردی کے عناصر کو معاشرہ سے ناپید کر دیا۔ معاشی سطح پر بھی انسان طبقاتی تقسیم کا شکار تھا۔

دوسری طرف ایک ایسی طاقت ور اقلیت بھی تھی جو دربار کے ساتھ منسلک تھی جس کے پاس سیاسی اقتدار، اقتصادی طاقت اور مذہبی جواز موجود تھا جس بنیاد پر اللہ تبارک تعالیٰ کی مخلوق کو غلامی کی زنجیریں پہنا دی گئی تھیں۔ مقتدر خاندانوں کے مفادات کا مکمل تحفظ ہوتا تھا اور ان خاندانوں کے اقتدار کو قائم رکھنے کیلئے جنگ جیسی تباہ کن بدی سے بھی پرہیز نہ کیا جاتا۔ ان جنگوں کا ایندھن عوام بنتے جو ہزاروں کی تعداد میں اپنی جان کی بھینٹ دے کر ایک یا دوسرے بادشاہ کے



اقتدار کو مضبوط کر دیتے اور اس طرح اپنی ہی زنجیروں کو مزید مضبوط کر دیتے۔

حکومتوں پر قطعاً یہ ذمہ داری نہ تھی کہ وہ اپنے یا ملکی احوال کے بارے میں لوگوں کے سامنے جوابدہ ہوں گی۔ ہیئت حاکمہ کی اس بے راہ روی کے باعث عوام خوف و حزن اور بے یقینی کا شکار ہو جاتے اور صدیوں تک لاتعداد مخلوق خدا کو اپنی خفیہ صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کا موقع ہی نہ مل سکا۔ زمانے اور حالات کی بے یقینی نے لوگوں کو اپنی ذات سے بیگانہ کر دیا تھا۔ وہ قوم جو خود اپنی ذات اور فرائض منصبی سے بیگانہ ہو جائے وہ نظریاتی زندگی کی جدوجہد کے حسن کی مداح نہیں بن سکتی ہے۔ ایسے زمانوں میں طالع آزما، جابر اور خود غرض حاکم پیدا ہو جاتے ہیں جو انسانی استحصال کو اپنا حق سمجھتے ہیں۔

قرآن نے اپنے قاری کو احتجاج رقم کروانے کی ضرورت کی طرف اس لیے متوجہ کرایا ہے کہ زندگی کی جدوجہد کو آگے بڑھانے کیلئے اس کے پاس ایک موثر ہتھیار موجود ہو اور حقوق بشری کی اہمیت کا احساس ہو۔ حاکم وقت تو اثاثوں اور اسلحہ سے لیس ہوتا ہے جبکہ عام انسان کو قرآن یہ حق اور تحریک دیتا ہے کہ سچی بات کو بے خوف و خطر کر دو تاکہ خوف دور ہو اور منجمد حالات کو چیلنج کرنے کا رجحان تو پیدا ہو۔

آپ غور فرمائیں چھٹا پارہ لایحب اللہ کے الفاظ سے شروع ہوتا ہے۔ اگر آپ عام ترجموں کے چکر سے ہٹ کر آیت کی حکمت پر غور کریں تو بات یہ بنتی ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ اپنے بندوں کو آگاہ کر رہے ہیں کہ وہ مظلوم جو احتجاج نہیں کرتے اللہ کی محبت سے محروم ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح 28ویں پارہ کی ابتدائی آیات سے واضح ہو جاتا ہے کہ ایک مجبور عورت کے احتجاج پر ظہار جیسی رسم میں تبدیلی واقع ہوگئی تھی۔ قرآن یہ ظاہر کر رہا ہے کہ احتجاج کی وجہ سے غیر انسانی قوانین بھی تبدیل کیے جا سکتے ہیں۔ کیونکہ قوانین کا مقصد انسان کی زندگی میں آسانیاں پیدا کر کے اسے منظم کرنا ہے۔ قانون انسانی زندگی میں بے جا رکاوٹیں پیدا کرنے کیلئے نہیں ہونا چاہیے۔

ہمارے صوفیا کرام کے پیش نظر قرآن پاک کے یہ مقامات تھے جن کا بنیادی مقصد انسان کی فلاح کیلئے کوشش کرنا ہے تاکہ اللہ کی دھرتی پر اللہ کا قانون رائج ہو اور اللہ کے قانون نافذ ہونے کا مطلب ایک متوازن معاشرہ کا قیام ہے جہاں کوئی کسی کا محتاج نہ ہو۔ ہمارے پیارے نبیؐ نے ایک بار فرمایا تھا کہ ان کی خاطر اللہ تبارک تعالیٰ نے اس کرہ ارض کو مسجد قرار دے دیا ہے۔

آپ غور کریں کہ نبی آخر الزمان کے فرمان کے مطابق یہ کرہ ارض قیامت تک کیلئے مسجد قرار پا چکا ہے۔ اس اہم حدیث کی تعبیر اس طرح ہوئی کہ اب آپ جہاں چاہیں نماز پڑھ سکتے ہیں ساری زمین پاک و پوتر ہے۔ یہ تعبیر اپنی جگہ درست ہے لیکن یہ اصل بات کا صرف ایک چھوٹا سا پہلو ہے۔

اس حدیث میں قابل غور چار چیزیں ہیں: 1) اللہ تبارک تعالیٰ نے 2) میری خاطر یعنی حضور کی وجہ سے 3) اس کرہ ارض کو 4) مسجد قرار دیدیا ہے۔ یہ چاروں رکن قابل غور ہیں اور جب تک ان چاروں عناصر کو مربوط طریقہ پر سمجھا نہیں جائیگا مطلب واضح نہیں ہوگا۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ ساری کائنات اللہ تبارک تعالیٰ کی ملکیت ہے۔ اس بات پر ایمان ہونا ضروری ہے اور یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ یہ سب کچھ اللہ ہی کی عطا ہے۔ اس عطا کے پیچھے ایک مقصد ہے جو دوسری بات میں بیان ہو رہا ہے یعنی یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ محمدؐ رسول اللہ کا اتباع کیا جائے اور تیسری بات یہ ہے کہ اس اتباع کا مقصد اس منشور کو اپنانا ہے جو حضور کی ذات پاک نے امت کو عطا فرمایا ہے اور اس کا جوہر یہ ہے کہ اس ساری دھرتی کو مسجد قرار دے دیا گیا ہے۔ اگلی بات دھرتی سے متعلق ہے اور چوتھی بات مسجد کی ہے۔ جہاں تک دھرتی کا تعلق ہے تو یہ انسان کیلئے ذرائع پیداوار اور اس کی زندگی کو تحفظ مہیا کر رہی ہے اور حرکت کے باوجود اپنے مقام پر انسان کے قرار کیلئے ٹھہری ہوئی معلوم ہوتی ہے تاکہ انسانی زندگی میں خلل واقع نہ ہو۔ حدیث مبارک ہے کہ یہ دھرتی حضور کی وجہ سے مسجد قرار دے دی گئی ہے۔ اب غور طلب بات یہ ہے کہ مسجد کیا چیز ہے۔ اگر ہم مسجد کی ماہیت اور مقاصد سے تعارف حاصل کر لیں تو اس اصول کو دھرتی پر قیاس کرتے ہوئے حدیث کی حکمت یعنی اپنے مقصد تک پہنچ جائیں گے۔

-1 مسجد کسی کی ملکیت نہیں ہوتی۔

-2 مسجد خدا کا گھر ہے جس میں ہر کس و ناکس کو آنے کی آزادی ہے۔

-3 مسجد کو آباد رکھنا اللہ کے بندوں کا فرض ہے۔

-4 مسجد میں ہر آنے والا امن کے گہوارے میں داخل ہو جاتا ہے۔ اسے کسی قسم کا خوف نہیں ہوتا کیونکہ وہ اللہ کے گھر میں ہے۔ یعنی اب وہ اللہ کا مہمان ہے۔

-5 یہاں پانی جیسی بنیادی ضروریات بھی بلا معاوضہ ملتی ہیں اور اگر کوئی مسافر ہے تو اس کے قیام و طعام کا ذمہ مسجد کے متولی کے ذمہ ہے۔



-6 مسجد میں آپ شور مچا سکتے ہیں اور نہ ہی دنگا فساد کر سکتے ہیں۔ یہاں فضول باتوں کی بھی گنجائش نہیں۔

-7 آپ نے جسمانی اور ذہنی طور پر پاک و صاف ہو کر مسجد میں داخل ہونا ہے۔ یعنی مسجد وہ جگہ ہے جسے آپ نے ہر قسم کی گندگی سے محفوظ رکھنا ہے۔

-8 آپ کی کوشش ہو کہ مسجد جاتے وقت جو کپڑے پہنے ہوں وہ کسی سے چھینے ہوئے ہوں نہ ہی حرام مال سے خریدے گئے ہوں۔

-9 مسجد میں انفرادی اور اجتماعی سطح پر عبادت ہوتی ہے۔

-10 سب کا قبلہ ایک ہوتا ہے۔

-11 امام ایک ہی ہوتا ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ اجتماعی نماز ایک سے زیادہ پیش نماز پڑھائیں۔

-12 مقتدیوں میں باقاعدہ صف بندی ہوتی ہے۔ یہاں بھیڑ بھاڑ نہیں ہو سکتی نہ دھکم پیل ہوگی۔ جہاں جگہ ملے وہیں بیٹھ جاؤ۔

-13 سب کا طریقہ نماز ایک جیسا ہوگا۔ ایک ہی وقت نماز شروع ہوگی اور ایک ہی وقت ختم ہوگی۔ اس نظام الاوقات میں جمع تفریق کی گنجائش نہیں ہوگی۔ باقاعدہ نظم الاوقات کی پابندی ہوگی۔ یہ ممکن نہیں کہ فجر کے وقت عشا کی نماز ادا کر دی جائے۔ یعنی سبق یہ دیا جا رہا ہے کہ عبادت کا جوہر دراصل قانون کی پیروی ہے۔ خدا اور اس کا رسولؐ جس طرح چاہتے ہیں اسی طرح نماز ادا کرنا ہوگی۔ قانون کی بالادستی کا سبق مومن کو نماز کے ساتھ ہی مل جاتا ہے اور اس سبق کو روز دہرایا جاتا ہے کیونکہ اس کی حکمت کا آنکھوں سے اوجھل ہونا ہی ممکن ہے۔

-14 مساجد میں جمعہ کے خطاب اور عیدین کا اکٹھ ہوگا جہاں پیش نماز خطبوں میں حالات حاضرہ پر بات کریں گے۔ جمعہ کے روز گزشتہ سات روز کی کیفیات اور آئندہ سات روز کی پالیسی کا اعلان ہوگا اور عیدین کے موقع میں سال بھر کی کارکردگی پر گفتگو ہوگی۔ اسی طرح حج کو سالانہ اجتماع کی پوزیشن حاصل ہے جو ایک بین الاقوامی اجتماع کی صورت میں ہر سال باقاعدگی سے منعقد ہوتا ہے۔ یہ اجتماع اجتہاد جیسے عمل کو زندہ رکھنے میں بنیادی کردار ادا کر سکتا ہے۔

15- حضورؐ کے وقت مسجد میں مختلف امور طے پاتے تھے یعنی اصحاب کرامؓ سے مشاورت ہوتی تھی۔ معاشی و معاشرتی مسائل پر تبادلہ خیال ہوتا تھا۔ وفود کا استقبال کیا جاتا تھا۔ عدالتی فیصلے کیے جاتے تھے۔ تعلیم و تعلم کا کام جاری رہتا۔ لوگوں کے طعام کا بندوبست ہوتا تھا اور حاکم وقت یعنی حضورؐ بنفس نفیس خود ہر کس و ناکس کی بات سننے کیلئے موجود رہتے تھے۔

مسجد کی تعمیر سے اسلام نے جو ادارہ سازی کی اور حضورؐ کا یہ فرمان کہ ساری دھرتی کو میری خاطر مسجد قرار دیا گیا ہے اس امر کا اعلان تھا کہ وہ کلچر جس کی بنیاد مسجد نبوی کی چند گز جگہ پر رکھی گئی ہے اسے ساری دھرتی پر پھیلا دیا جائے تا کہ انسان کی منفعت اور بین الاقوامی امن کا سامان مہیا ہو سکے۔ اس پس منظر میں اقبال کے اشعار قابل غور ہیں:

مومناں را گفت آں سلطانِ دیں
مسجد من از ہمہ روئے زمیں
الاماں از گردش نہ آسماں
مسجد مومن بدست دیگراں

یعنی حضورؐ نے تو مومنوں سے کہا تھا کہ اللہ کی ساری زمین مسجد ہے لیکن حالات کی گردش ایسی ہو گئی ہے کہ مومنوں کی مسجد پر اب اغیار کا قبضہ ہو گیا ہے۔

یہ ہے آفاقی روحانی جمہوریت کا تصور جسے اسلام نے دنیا میں متعارف کیا لیکن 58 ہجری کے بعد جب خلافت کو خاندانی ملوکیت میں تبدیل کرنے کی سازش کامیاب ہو گئی تو روحانی جمہوریت کا تصور پامال ہو گیا اور آج تک مسلمانوں کو اپنی منزل کا راستہ نہیں مل سکا۔ برصغیر میں سید معین الدین چشتیؒ نے آ کر ایک بار پھر تحریک جاری کی تا کہ امت مسلمہ روحانی جمہوری طرز عمل اپنا کر امت اپنا مقام حاصل کرنے کی منزل پر آ جائے۔ اس تصور کو بابا فریدؒ نے مزید آگے بڑھایا۔ بابا فریدؒ کا اس ضمن میں ایک شعر قابل غور ہے۔

اُٹھ فریدا ستیا
جھاڑو پھیر مسیت
توں ستا، رب جاگدا
تیری ڈاڈھے نال پریت



یعنی اے فرید اب اٹھ بیٹھ آرام کا وقت ختم ہو گیا ہے۔ جھاڑو ہاتھ میں پکڑ کر اس مسجد یعنی کرۂ ارض کو آنے والی نسلوں کے لیے صاف کر دے۔ اس جگہ موجود غلط اور باطل نظام کا نام و نشان مٹا دو۔ کیا تو دیکھتا نہیں کہ وقت گزرتا جا رہا ہے اور تو ابھی تک سو رہا ہے لیکن تو اے انسان جس خدا سے محبت کرنے کا دعویٰ کرتا ہے وہ تو ہمہ وقت جاگ رہا ہے۔ لیکن تو بے خبر سو رہا ہے۔

اس شلوک میں جھاڑو سے مراد انسانوں کی وہ نظریاتی جماعت ہے جو ایک راہنما کے ہاتھ پر بیعت ہو کر نظام باطل کی جگہ عادلانہ منصفانہ اور متوازن معاشرہ قائم کرنے کی جدوجہد میں مصروف ہو گی۔

آیئے اب ہم اس روحانی جمہوریت کے دیگر عوامل کا بھی جائزہ لیں جن کی داغ بیل اجمیر کے سید سردار نے نہایت فراست سے رکھی۔ آپ نے ایسے رجحانات متعارف کرائے جو برصغیر میں تصوف کی تاریخ کا حصہ بنے اور ان کی وجہ سے تصوف کی تحریک نے اہم ارتقائی مراحل طے کیے۔ ہم ذیل میں ان نقاط کی نشاندہی کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

1- لوگوں کی تمدنی زندگی میں عزت کے پہلو کو اجاگر کرنا۔ عقائد کی گمراہیوں طبقاتی تقسیم اور منفی رواج نے تمدنی زندگی کو برباد کر دیا تھا۔ زندگی ایک بوجھ تھی۔ لوگوں کو نجات کا راستہ نظر آتا تو در کنار نجات کے تصور سے ہی نا آشنا تھے۔ برہمن نے انہیں باور کرا دیا تھا کہ یہ محرومیاں اس کا مقدر ہیں اور ابھی اسے کئی جنموں کی چکی میں پیسا جائے گا۔ خواجہ غریب نواز کے سامنے سورہ الانفال 09/08/24 کی آیت تھی کہ اے لوگو تم اللہ اور اس کے رسول کے کہنے پر عمل کرو کیونکہ وہ تمہیں اس چیز کی طرف بلا رہے ہیں جو تمہیں زندگی عطا کرے گی۔

2- سید صاحبؒ نے عوام کو اسلام کے ابدی اصولوں سے متعارف کرایا تا کہ لوگ ان اصولوں کے نفاذ کے اثرات اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے اور پھر اس مشن کی صداقت کو قبول کریں۔ اس پس منظر میں آپ نے تکریم آدم کے اصول کو اپنے منشور کا بنیادی حصہ بنایا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ راجے مہاراجے خود تو دیوتاؤں کے نمائندے اور ان کی اولاد شمار ہوتے تھے لہٰذا وہ کسی اور کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ جبکہ عوام عام انسانوں کی نسل سے پیدا ہونا بیان ہوتے جنہیں ابھی نجات حاصل کرنا ہے۔ سید صاحب کی قیادت اور آپ

کی مسائی کا یہ اثر ہوا کہ لوگوں کے ذہنوں سے یہ تصور ضائع ہونے لگا کہ راجے مہاراجے یا مختلف قومیں دیوتاؤں کی اولاد ہیں۔ لوگوں کو یقین دلایا گیا کہ قرآن نے بار بار اس حقیقت کو دہرایا ہے کہ ہم سب بنی آدم ہیں۔ اور سب کا مورث اعلیٰ ایک ہی ہے۔ سب انسان ابن آدم ہیں اور سب انسان ایک ہی طریقہ سے پیدا ہوئے ہیں اور سب کا انجام بھی موت ہی ہے۔ آپ ہر قسم کے انسان کو اپنے پاس بٹھا کر اسکی عزت نہ صرف بحال کرتے بلکہ سب کے ساتھ اسے بھی برابر کا انسان سمجھا جاتا۔ اس خانقاہ سے ہر زائر عزت اور تکریم اوڑھ کر واپس جاتا۔

-3 ملوکیت، جاگیرداری اور فرعونی نظام میں سادگی، انکساری اور عاجزی جیسی چیزوں کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔ انہیں کمزوری کی نشانی سمجھا جاتا ہے لیکن سید صاحبؒ نے ان اقدار کو نہ صرف اپنایا بلکہ اسی اسلحہ کے ساتھ طاقتور دشمن کا مقابلہ کیا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ آپ کی خدمت میں آنے والے شان و شوکت و جھوٹی انا کے بغیر آتے اور پرہیزگاری اور توبہ کا درس لے کر واپس جاتے۔ اسی ضمن میں اس چیز کا ذکر بھی ضروری ہے کہ آپ نے ہر قسم کے تکبر کی بیخ کنی کی کیونکہ تکبر ہی وہ عنصر ہے جس نے شیطان کو ملعون کیا اور اس کی ساری عبادت غارت ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ تصوف کی دنیا میں یہ قول معروف ہے کہ جو گناہ شہوت کی وجہ سے ہو اس کی معافی کی اُمید کی جاسکتی ہے لیکن جو گناہ غرور اور تکبر کے بل بوتے پر کیا جائے اس کی بخشش کی اُمید نہیں رکھنی چاہیے۔

-4 سید صاحبؒ نے اجمیر جانے سے پہلے پانچ برس ملتان میں صرف زبانوں کو سیکھنے پر صرف کیے۔ یہ سارا مجاہدہ ایک شعوری عمل تھا کیونکہ آپ کے ذمہ ایک طویل جہاد تھا جس کے لیے آپ کا بنیادی اسلحہ عوامی رابطہ ہی تھا اور وہ بھی ممکن تھا کہ آپ دربار سرکار اور امراء کی زبان چھوڑ کر لوگوں کی زبان میں ان سے بات کریں۔ ان درویشوں کے نزدیک ہر زبان خدا کا عطیہ تھی کیونکہ یہ زبان اللہ کے بندے ہی استعمال کرتے تھے لہٰذا زبانوں میں امتیاز کرنا دراصل انسانوں کے اندر امتیاز کرنے کے مترادف ہے اور اللہ تبارک تعالیٰ کو امتیازی رویے پسند نہیں ہیں۔ سید صاحب نے ہندوستانی زبانیں سیکھ کر دراصل باشندگانِ برصغیر سے مضبوط رشتہ قائم کر لیا تھا جو بعد میں اپنائیت اور کشش کا باعث بن گیا۔ اس ہم زبانی اور ہم آہنگی پر سید صاحب نے اپنی تعلیمات کی بنیاد رکھی جو ہر انسان کو آسانی سے سمجھ



آجاتی تھی لیکن برہمن کے پاس چھپا کر رکھی ہوئی مقدس کتاب کا مطلب عام انسان نہ سمجھ سکتا تھا حالانکہ سید صاحب کے نزدیک ہر زبان ابلاغ ہی کا ذریعہ ہے بشرطیکہ مخاطب اس زبان کو سمجھنے والا ہو۔ یہ بنیادی حقیقت آج تک واعظ اور اہل منبر کو سمجھ نہیں آئی جو اپنی موروثی جہالت میں ثقیل، سخت، غصیلی اور گاڑھی زبان استعمال کر کے اپنے مسلک کے احکام اور مسائل بیان کرتے ہوئے لوگوں کو خوف و ہراس میں مبتلا کرتا ہے اور مرعوب بھی کرتا ہے۔

مسلمانوں کے آنے کی وجہ سے دِلّی کے مضافات اور دکن وغیرہ میں ایک مخلوط زبان معرض وجود میں آئی جسے اس وقت کھڑی بولی کہتے تھے۔ اس کا نام ہندی زبان پڑا اور اس نے اردو کی شکل بھی اختیار کر لی۔ بابا صاحب کو یہ شرف حاصل ہے کہ آپ نے نہ صرف مقامی زبان میں شلوک کہ کر دوہوں میں غزل کا رنگ بھرا بلکہ آپ نے اردو زبان کی سب سے پہلی غزل بھی کہی۔ غزل ملاحظہ فرمائیں:

وقتِ سحر وقتِ مناجات ہے
خیز در آں وقت کہ برکات ہے
نفس مبادا کہ بہ گوید ترا
خسپ، چہ خیزی کہ ابھی رات ہے
بادمِ خود ہمدم و ہشیار باش
صحبت اغیار بوری (بری) بات ہے
با تن تنہا چہ روی زیں زمین
نیک عمل کن کہ وہی سات ہے
پند شکر گنج دل و جاں شنو
ضائع مکن عمر کہ ہیہات ہے

گنج شکرؒ کا ایک اور شعر بھی ملاحظہ ہو۔

عشق (عاشق) کا رموز نیارا ہے
جز مدد پیر کی نہ چارا ہے

کچھ مزید اشعار بھی ملاحظہ فرمائیں:

ریش سبلت سے گر بڑے ہوتے
بوکڑواں سے نہ کوئی بڑے ہوتے
تن دھونے سے دل ہوتا جو پوک
پیش رو اصفیا کے ہوتے غوک
خاک لانے سے گر خدا پائیں
گائے بیلاں بھی واصلاں ہوجائیں

باباصاحب کے مرشد خواجہ بختیار کاکی لوگوں سے باتیں کرتے وقت فارسی اور ہندی کے الفاظ عام طور پر استعمال کر جاتے۔ اس کی مثال سرفراز احمد راہی نے اپنی کتاب کلام امیر خسرو میں دی ہے۔ فرماتے ہیں کہ خواجہ بختیار کاکی نے ایک کم سن یتیم مرید زادے برہان الدین کو اپنی بیعت میں لے لیا۔ اس پر برہان الدین کی والدہ عرض کرتی ہیں:

والدہ: خوجا' برہان الدین بالا (بچہ) ہے۔

شیخ: مادر موسماں' پونو کا چاند بالا (اونچا) ہوتا ہے۔

اسی طرح شیخ گنج شکر آشوب چشم کی وجہ سے آنکھ پر پٹی باندھے اپنے مرشد بختیار کاکی کو وضو کرا رہے تھے۔ بختیار کی نظر شیخ کے چہرے پر گئی اور فرمایا:

بختیار: بابا آنکھ پر پٹی کیوں باندھ رکھی ہے۔

شیخ: آنکھ آئی ہے۔

بختیار: اگر آئی ہے ایں رابستہ چرا ئید۔

یعنی اگر آنکھ آ گئی ہے (یعنی مل گئی ہے) تو پھر پٹی کیوں باندھ رکھی ہے ان کے مرید نظام الدینؒ کے خلیفہ امیر خسرو نے زبان کے مسئلہ کو انتہا پر پہنچا دیا۔ آپ کے دو بیت بہت ہی مشہور ہوئے۔

گوری سوئی سیج پر مکھ پہ ڈارے کیس
چل خسرو گھر آپنے سانجھ پڑی چھوند لیس

دوسری بیت بھی ملاحظہ فرمائیں۔



خسرو رین سہاگ کی جاگی پی کے سنگ
تن میرا من پیو کا دو بھئے ایک رنگ

ہندوستانی زبانوں کی ترویج میں ان بزرگان دین کا حصہ بیشل ہے۔ صرف ان کے مرید امیر خسرو ہی سے لاکھوں اشعار' پہیلیاں' دوہے' غزلیں اور دیگر اصناف منسوب ہیں۔

5- سید صاحبؒ نے بڑے پیار کے ساتھ اپنے ملنے والوں کی اخلاقی تربیت کی طرف دھیان دیا۔ اخلاقی نظام کو انہوں نے خدمت خلق کے ساتھ منسلک کیا اور بتایا کہ یہ راستہ تمہاری نجات کا راستہ ہے کیونکہ اسی راستہ پر چلتے ہوئے تم اپنے اللہ کو پا سکتے ہو۔ یہ بڑا آسان کام تھا یعنی زندگی کا نظریہ بدل لو اور اللہ کی راہ پر گامزن ہو جاؤ اور راستے میں اپنے عمل و فکر سے اللہ کی مخلوق کا بھلا بھی کرتے جاؤ یعنی اپنے ہم جنس محروموں کی محرومیوں کو کم کرتے جاؤ' ان کے دکھ کا مداوا کرتے جاؤ۔ اس طرز عمل سے لوگوں کے بہت سے مسائل حل ہونے لگے' بوجھ کم ہونے لگے' ذمہ داریوں میں کمی محسوس ہونے لگی' ضمیر سے بوجھ ہٹنا شروع ہوا' زندگی سے پیار بڑھنا شروع ہوا اور عمل کرنے کی ہمت پیدا ہونے لگی۔

اخلاق کے متعلق متعدد احادیث موجود ہیں اور قرآن پاک کے احکام بھی نازل ہوئے۔ حضورؐ نے فرمایا تھا کہ میں حسنِ اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں اور یہ بھی ہے کہ تم میں سے سب سے اچھا وہ ہے جس کا اخلاق اچھا ہے۔ قرآن پاک نے حضورؐ کے کردار کو بہترین اخلاق کا نمونہ قرار دیا ہے۔ بنا بر اں اخلاق کے میدان میں سیرت رسولؐ ہی ہم سب کیلئے نمونہ ہے جس کو خواجہ اجمیری نے اپنے منشور کا حصہ بنایا تھا کیونکہ اسلام کی ترویج میں حضورؐ کے حسنِ اخلاق کو بنیادی اہمیت حاصل تھی۔

6- سید صاحبؒ اپنے مریدوں کو کسب حلال کی بہت تاکید کرتے۔ دراصل کسب حلال کا تصور حقوق بشری کے تحفظ کے ساتھ وابستہ ہے۔ حلال رزق کا براہ راست تعلق تزکیہ نفس اور ذاتی تربیت سے ہے۔ رزق حلال کی تلاش انسان کو قناعت' صبر اور شکر کی طرف مائل کرتی ہے۔ رزق حلال انسان کی فکر کو جلا بخشتا ہے۔ رزق حلال گھر میں سکون کی ضمانت بنتا ہے اور انسان بے شمار تکالیف سے چھٹکارا پا لیتا ہے۔ رزق حلال انسان کو معاشرتی جرائم سے نجات دلاتا ہے۔ سورہ بقرہ 01/02/57,186 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ پاک

چیزیں کھاؤ اور کسی کا مال باطل کے ساتھ مت کھاؤ۔ سید صاحب لوگوں کے سامنے مثال پیش کرتے۔ شیخ حمید الدین ناگوری صرف ایک بیگھہ زمین کاشت کر کے اپنی گزر اوقات کرتے اور کبھی کوئی حرف شکایت ان کی زبان پر نہیں آیا۔ لوگ ان مثالوں کو دیکھ کر سبق سیکھتے کہ اگر تھوڑے رزق سے انسان باعزت اور باوقار طریقے سے بلا خوف زندگی بسر کر سکتا ہے تو پھر فریب دھوکہ دہی' سازش قتل اور ڈاکے سے بے یقینی اور گناہ کبیرہ خریدنے کا کیا فائدہ ہو سکتا ہے۔

7- سید صاحب نے اجتماعی عوامی دعوت طعام یعنی لنگر کی بنیاد ڈالی اور اس کو خانقاہ کا ایک جزو بنا دیا۔ کائنات انسان کیلئے پیدا کی گئی ہے۔ انسان کے رزق کی ذمہ داری خود اللہ تبارک تعالیٰ نے لے رکھی ہے۔ ملاحظہ ہو سورہ الانعام 08/06/151 اور سورہ بنی اسرائیل 15/17/31۔ اب اس ذمہ داری کو ریاست پورا کرے یا معاشرہ پورا کرے۔ سید نے دیکھا کہ ہر طرف محرومیاں ہیں اور لوگ دو وقت کی روٹی کو ترس گئے ہیں۔ ایک طرف سرکاری درباری گودام خوراک سے بھرے پڑے ہیں لیکن دوسری طرف محرومیاں ہیں۔ یہ بادشاہی نظام کا کارنامہ تھا جبکہ سید نے روحانی بادشاہت کا کارنامہ لنگر کی شکل میں جاری کیا۔ اس خوراک میں سینکڑوں افراد روزانہ شریک ہوتے۔ خانقاہ کے صدر نشین کیلئے علیحدہ خوراک کا بندوبست نہ ہوتا۔ آپ اکثر روزے سے ہوتے لیکن اگر عشاء کے وقت کچھ کھانا چاہتے تو چند نوالے کھا کر شکر ادا کرتے۔

8- سید معین الدین کی خانقاہ ایک ایسا چوراہا تھا جہاں مختلف تہذیبیں' تمدن' ثقافتیں' مسلک' رنگ' نسل اور قوموں کا اتصال ہونا شروع ہوا۔ اجمیر ایک ایسا علمی' روحانی' ثقافتی اور تہذیبی مرکز بنا جہاں مختلف الخیال لوگ آ کر باہمی گفتگو کر کے نت نئے تصورات سے روشناس ہونا شروع ہو گئے۔ سید صاحب کی یہ بہت بڑی کامیابی تھی کہ فکری مکالمہ کے راستے کھلنے لگے اور رواداری کے اصول کے تحت ٹھنڈے دل و دماغ سے مختلف نظریات زیر بحث آتے رہے۔ خانقاہ میں آنے والے زائرین مختلف طبقات سے تعلق رکھتے تھے لہٰذا ان مختلف النوع نمائندگان کی وجہ سے ایک وسیع البنیاد گروہ تیار ہوا جو عقل و خرد کے پیمانے پر تصورات و عقاید کا جائزہ لینے کیلئے تیار ہوا۔ سید کی تعلیم و تربیت کا ایک طریقہ یہ



بھی تھا کہ مسالک و نظریات کا تقابلی جائزہ لیتے ہوئے انسان اپنے طور پر قرآن کے ابدی اصول و ضوابط کا تجزیہ کریں اور اعلیٰ انسانی اقدار سے متعارف ہو کر اس دین کو قبول کریں۔ سید کے پاس کوئی فوج تھی نہ ہی وہ کسی کو دولت یا منصب کا لالچ دیتے تھے۔ ہاں وہ سخی تھے اور ہر سائل کی حاجت ضرور پوری کیا کرتے تھے۔ یہ کس طرح ہوتا؟ یہ ایک ایسا راز ہے جو ہر اہل اللہ ہی جانتا ہے کہ اسے خدائی مدد کہاں سے' کب' کیسے اور کس طرح حاصل ہوتی ہے کیونکہ بظاہر بادشاہوں کی طرف سے جتنی جاگیروں کے عطیات آتے تھے وہ اسی وقت واپس کر دیے جاتے اور جو نقدی شاہی خزانے سے آتی وہ حاجتمندوں میں تقسیم ہو جاتی۔ لیکن اس کے باوجود سید کا لنگر جاری رہتا تھا اور روزمرہ کا خرچ آپ کے خادم خاص کو صبح مل جاتا جس سے آنے والوں کی دیکھ بھال ہو جاتی تھی۔

9- سید معین الدین کا ایک خاص انداز یہ تھا کہ آپ اپنی محافل کو اپنے بزرگوں کے تذکرے سے زینت بخشتے۔ بزرگوں کا بڑا ادب کرتے اور ان کے واقعات سے لوگ سبق بھی حاصل کرتے۔ اس طرح نہ صرف تہذیب و تربیت کا سلسلہ آگے بڑھتا بلکہ اس عمل کی وجہ سے تزکیہ نفس اور اخلاقی درستگی کا عمل بھی جاری رہتا۔

10- خواجہ صاحب حقیقت پسند درویش تھے۔ آپ انسانی حقیقت' زمینی حقائق' حقیقت مشن اور انسان کی حقیقی صلاحیتوں سے آگاہ تھے۔ ویسے بھی طریقت و شریعت و معرفت کے ذریعہ آپ حقیقت ہی کے طلبگار تھے لہٰذا انہوں نے زندگی بھر اپنا نظریہ صاف ستھرا رکھا اور حقیقت سے قریب رہنے کی حتی الوسع کوشش کی۔

11- خواجہ صاحب نے کام کی عظمت کو لوگوں کی نگاہ میں بلند کیا۔ جاگیرداری اور ملوکیت کے دور میں جب انسان طبقاتی تقسیم کا شکار ہو جاتا ہے تو پھر ایک طبقہ ایسا پیدا ہو جاتا ہے جو اپنے ہاتھ سے کام کرنا کسر شان سمجھتا ہے اور متعدد کاموں کیلئے لوگوں کی خدمات حاصل کرتا ہے چاہے ان خدمات کا معاوضہ ادا کرنا پڑے یا کارکن کی مجبوری کا فائدہ اٹھا کر اس سے وہ بیگار یعنی بلا معاوضہ خدمات لی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ ہاتھ سے کام کرنیوالے کارکنوں کی ذات پات بھی تحقیر کے ساتھ ان کے کام سے وابستہ کر دی گئی حالانکہ کارکنوں کا یہی محسن طبقہ معاشرتی زندگی کو برقرار رکھنے کا ضامن ہوتا ہے۔ خواجہ صاحب نے اپنے

خاص ارادتمندوں کو ہاتھ سے کام کرنے پر لگایا۔ خود انہوں نے اپنے مرشد کا ساز و سامان سفر کے دوران دس برس اپنے سر پر اٹھا کر کام کی عظمت کو چار چاند لگا دیے تھے۔

12- خواجہ صاحب کا ایک عظیم کارنامہ جماعت سازی تھی۔ آپ سے پہلے مساجد کے ساتھ مدارس تو موجود تھے جہاں طالبعلموں کو قرآن و سنت و فقہ کی تعلیم ملتی تھی لیکن خواجہ صاحب کی جامعہ میں ایک ایسی جماعت تیار ہو رہی تھی جس نے مستقبل میں تبلیغ و اشاعتِ دین کی نئے انداز میں ذمہ داریاں سنبھالنا تھیں۔ اس جماعت کا ہر فرد اپنی جگہ ایک باوقار اور مکمل اکائی تھا جس نے دور دراز علاقوں میں جا کر رہنمائی مہیا کرنا تھی لہٰذا ان احباب کو مکمل طور پر اس خانقاہ کی ٹکسال پر ڈھال کر سکۂ رائج الوقت بنانا تھا۔ یہ رجحان جو خواجہ صاحب نے قائم کیا اگرچہ تصوف کی روایت کا حصہ تھا لیکن خواجہ صاحب نے اسے باضابطہ ایک ادارے کی شکل میں ڈھال دیا اور یہی ادارہ ازاں بعد بڑے فعال انداز میں برصغیر کی تمدنی زندگی کو متاثر کرتا گیا۔ اس ادارے کو بابا فرید کے جماعت خانہ میں بڑی ترقی حاصل ہوئی۔ اس رجحان کی وجہ سے ایک مرکزیت قائم ہوئی جس نے وابستگان اہلِ چشت کو مرکز کے ساتھ مربوط رکھا۔

13- ان خانقاہوں میں خاص طالبعلموں کی کامیابی کیلئے نہایت سخت نصاب ملا کرتے تھے۔ ان کے نصاب میں انسان کی اپنی ذات توجہ کا مرکز بنتی تھی۔ پیٹ بھر کے کھانا نہیں کھانا کیونکہ حضورؐ نے دن میں دو وقت پیٹ بھر کر نہ کھایا۔ اس کی کئی وجوہات تھیں۔ فقر کی زندگی کو برداشت کرنا بہت بڑی آزمائش ہوتی ہے کیونکہ انسان آسائشوں سے جان بوجھ کر منہ موڑ کر اپنے آپ کو کڑے امتحانوں کیلئے تیار کرتا ہے۔ زندگی کی لذات انسان کو سستی کی طرف مائل کرنے کے علاوہ زندگی کے اعلیٰ مقاصد سے دور لے جاتی ہیں۔ جو شخص اس طرح غافل ہو جائے اس کی دعائیں بھی اللہ سننا پسند نہیں کرتا۔ زندگی کو سخت کوش اس لیے بھی بنانا ضروری ہے کہ عمر جس طرح بڑھتی ہے انسان میں لالچ کا اضافہ ہونا معمول کی بات ہے۔

14- صوفی بزرگ عام طور پر لوگوں کو فلسفیانہ بحث میں الجھانے سے پرہیز کرتے۔ یہ گروہ سادہ الفاظ میں اہم چیزوں کو بیان کر دیتے۔ روایت ہے کہ ایک شخص شیخ بایزید بسطامیؒ



کے پاس معرفت کا سبق لینے آیا۔ آپ نے اس کیلئے کھانا منگوایا اور کھلایا۔ اگلے روز پھر وہی سوال لے کر آیا تو آپ نے پھر اس کی تواضع کی۔ تیسرے دن بھی یہی معمول رہا۔ بالآخر سائل نے پوچھا کہ میں معرفت کا سوال کرتا ہوں تو آپ مجھے کھانا کھلا دیتے ہیں اور میرے سوال کا جواب نہیں دیتے۔ شیخ نے کہا "اے برادر معرفت ہمیں است کہ چیزی پیش بندگان خدای تعالیٰ بہاری و دلہای شکستہ را دریابی" یعنی معرفت یہی ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ کے بندگان کی خدمت کی جائے اور ٹوٹے دلوں کو جوڑا جائے۔

15- خواجہ سید معین الدین سجزی چشتی نے عوامی رابطے کے سلسلے میں تحمل، بردباری کی عجیب کیفیت پیدا کر دی۔ آپ کے پاس سینکڑوں مضطرب اور پریشان حال لوگ آتے۔ بڑی بڑی امیدیں اور توقعات کے ساتھ آتے۔ آنے والوں میں شریف بھی ہوتے گنوار بھی ہوتے۔ سید صاحب کی اپنی ذاتی دینی مصروفیات بھی تھیں۔ آپ کو اپنے جامعہ کی دیکھ بھال بھی کرنا تھی اور یہ بھی ممکن نہ تھا کہ کسی سائل کی بات سنے بغیر اسے واپس جانے دیا جائے۔ یہ چند دنوں یا چند ہفتوں کا کھیل نہیں تھا بلکہ یہ عمل تو ان کے اجمیر میں ورود سے وصال تک قائم رہا۔ اس سارے دور میں آپ کو عوامی رابطہ کی وجہ سے کبھی غصہ نہیں آیا۔ میری نظر میں یہ ایک بہت بڑی کرامت تھی یا آپ اسے یوں بھی کہہ لیں کہ سیرت رسولؐ کی پیروی کا اعلیٰ ترین نمونہ تھا۔

غصہ انسان کو خدا کے عطا کردہ مقام شرف سے گرا دیتا ہے۔ غصہ بعض اوقات تکبر کا رنگ اختیار کر لیتا ہے۔ غصہ کرنے سے دوسرے آدمی کا دل ٹوٹ جاتا ہے۔ یہ ساری باتیں اخلاق محمدی اور تعلیمات اسلامی کی نفی ہے۔ اب تو سائنس نے انسانی جسم اور حیوانات پر تجربات کے ذریعہ ثابت کر دیا ہے کہ غصہ کی حالت میں انسانی جسم میں سخت کیمیائی ردعمل اور تبدیلیاں واقع ہو جاتی ہیں جس کی وجہ سے معدہ، دوران خون اور ذہنی انتشار جیسی کئی عارضے لاحق ہو جاتے ہیں۔ سینہ پھول جاتا ہے، سانس میں رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے لہٰذا عقل بھی ٹھکانے پر نہیں رہتی۔ یہ تمام عوامل کسی جرم کے مبادیات بھی بن سکتے ہیں۔

اس کے برعکس رواداری، تحمل، وقار، عفو اور درگذر نہ صرف اللہ کی صفات ہیں بلکہ اس کا اطلاق جب انسانی جسم پر ہوتا ہے تو انسانی جسم منفی تغیرات کے مضر اثرات سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

ویسے بھی دیکھا جائے تو اللہ تبارک تعالیٰ کسی گناہ پر فوری طور پر سزا نہیں دیتا۔ فوری سزا وہ دیتے ہیں جنہیں غصہ مغلوب کر لیتا ہے۔ اللہ انسان کو توبہ کرنے کا موقع دیتا ہے کیونکہ وہ غفور الرحیم ہے۔ اگر اللہ جیسا مقتدر و قادر، اعلیٰ اور عظیم ایک بدترین گناہ کرنے والے کو توبہ کا موقع دیتا ہے تو پھر انسان کو بدرجہ اتم سوچنا چاہیے کہ غصہ کی حالت میں کسی دوسرے انسان کی تذلیل کرنا کیا اسلامی تعلیمات کے مطابق ہے؟

اس وجہ سے ہمارے صوفی درویش غصہ سے اجتناب کرنے کی تلقین کرتے ہیں کیونکہ غصہ انسان کے روحانی اور فکری ارتقاء میں رکاوٹ بن جاتا ہے جبکہ عفو کا پہلو اختیار کر کے انسان اللہ تبارک تعالیٰ کی ایک اور صفت کو انسانی سطح پر اپنا کر صفات الٰہی کی برکات کا سزاوار ہو جاتا ہے اور اس طرح یہ عمل اس کے درجات کو بلند کرنے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

یہاں پر اس واقعہ کا صرف ذکر ہی کافی ہے کہ کس طرح ایک سازش کے ذریعہ حضرت بختیار کاکی پر ایک فاحشہ عورت کی طرف سے الزام لگایا گیا اور بالآخر نومولود نے خود بول کر سارا راز فاش کر دیا اور اس کے بعد سید معین الدین اور ان کے خلیفہ خواجہ بختیار کاکی نے تمام سازشیوں کو معاف کر دیا۔ اس واقعہ کی تفصیل اپنی جگہ پر آئے گی۔

16- خواجہ معین الدین چشتی نے برصغیر پاک و ہند میں تبلیغ کیلئے جس انداز سے ادارہ سازی کی وہ بالکل نیا لیکن موثر طریقہ تھا جس میں انسان کی عزت نفس اور تکریم کا پہلو بھی نمایاں تھا۔ حضور پاک کی ایک طویل حدیث کے آخر میں بیان ہوتا ہے کہ جس نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ جاری کیا تو اس کیلئے اس کا اپنا اجر اور ان تمام لوگوں کا اجر ہو گا جو اس کے بعد اس پر عمل کریں گے بغیر اس کے کہ ان کے اجروں میں کمی کی جائے چونکہ اس حدیث کا تعلق اس مسلک سے ہے جس کا اظہار صوفی حضرات کرتے ہیں اس لیے اس حدیث کا مکمل ترجمہ قارئین کرام کی نظر کرتا ہوں یہ حدیث صحیح مسلم میں بیان ہوئی ہے۔

حضرت ابو عمرو جریر بن عبداللہؓ روایت کرتے ہیں کہ ہم دن کے شروع میں رسول اللہؐ کے پاس تھے کہ آپ کے پاس کچھ ایسے لوگ آئے جو ننگے بدن تھے جو اون کی دھاری دار چادریں یا کمبل ڈالے ہوئے تھے اور گردنوں میں تلواریں لٹکائے ہوئے تھے ان کی اکثریت مضر قبیلے سے بلکہ سارے ہی مضر سے تھے۔ جب رسول اللہؐ نے ان کی فاقہ زدگی کا مشاہدہ فرمایا تو آپ کا چہرہ



متغیر ہو گیا، آپ (گھر کے) اندر تشریف لے گئے اور پھر باہر آ گئے، بلالؓ کو حکم دیا، انہوں نے اذان دی، پھر (جب لوگ نماز کے لیے جمع ہو گئے تو) تکبیر کہی اور آپؐ نے نماز پڑھائی، پھر لوگوں سے خطاب فرمایا۔ اس میں آپ نے فرمایا، لوگو! اپنے اس رب سے ڈرو جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا...... (سورہ نساء ۱) آخر یعنی رقیبا تک۔ آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اس کے بعد سورۂ حشر کی آیت پڑھی: "اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو! اور نفس کو چاہیے کہ اس نے کل (قیامت) کے لیے جو آگے بھیجا ہے، اسے دیکھے" (اس کے بعد آپ نے صدقہ و خیرات کی ترغیب دی) فرمایا ہر آدمی کو چاہیے کہ صدقہ کرے دینار و درہم کا، کپڑے کا، گندم کے صاع کا، کھجور کے صاع کا (صاع ایک پیمانہ تھا، ڈھائی کلو کا) حتیٰ کہ فرمایا، گو کھجور کا ایک ٹکڑا ہی ہو۔ (یعنی تھوڑا یا زیادہ، جس کو جتنی توفیق ہو صدقہ کرے) چنانچہ انصار میں سے ایک آدمی ایک تھیلی لے کر آیا (جو اتنی بھاری تھی کہ) اس کی ہتھیلی اس کو اٹھانے سے عاجز آ رہی تھی بلکہ عاجز ہو چکی تھی، پھر لوگ (لے لے کر) پے در پے آتے رہے، یہاں تک کہ میں نے دو ڈھیر دیکھے، ایک سامان خوراک کا اور دوسرا کپڑوں کا اور میں نے رسول اللہؐ کو دیکھا تو آپ کا چہرۂ انور اس طرح چمک رہا تھا گویا کہ وہ سونے کا ٹکڑا ہے۔ پھر رسول اللہؐ نے فرمایا، جس نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ جاری کیا تو اس کے لیے اس کا اپنا اجر اور ان تمام لوگوں کا اجر ہو گا جو اس کے بعد اس پر عمل کریں گے بغیر اس کے کہ ان کے اجروں میں کوئی کمی کی جائے اور جس نے اسلام میں کوئی برا طریقہ جاری کیا تو اس پر اس کے اپنے گناہ کا بوجھ اور ان تمام لوگوں کے گناہوں کا بوجھ ہو گا جو اس پر اس کے بعد عمل کریں گے۔ بغیر اس کے کہ ان کے گناہوں کے بوجھ میں کوئی کمی کی جائے۔ (مسلم)

یہاں ایک دلچسپ سوال قابل غور ہے۔ چشتی درویشوں کا معاشی نقطہ نظر کیا تھا؟ وہ دربار سرکار سے توقعات وابستہ کیوں نہیں کرتے تھے؟ جاگیرداری نظام کا حصہ بننا، دولت کے انبار لگانا کیوں پسند نہیں کرتے تھے؟ ان سوالات کا جواب تلاش کرنے کیلئے ہمیں اسلام کے معاشی نظام کے خدوخال دیکھنا ہوں گے کیونکہ ہمارے صوفی درویشوں کے عمل کا ماخذ بنیادی طور پر قرآن و سنت ہی تھا۔

نظام سرمایہ داری میں (الف) زمین (ب) محنت (پ) سرمایہ اور (ت) تنظیم چار پیداواری عاملین شمار ہوتے ہیں جبکہ اسلامی نقطہ نظر سے زمین اور انسان کا پیدا کرنے والا اور پرورش کرنے والا واحد و لاشریک ہے جس نے آسمانوں اور زمین میں ذرائع پیداوار اور معاونین

پیداوار کے خزانے جمع کر دیے ہیں اور انسان کو محنت کرنے کے قابل بنا دیا ہے تاکہ وہ کائنات کو مسخر کر سکے۔

اسلامی نقطہ نگاہ سے زمین سے مراد صرف زمین کی بیرونی سطح نہیں ہے یا صرف زمین ہی نہیں بلکہ وہ تمام عطیات اور قدرتی وسائل ہیں جو انسان کی محنت کیلئے پیداواری عوامل بن جاتے ہیں۔ زمین کے متعلق قرآن پاک کے بعض احکامات قابل غور ہیں۔

الف: سورہ الانشقاق 30/84/03

اور جب زمین پھیلا دی جائے گی۔

ب: سورہ طٰہٰ 16/20/53

اس نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنایا اور اس میں تمہارے چلنے کیلئے راستے بنائے اور آسمان سے پانی بھی برساتا ہے اور پھر اس برسات کی وجہ سے مختلف قسم کی پیداوار بھی ہم ہی پیدا کرتے ہیں۔

پ: سورہ الغاشیہ 30/88/16-20

کیا تم نہیں دیکھتے کہ اونٹ کیسے پیدا کیے گئے آسمانوں کو کیسا اونچا کیا گیا اور پہاڑ کس طرح گاڑے گئے اور زمین کس طرح بچھا دی گئی ہے۔

ت: سورہ المومن 24/40/64

اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو ٹھہرنے کی جگہ اور آسمان کو چھت بنایا۔

ٹ: سورہ البقرہ 01/02/22

جس نے تمہارے لیے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی اتار کر اس سے پھل پیدا کر کے تمہیں روزی دی۔

ث: سورہ نوح 29/71/19

اور تمہارے لیے زمین کو اللہ تعالیٰ نے فرش بنا دیا ہے۔

ج: سورہ النباء 30/78/06



کیا ہم نے زمین کو فرش نہیں بنایا؟

چ: سورہ الرعد 13/13/03

اسی نے زمین پھیلا کر بچھا دی اور اس میں پہاڑ اور نہریں پیدا کر دی ہیں اور اس میں ہر قسم کے پھلوں کے جوڑے دو دو ہرے پیدا کر دیئے ہیں۔ وہ رات کو دن سے چھپا دیتا ہے۔ یقینا غور و فکر کرنے والوں کیلئے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں۔

ح: سورہ الاعراف 08/07/10

اور بے شک ہم نے تم کو زمین میں رہنے کی جگہ دی اور ہم نے تمہارے لیے اس میں سامان رزق پیدا کیا۔ تم لوگ بہت ہی کم شکر کرتے ہو۔

خ: سورہ طٰہٰ 16/20/06

جس کی ملکیت آسمانوں اور زمین اور ان دونوں کے درمیان اور اس کرہ ارض کے نیچے کی ہر چیز پر ہے۔

سورہ الحجر 14/15/22

اور ہم بھیجتے ہیں بوجھل ہوائیں۔ پھر آسمانوں سے پانی برسا کر وہ تمہیں پلاتے ہیں اور تم انکا ذخیرہ کرنے والے نہیں ہو۔

ان چند آیات پیش کرنے کا مطلب یہ تھا کہ اللہ تبارک تعالیٰ کی نظر میں لفظ ارض بہت وسیع ہے جس میں معروف اور غیر معروف ذرائع پیداوار اور ان کے معاون عوامل بھی شامل ہیں۔ یہ سب اللہ تبارک تعالیٰ کی ملکیت ہے اور دنیا جہان کی مخلوق کے مشترکہ استعمال و منفعت کیلئے پیدا کی گئی ہے جس پر کسی ایک قوم، نسل، گروہ، ریاست یا جماعت کی ملکیت نہیں ہو سکتی۔

جہاں تک محنت کا تعلق ہے قرآن نے کچھ اصول متعین کر دیے ہیں۔

الف: سورہ الاحقاف 26/46/19 میں درج ہے کہ ہر ایک کو اپنے اپنے اعمال کے مطابق درجے ملیں گے۔

ب: دولت جمع نہیں کی جا سکتی۔ سورہ توبہ 10/09/34-35

اے ایمان والو! اکثر علماء اور عابد لوگوں کا مال ناحق کھا جاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روک

دیتے ہیں اور جو لوگ سونے اور چاندی کا خزانہ رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک عذاب کی خبر پہنچا دیجئے۔ جس دن اس خزانہ کو آتش دوزخ میں تپایا جائے گا پھر اس سے ان کی پیشانیوں اور پہلو اور پیٹھیں داغی جائیں گی۔

پ: دولت صرف امراء کے طبقہ میں گردش نہ کرتی رہے۔ سورہ الحشر 28/59/07 ..... تاکہ تمہارے دولتمندوں کے ہاتھ میں ہی یہ مال گردش نہ کرتا رہے۔

ت: ریاست صدقات کو وصول کرکے مخصوص مدات پر خرچ کریگی۔ سورہ توبہ 10/09/60

ٹ: زمین کے دروازے کسی پر بند نہیں کیے جائیں گے۔ سورہ الواقعہ 27/56/62-74

ث: عدل کے ساتھ احسان کا پہلو بھی ہوگا۔ سورہ النحل 14/16/90

ج: عورت مرد دونوں کو کمانے اور اپنی کمائی پر حق حاصل ہے۔ سورہ النساء 05/04/32

چ: تمہاری دولت میں محروم کا حق معلوم یعنی مقررہ حق ہے۔ سورہ المعارج 29/70/24

ح: تمہاری اور تمہاری اولاد کی پرورش اور رزق کی ذمہ داری اللہ تبارک تعالیٰ یعنی معاشرہ/ریاست پر ہے۔ سورہ الانعام 08/06/52

خ: مال کی حفاظت ہر شہری کا حق ہے۔ سورہ نساء 05/04/29

د: ہر شخص قابل عزت ہے۔ سورہ بنی اسرائیل 15/17/70

ڈ: سورہ القصص 20/28/27 میں سیدنا موسیٰ کا حضرت شعیبؑ کی دختر سے اس شرط پر نکاح ہوا تھا کہ آپ آٹھ سال محنت کریں گے۔

ذ: اے رسولؐ! آپ سے لوگ دریافت کرتے ہیں کہ کیا خرچ کریں۔ آپ کہ دیجئے ضرورت سے زیادہ سب کچھ خرچ کر دو۔

ر: قرض حسنہ کی تاکید اسلام کے معاشی پہلو کا اہم جزو ہے۔ سورۃ البقرہ 02/02/245

ڑ: ربا حرام قرار دیا گیا ہے جبکہ بیع کو حلال قرار دیا گیا ہے۔ سورۃ البقرہ 02/02/275

ز: کسی کا مال باطل کے ساتھ کھانے کی ممانعت ہے۔ سورہ البقرہ 02/02/188

ژ: حلال وطیب رزق پر قرآن نے زور دیا ہے۔ سورہ الاعراف 09/07/160

دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری 13/726

آخر میں ایک حدیث پاک کا حوالہ غور طلب ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ بیشک یہ مال سرسبز اور میٹھا ہے مگر جس نے اسے حلال طریقہ سے کمایا اور حلال طریقہ سے خرچ کیا تو یہی مال دنیا اور آخرت میں اس شخص کا اچھا مددگار بن جائے گا۔ جس نے اسے حرام طریقہ سے حاصل کیا اور حرام طریقہ سے استعمال کیا وہ اس شخص کی مانند ہوگا جو کھاتا رہے مگر اس کا پیٹ نہ بھرے اور قیامت کے روز یہی مال اس کے خلاف گواہی دیگا اور اسے رسوا بھی کرے گا۔

اس پس منظر میں صوفی درویشوں کا معاشی اور معاشرتی نقطہ نظر سمجھ آتا ہے کہ کس طرح ان اہل اللہ کا ایک ایک کام قرآن وسنت کی عملی تعبیر وتفسیر ہے۔ میرے نقطہ نظر سے یہ اسلامی عوامی روحانی جمہوریت کی عملی شکل ہے جو ایک متوازن معاشرہ کی تاسیس کی بنیادی شرط ہے۔

17- انسان بنیادی طور پر بڑا تاؤلا واقع ہوا ہے۔ وہ فوری نتائج کا طالب ہوتا ہے۔ طالب مرید جب خانقاہ میں داخل ہوتا ہے تو چاہتا ہے کہ اس کی آمد کی خوشی میں خدا اسے مل جائے اس کے ہاتھ سے کرامات ہونے لگیں وہ مجیب الدعوات بن جائے لیکن اس کے برعکس زندگی کے اپنے تقاضے ہوتے ہیں اور جدوجہد کے بغیر نگینہ بننا مشکل کام ہے۔ اللہ تبارک تعالیٰ اپنے منتخب برگزیدہ بندوں، جس میں نبی اور رسول بھی شامل ہیں کو کڑے امتحانوں کی بھٹی سے گزارتا ہے اور ان واقعات کو وقت کے دفتر میں محفوظ کر لیتا ہے تاکہ ہر انسان کے سامنے یہ اصول اجاگر رہے کہ لیس الانسان الا ما سعیٰ۔ یعنی کوشش کے بغیر انسان کچھ بھی نہیں ہے۔ اس پس منظر میں ہم دیکھتے ہیں کہ سید معین الدین چشتی طالب اور مرید کے ذمہ چھوٹے چھوٹے کام لگاتے تھے اور پھر اس عمل کی نگرانی کرواتے کہ طالب نے کس انہماک سے اس کام کو پورا کیا۔ اس کی دلچسپی کیسی تھی۔ ان چھوٹے چھوٹے مراحل کے بعد پھر بڑے مجاہدوں کی طرف سالک کو راغب کیا جاتا۔ یہ اسی طرح ہے جیسے آپ بچے کو پہلے دن میدان میں سو میٹر کی دوڑ کیلئے کھڑا کر کے انعام کی توقع نہیں کر سکتے۔ سید صاحب کی خانقاہ نے افرادی زندگی میں اس طرح کی اہم تبدیلی کو متعارف کرا کے نظم وضبط، استقلال، صبر اور رواداری کے راستے پر گامزن کیا۔ آپ کا جاری کردہ نصاب اتنا کامیاب تھا کہ آج بھی ہر زاویہ اور دائرہ میں اسی طرز عمل کی پیروی ہو رہی ہے۔

18- خانقاہی نظام قائم کرنے کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ فارغ البال نوجوان یا لوگوں کی بالغ اکثریت کو شیطان کے چنگل سے آزاد کرانے کا بندوبست ہوا۔ انسان چاہے اپنے مادی

طمع یا ضروریات کے تحت ہی اہل اللہ کے دربار میں حاضری دے لیکن اگر اسے وہاں پر سازگار ماحول ملتا ہے' سکون اور تسکین قلب جیسی کیفیات سے تعارف ہوتا ہے تو لامحالہ اس کا رجحان نیکی کی طرف یعنی ایسے اداروں کی طرف جہاں پر نیکیاں تقسیم ہوتی ہوں' خیر کی تعلیم ملتی ہو' رواداری اور محبت کی تربیت میسر آتی ہو زیادہ مائل ہو جاتا ہے اور اس طرح وہ شخص ایک مخلص جماعت کا حصہ بن جاتا ہے۔ جو ہدایت اور نیکی کی راہ پر گامزن ہے۔

19- اس چیز کا فائدہ انفرادی سطح پر بڑے دوررس نتائج پیدا کرتا ہے۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ بعض مخصوص حالات میں انسان تنہائی کا شکار ہو جاتا ہے اور جونہی اس کیفیت میں شدت پیدا ہوتی ہے تو ایسا شخص اپنی ذات اور خاندان اور پھر معاشرہ سے ہی بیگانہ ہو جاتا ہے۔ ایسے اشخاص جب کسی درویش سے مل کر اس کے حلقہ ارادت میں آتے ہیں تو انہیں یکسوئی سے کام کرنے کی طرف مائل ہونے میں لذت محسوس ہوتی ہے۔ وہ ایک مرکز اور جماعت اور نظریہ سے منسلک ہو کر تنہائی اور بیگانگی کے اثرات سے آزاد ہو جاتے ہیں۔ وہ خود کو ایک جماعت کا حصہ سمجھ کر زندگی کو بامعنی انداز میں دیکھنا شروع کر دیتے ہیں۔ یہی وہ مقام ہیں جب کامل مرشد کی نگاہ انفرادی زندگی میں مثبت تبدیلیاں پیدا کر دیتی ہے۔ یہ وہی کیفیت ہے جس کے متعلق اقبال کہتے ہیں کہ نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں۔ سید معین الدین سجزی کا یہ بھی اہم کارنامہ تھا جس کی بدولت انہوں نے ان گنت افراد کی زندگیوں کا رخ پھیر کر انہیں منزل آشنا کر دیا۔

20- سید صاحب کے خانقاہی نظام کا ایک نہایت ہی اہم پہلو لبرلزم (Liberalism) جیسے عنصر کو انسان کی روزمرہ کی عملی زندگی میں موثر طریقہ سے متعارف کرانا تھا۔ سید صاحب جبر و استبداد کے خلاف تھے۔ ان کے سامنے قرآن کا یہ اصول تھا کہ دین میں کوئی جبر نہیں' تم اپنے اعمال کے ذمہ دار ہو اور ہم اپنے اعمال کے ذمہ دار ہیں اور یہ کہ کافروں کے بتوں کو بھی برا بھلا نہیں کہنا مبادا وہ ہو لاعلمی میں تمہارے حقیقی اور سچے خدا کو برا بھلا کہنا شروع کر دیں۔ سید صاحب کو برصغیر کے زمینی حقائق سے بھی مکمل آگاہی تھی کہ یہاں بے شمار زبانیں' نسلیں' تہذیبیں' اقوام اور مسلک موجود ہیں اور لوگ طبقاتی تقسیم کا شکار ہو چکے ہیں اور معاشرہ میں بعض ایسے طبقات بھی ہیں جو ان رجحانات کے علاوہ منافقت اور تفاخر کی زندگی بھی گزار رہے ہیں۔ لہٰذا ان حالات کو تبدیل کرنے کیلئے اور اپنی تعلیمات



کیلئے مناسب ماحول پیدا کرنے کیلئے سید صاحب نے معتدل، فیاضانہ، وسیع النظر، بے تعصب لبرل رجحان اختیار کیا۔ ان کی خانقاہ وسیع المشربی جامعہ کی صورت اختیار کر گئی جہاں معتدل مزاجی کا دور دورہ تھا جہاں بے تعصبی کا اظہار ہوتا۔ ہر طرح کا انسان آ سکتا تھا۔ ہر مزاج کے انسان کو عزت ملتی۔ ہر سوچ والے کی بات سنی جاتی۔ ہر شکایت اور اعتراض کرنے والے کو اپنا مافی الضمیر بیان کرنے کی آزادانہ اجازت ہوتی۔ وسیع النظری کا اظہار ہوتا۔ وسعت قلبی کا قدم قدم پر مشاہدہ ہوتا۔ خوف و پریشانی دور کرنے کا موقع ملتا تھا۔ ان عوامل نے نہایت خاموشی سے ایک سماجی تبدیلی پیدا کی اور مختلف المزاج طبقات کے درمیان نہ صرف ڈائیلاگ شروع کرنے کی بنیاد رکھی گئی بلکہ ایک ایسا ادارہ بھی قائم ہوا جہاں بلا خوف و خطر بیٹھ کر خیالات کا تبادلہ کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح غور و فکر کرنے والے طبقات کیلئے الہامی باتوں تک رسائی اور ان نصوص کو سمجھنا آسان ہو گیا اور عام آدمی کی زندگی میں تناؤ کی کیفیت کی بجائے بقائے باہمی اور رواداری جیسے جذبات نے جگہ لے لی۔

21- سید صاحبؒ کی خانقاہ نے افراد میں اس شعور کو بھی اجاگر کیا کہ تمہارا حال یعنی تمہارا موجودہ وقت بہت ہی قیمتی سرمایہ ہے۔ اسے ضائع مت ہونے دو۔ اسے اپنا مستقبل سنوارنے کیلئے صحیح طور پر استعمال کرو۔ مرشد اپنے مرید کو وقت کی اہمیت کا احساس دلا کر اور اسے مناسب رہنمائی مہیا کر کے اس کے حال کو ایک ایسے سکہ رائج الوقت میں تبدیل کرنے کا گر بتاتا تھا جو سکہ اس شخص کے اس وقت کام آ سکے جب ہر طرف سے کسی مدد کی امید ہی باقی نہ رہے۔

پھولوں پر بھنوروں کا آنا قدرتی بات ہے۔ آپ پودے لگائیں تو بلبل آ کر چہچہائے گی لیکن سید معین الدین نے پودوں کا وسیع باغ کاشت کیا جہاں قسم قسم کے پرندے نہ صرف چہچہائے بلکہ انہوں نے وہاں اپنے آشیانے بنائے اور پھر اس مستقر سے دور دور تک کے علاقوں کو بھی ان پھولوں کی خوشبو نے متاثر کیا۔

22- سید اجمیر نے نہایت قلندرانہ انداز میں درویشی کی ایک اور رسم بھی ادا کی۔ ہمارے ممدوح نے کسی پہاڑ کی اوٹ میں یا جنگلوں یا صحراؤں میں بستیوں سے دور کہیں ویرانہ

ڈالا۔ آپ دہلی بھی نہ ٹھہرے۔ آپ اجمیر آئے کیونکہ وہ شہر ایک طاقتور حکومت کا مستقر تھا جہاں سخت طبیعت والے راجپوت آباد تھے۔ آپ نے اسی دار الحکومت میں گھاس پھونس سے اپنی مختصری خانقاہ تعمیر کی۔ آپ کی آمد کی کئی روایات ملتی ہیں لیکن ہم اس بات کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ اس فقیر درویش نے رسم شبیری ادا کرتے ہوئے اپنے دشمنوں کے سامنے کھلے میدان میں حق کا کلمہ بلند کیا اور اس کیلئے کسی سے مدد کی خیرات نہیں مانگی۔ آپ اپنے نظریہ اور مشن سے وابستہ رہے، اپنے مشن پر انہیں مکمل بھروسہ تھا۔ خدا کی مدد پر ان کا یقین تھا۔ انہوں نے نہایت وقار اور عزت کے ساتھ اپنے کام کو آگے بڑھایا اور خوف کو نزدیک بھی نہ پھٹکنے دیا۔ آپ کو دھمکیاں ملیں، بے دخلی کے احکام جاری ہوئے لیکن آپ اپنے مشن کے ساتھ نہایت مخلصانہ انداز میں منسلک رہے۔ بالآخر فتح آپ کی ہوئی اور اس طرح آپ نے برصغیر میں تصوف کی تحریک کی کامیابی کی عملی مثال رقم کر دی۔

-23 لنگر خانوں کی تشکیل و تاسیس کے پیچھے اسلامی تعلیمات ہی کا جذبہ کارفرما نظر آتا ہے۔ میں اپنے نقطہ نظر کو مندرجہ ذیل دلیلوں سے ثابت کرنے کی کوشش کروں گا۔

-i اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنے لیے رب کا لفظ استعمال کر کے انسان کو نظام ربوبیت یعنی کائنات کی ہر شے اور ہر نوعیت کی پرورش کا تصور دیا ہے اور اس کیلئے لفظ رزق بھی استعمال کیا ہے۔ آپ کلام پاک کا مطالعہ کریں تو لفظ رب کے مادہ سے نکلنے والے الفاظ کو قرآن پاک نے 975 بار استعمال کیا ہے جبکہ لفظ رزق کے مادہ سے بنے ہوئے الفاظ کو 124 بار استعمال کیا ہے۔ اس حقیقت سے معاش اور اسلام کا رشتہ واضح ہو جانا چاہیے۔

-ii پہلی وحی کا نزول ہی اللہ تبارک تعالیٰ کی صفت ربوبیت سے شروع ہوتا ہے۔ سورہ العلق 30/96/01 یعنی اقرأ باسم ربک الذی خلق۔ پڑھ اس پالنہار کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ پیدائش اور پرورش جیسے تصورات سے وحی جیسی نعمت کا آغاز خاتم المرسلین پر ہو رہا ہے۔ اس سے بھی آپ انسان کی بنیادی ضروریات اور ان کی اہمیت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

-iii سورہ الماعون 30/107/01-07 کا ترجمہ ایک بار پڑھ لیں

کیا تو نے اسے دیکھا جو روزِ جزا کو جھٹلاتا ہے



یہی وہ ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے

اور مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا

ایسے نمازیوں کیلئے افسوس ہے (جو یہ کام کرتے ہیں)

جو اپنی نمازوں سے غافل ہیں (نماز کا مقصد منشورِ الٰہی کا عملی نفاذ ہے)

جو ریاکاری کرتے ہیں

اور استعمال والی چیزوں کو روک لیتے ہیں۔

-iv آیئے اب سورہ الدہر 29/76/08 کو بھی دیکھ لیں جہاں اللہ تبارک تعالیٰ بڑی محبت سے اپنے بندوں کی صفات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اور اللہ تعالیٰ ہی کی محبت کی خاطر لوگوں کو کھانا کھلاتے ہیں' مسکین' یتیم اور اسیر کو

آپ اندازہ لگایئے کہ اللہ تبارک تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ میرے نیک بندے صرف میری محبت کے باعث محرومین کو کھانا کھلا رہے ہیں یعنی صاحب ثروت یا جو بھی توفیق رکھتا ہوا سے اللہ کی محبت کے ثبوت میں محرومین کیلئے خوراک مہیا کرنا بنیادی شرط قرار دی گئی ہے۔

-v اب ہم ایک مثال سیرت پاک سے دیتے ہیں۔ حلف الفضول ایک معاہدہ تھا جس کا ایک فریق محمدؐ بن عبداللہ بھی تھے۔ اس معاہدہ کی شقیں حسب ذیل ہیں:

الف: ہم مسافروں کی حفاظت کریں گے

ب: ہم غریبوں کی امداد کریں گے

پ: ہم طاقتور کو کمزوروں کا استحصال کرنے سے روکیں گے

ت: ہم ہمسایوں اور مسافروں کے درمیان امن و سلامتی سے رہیں گے

ث: اس معاہدہ کی قسم کے الفاظ یہ تھے: جب تک دریاؤں کی لہروں میں صوف بھگونے کی صفت باقی ہے (یعنی ہمیشہ ہمیشہ کیلئے) ہم مظلوم کا ساتھ دیں گے یہاں تک کہ اس کا حق ادا ہو جائے اور اس کی معاش میں ہم خبر گیری اور مواسات کریں گے۔

ان شقوں پر غور کرنے سے ظاہر ہو گیا ہوگا کہ حلف الفضول کا بنیادی مقصد معاشی استحکام اور متوازن معاشرہ کے قیام کی طرف پہلا موثر قدم ہے تاکہ ظلم و جور کو ختم کر کے امن و آشتی کی فضا

قائم کی جا سکے۔

vi۔ ایک اہم بات کا بیان کرنا ضروری ہے کہ حضورؐ کے وصال کے وقت آپ کی ریاست اور حکومت دور دور تک پھیل چکی تھی اور تحائف اور غنائم کی کوئی کمی نہ تھی۔ لیکن حضور کی رحلت کے وقت گھر میں تھوڑے سے جو رکھے ہوئے تھے اور آپ کا جن پارچات میں وصال ہوا اس میں پیوند لگے ہوئے تھے۔ آپ نے ترکہ میں کوئی غلام لونڈی، دینار، درہم کچھ بھی نہ چھوڑا۔ صرف آپ کی سواری کا جانور اور جنگ کے ہتھیار اور وہ زمین جو مومنین کیلئے صدقہ کر دی تھی۔ آپ کی معاشی تعلیمات کا لب لباب یہ ہے کہ:

الف: فقر اور سادگی سے زندگی گزارنا انسان کو بہت سی معاشی پریشانیوں، بے جا ضروریات اور بلاوجہ معاشی جدوجہد سے نجات دلا دیتی ہے۔

ب: فقر اور سادگی ذہنی سکون کا سبب بنتی ہے جس کے نتیجہ میں انسان مخلوق خدا کیلئے مختلف قسم کے کام کر سکتا ہے۔

پ: فقر اور سادگی کو اگر اجتماعی سطح پر اپنایا جائے تو متوازن معاشرہ کا قیام جلد تشکیل پا سکتا ہے کیونکہ وسائل آبادی کی نسبت زیادہ ہونے کا امکان ہو جاتا ہے۔

ت: حضورؐ نے وراثت میں مال و منال نہ چھوڑ کر ایک مثال قائم کی تھی کہ اس طرح بھی زندگی کا اختتام ہو سکتا ہے اور اس طرح انسان کی عاقبت بہتر بننے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔

ٹ: سادگی کا رویہ انسان کو حقوق بشری کی پامالی، ظلم، جبر، فتنہ و فساد سے نجات دلانے میں بہت زیادہ مدد دیتا ہے۔

ث: حضورؐ نے قرآن پاک کی تعلیمات کی روشنی میں صدقات، زکوٰۃ اور وصیت کرنے پر اس لیے زور دیا کہ دولت منجمد ہونے کی بجائے گردش میں رہے اور محرومین کا طبقہ باعزت زندگی گزار سکے۔

ج: مسافر کے پاس جتنا کم بوجھ ہوگا اتنا جلدی اور بغیر پریشانی سے وہ منزل مقصود تک پہنچ جائے گا۔

مغرب میں احیائے علوم Renaissance کا آغاز 14 ویں صدی عیسوی میں ہوا اور احترام آدمیت Humanism کی باتیں تو 19 ویں صدی عیسوی کے آغاز میں شروع ہوئیں۔



امر واقعہ یہ ہے کہ احترام آدمیت کا نعرہ سید معین الدین چشتی اور فرید الدین مسعود گنج شکرؒ 13 ویں صدی عیسوی کے آغاز میں پورے زور شور سے لگا چکے تھے۔ یہ الگ بات کہ اس تحریک پر منظم کام مغرب میں سرانجام پایا۔ تفصیل اس اجمال کی کچھ اس طرح سے ہے۔

علوم نو کا تصور تین قلم کاروں نے 19 ویں صدی میں اجاگر کیا۔ یعنی جیولز مسلیٹ (Jules Michelet) جون ایڈینگٹن اور جیکب برخارڈت Jacob Burckardt اس سلسلے میں موخر الذکر کے ایک مضمون اٹلی میں تہذیب احیائے علوم (The Civilization of the Renaissance in ITALY) کو بڑی شہرت حاصل ہوئی جو 1860ء میں اشاعت پذیر ہوا۔ اطالوی فنکار 14 ویں صدی میں احیائے علوم کو اپنا موضوع بنا چکے تھے۔ یہی وہ فنکار ہیں جن کو احترام آدمیت کے علمبردار (Humanists) کہا گیا۔ ان کا سرخیل 14 ویں صدی کا معروف دانش ور اور شاعر پیٹرارک Petrarch قرار دیا جاتا ہے۔ اس دانش ور کا عظیم کارنامہ یہ ہے کہ اس نے اہل روم کی ہزار سالہ قدامت پرستی کو عہد تاریک قرار دیا لیکن اس کی نگاہ ہمیشہ اشیا کے تاریک پہلوؤں میں الجھی رہی حد یہ کہ موصوف عمر بھر مایوسی کا شکار رہا اس کے خیال میں پرانی گھسی پٹی قدروں میں قابل ذکر تبدیلی کا امکان نہیں تھا لیکن یہ کریڈٹ اسے ضرور جاتا ہے کہ اس نے تبدیلی کی اہمیت کو بھرپور انداز میں اجاگر کیا۔ اس تناظر میں دیکھا جائے تو مغرب میں پیٹرارک کو ہیومانزم کا بیج بونے والا قرار دیا جا سکتا ہے۔ یہی وہ شخص ہے جس نے انسانی معاشرے کو نئی اور بہتر قدروں پر استوار کرنے پر زور دیا۔ پیٹرارک کے خیالات کو 15 ویں صدی عیسوی میں بڑی شہرت حاصل ہوئی بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ جو بیج پیٹرارک نے بویا تھا وہ تناور درخت بننے لگا۔ ایک اور خوشگوار تبدیلی یہ رونما ہوئی کہ اس تحریک نے اٹلی کی حدود سے باہر قدم نکال کر پورے یورپ کو متاثر کرنا شروع کیا۔ 1550 میں "احیائے نو" کی اصطلاح منظر عام پر آئی جسے اطالوی زبان میں لا رینا شیٹا (LA Rinascita) کہتے ہیں۔ یہی اصطلاح بعد میں Renaissance کے نام سے رائج ہوئی۔

مذکورہ تحریک نے جب اٹلی سے باہر قدم رکھا تو پرانی قدروں میں تبدیلی کے ذریعہ معاشرے کی اصلاح اور احترام آدمیت (ہیومانزم) کا عنصر بھی شامل ہو گیا بلکہ اسے اہم ترین قرار دیا جانے لگا۔

حد یہ کہ یورپ کے دیگر ممالک میں احترام آدمیت کے علمبرداروں نے اٹلی والوں سے وہ

اعزاز چھین کر ہیومانزم کو بام عروج پر پہنچا دیا۔۔۔لیکن یہ سب کچھ 16 ویں صدی عیسوی کا ذکر ہے۔ روٹر ڈیم کے اراسمس (Erasmus) کو ہیومانسٹوں کا شہزادہ قرار دیا گیا۔ اس نے 1517 عیسوی میں پوپ "لیودہم" کو لکھا کہ معاشرتی امن وسلامتی کے سنہرے دور کا آغاز ہو گیا ہے۔

یورپی تہذیب پر اس تحریک کا اثر صحیح معنوں میں 19 ویں صدی کے آغاز میں ہوا۔ جون رسکن John Ruskin جیسے نقاد نے ری نیساں کی اصطلاح کو وسیع تر معانی میں استعمال کیا لیکن ہیومانزم کی اصطلاح جرمنی میں تراشی گئی اور اسے ہیومانسمس (Humanismus) کہا گیا۔ 1859ء میں مذکورہ اصطلاح کو اہل دانش کی تحریک قرار دیا گیا۔

1855ء میں فرانس کے جیولس مائیکل نے اپنی تصنیف تاریخ فرانس کا ساتواں حصہ شائع کیا اور اس کا نام "ری نیساں" رکھا۔ اس میں مصنف نے قرون وسطیٰ کو عہد تاریک قرار دیا جس میں انسانی آزادی کو مختلف حیلوں سے سلب کیا گیا تھا۔ یہ تاریک عہد بقول مصنف 15 صدی کے اواخر تک جاری وساری رہا۔ ازاں بعد کوپرنیکس اور گلیلیو نے پرانے خیالات پر ضرب کاری لگاتے ہوئے زمینی حقائق کو روشناس کرایا اگرچہ کلیسا نے گلیلیو کے تصورات کو ناقابل معافی قرار دیا۔ مارٹن لوتھر اور جون کیلون Calvin نے انسان کے اندر جھانک کر اخلاق قدروں کی اہمیت کو واضح کرنے کی کوشش کی تھی۔

اس مختصر ذکر کے بعد ہم چشم کشا حقیقت کی طرف آتے ہیں کہ سید معین الدین چشتی کی وفات 1230ء کے لگ بھگ ہوئی جبکہ خواجہ قطب صاحب کی وفات نومبر 1234ء میں بیان ہوتی ہے۔ بابا فرید گنج بخش شکرؒ 1175ء میں پیدا ہوئے۔ ان کی تاریخ پیدائش میں ایک دو برس کا اختلاف عین ممکن ہے۔ گویا 12 ویں صدی عیسوی ہی میں ان بزرگوں نے شعور کی آنکھ کھولی اور جو انداز بیان اپنایا اسے ہم نے اپنی جگہ کچھ تفصیل سے بیان کر دیا ہے۔ یہاں صرف اس قدر عرض کرنا ہے کہ ہیومانزم کا جو پودا ارباب چشت نے برصغیر پاک وہند میں 12 ویں صدی کے اواخر یا 13 ویں صدی کے آغاز میں لگایا وہ آنے والے وقت میں شجر ثمر بار بن گیا۔ سید معین الدین کی اصلاحی سرگرمیوں اور کلام فرید سے استفادہ کرنے والوں کی فہرست بڑی طویل ہے۔ شیخ نظام الدین اولیا اور طوطی ہند امیر خسرو تو کم وبیش اسی عہد میں جلوہ افروز ہوئے۔ گرو بابا نانک اور ان کے بعد گرو ارجن دیو تک فکر فرید سے اس قدر متاثر ہوئے کہ 1604ء میں جب گرو ارجن دیو نے



گرو گرنتھ صاحب کی تدوین فرمائی تو کلام فرید کو اس میں نمایاں مقام عطا کیا۔

مسلم صوفی شعراء نے بابا فرید کے انداز بیان کو کسی نہ کسی حد تک ضرور اپنایا۔ کسی نے بابا جی کے استعمال کیے ہوئے الفاظ سے اپنی شاعری کو زینت بخشی تو کسی نے مفہوم کی گہرائی سے استفادہ کیا۔ مثلاً عشق الٰہی کے اظہار کے لیے بابا فرید نے سالک لیے مونث کا صیغہ استعمال کرنے کی طرح ڈالی کیونکہ جس معاشرے کی خرابیوں کو بابا فرید نے اجاگر کیا وہاں "عورت" "مظلومیت" کی حد تک پس چکی تھی۔ شعور کی آنکھ کھلتے ہی اسے احساس دلایا جاتا کہ جس گھر کو وہ اپنا سمجھتی ہے وہ دراصل اسے عارضی قیام فراہم کر رہا ہے۔ یہ گھر اس کے باپ یا بھائی بھائیوں کا ہے اس کا نہیں ہے ارشتہ ازدواج میں منسلک ہو جانے کے بعد عورت کو احساس ہو جاتا کہ نیا گھر بھی اس کا اپنا نہیں اور وہ اس کے خاوند کا گھر ہے اور قدم قدم پر اپنے شوہر یا بیٹوں کی محتاج ہے حمل کا بوجھ بچے کی پرورش کے باوجود ولدیت باپ ہی کی ہوتی ہے۔ اس کے قدموں میں جنت بیان ہوتی ہے اور قیامت میں بیٹے ماں کے نام سے پکارے جانے کی روایت مشہور ہے لیکن ان تمام امور کے باوجود عورت کی حیثیت ثانوی ہے۔ اسے معاشرہ میں عزت کا مقام حاصل نہیں۔ عوام کا ملوکیت کے دور میں کوئی مقام نہیں ہوتا اور معاشرتی سطح پر عورت محرومیوں کا شکار ہے۔ اس لئے بابا فرید نے خود کو عوام میں رکھا اور عوام میں سے عورت جیسی مظلوم جنس کے ساتھ خود کو Identify کیا۔ مظلومیت کے اسی استعارے کو استعمال کرتے ہوئے بابا فرید نے اپنے آپ کو محبوب (قادر مطلق) کی نوکرانی' باندی یا بیوی کے روپ میں ظاہر کیا اور خالق کائنات کو اپنا کنت' شوہ' مالک اور سائیں کہا۔ شاہ حسین نے یہی الفاظ اپناتے ہوئے کہا

بچے آواں کنت نہ بھانواں کائی پھر گئی قلم اچھی
بھلا بھیا میرا چرخہ بھنا ایہہ جند عذابوں چھٹی

ہم نے بابا فرید کے ساتھ گرو بابا نانک بلھے شاہ اور وارث شاہ کا ذکر کیا ہے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہم نے شاہ حسین' سلطان باہوؒ اور میاں محمد بخش جیسی ہستیوں کو نظر انداز کیا ہے یا کسی قسم کا امتیاز برتنے کی کوشش کی ہے۔

ہمیں بخوبی علم ہے کہ برصغیر میں مسلمان حملہ آوروں نے مقامی آبادی کو بزور بازو مطیع و فرمانبردار بنایا حکومتیں قائم کیں۔ زمینیں فتح کر لیں۔ محمود غزنوی' شہاب الدین غوری کے بعد

قطب الدین ایبک سے لے کر مغل شہنشاہوں تک سب کا رویہ کم و بیش ایسا ہی تھا۔ لیکن عوام کے دلوں کو فتح کرنے والے صرف صوفی حضرات تھے جنہوں نے مہر محبت بھائی چارے اور احترام آدمیت کا مسلک اپنا کر ناممکن کو ممکن کر دکھایا۔

"جو دلوں کو فتح کر لے وہی فاتح زمانہ" کے مصداق برصغیر کے اصل فاتحین یہی صوفیائے کرام ہیں۔ قرآنی تعلیمات کے مطابق پوری کائنات انسان کیلئے مسخر کر دی گئی ہے اور قادر مطلق نے انسان کو مقام بندگی پر فائز کیا۔ سمجھنے کی بات یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات میں توبہ کا تصور انسان کو جمود سے نکال کر ارتقائی منازل طے کرنے کی زبردست ترغیب ہے۔ اسی لیے صوفیائے کرام کے مسلک میں "کفر" ایک عارضی "کمی" کا درجہ رکھتا ہے جس کا علاج کلمہ طیبہ سے ممکن ہے مگر "غفلت" کو ان حضرات نے لا علاج عارضہ قرار دیا۔

سال 1784 عیسوی میں ایک اخبار نے اپنے قارئین سے یہ سوال پوچھا کہ "روشن خیالی کیا ہے؟" What is enlightenment?

اس سوال کے جواب میں ایمونیل کانٹ (Emanual Kant 1724-1804) نے ایک اخبار کو ایک مفصل جواب مضمون لکھ کر بھیجا جو آج بھی مغربی دانشوروں میں زیر بحث ہے اور فلسفے کے میدان میں داخل ہونے والے دانشور اس مضمون میں درج خیالات پر تبصرہ کرنا اور ان خیالات کے حوالے سے اپنی پوزیشن کا اظہار ضروری سمجھتے ہیں یعنی کانٹ کے خیالات کی تائید یا تردید ایک مغربی فلسفی کیلئے واجب قرار پا چکا ہے۔ کانٹ کا مسلک Dare to Know تھا یعنی جاننے کیلئے آگے بڑھنا۔

اس مضمون میں ایمونیل کانٹ نے روشن خیالی یا عقل پسندی کے ضمن میں جو باتیں لکھی ان کا خلاصہ کچھ اس طرح بنتا ہے:

1- انسان کو کم عقلی کی حالت سے نجات حاصل کرنی چاہیے۔

2- کم عقلی اور غلامی (فکری یا سماجی) لازم و ملزوم ہیں۔

3- ذہنی بلوغت کے بغیر انسان کی آزادی محال ہے۔

4- ذہنی بلوغت کی ایک اہم علامت یہ ہے کہ انسان اپنی حالت سے آگاہ ہو اور اپنے توہمات اور خوف و ہراس پیدا کرنے والی مابعد الطبیعاتی تخلیقات کے چنگل سے چھٹکارا



حاصل کرے۔

5- یعنی انسان کا خود ساختہ ذہنی، نفسیاتی، مذہبی اور سماجی حصاروں سے نکل کر اپنی مکمل آزادی کی طرف بڑھنے کا نام روشن خیالی ہے۔

آپ اندازہ لگایئے کہ کانٹ نے یہ بنیادی باتیں کہہ کر ایک انقلابی سوچ کا مظاہرہ کیا حالانکہ اس سے زیادہ انقلابی، اساسی، گہری، جڑ تک پہنچنے والی اور نتیجہ خیز باتیں ہمارے صوفی درویشوں نے عہد بہ عہد کیں۔ ان صوفی درویشوں کی سوچ کا سرچشمہ قرآن و حدیث کا وہ درس ہے جس میں تعقل، تدبر، تذکر، تفکر اور تفقہ کا پیغام موجود ہے۔ اسلامی تعلیمات میں غور و فکر، تدبیر منزل اور محاسبہ نفس کا پہلو بہت نمایاں ہے۔ مغرب کی خوش قسمتی تھی کہ انہیں ایسے دانشور مل گئے جنہوں نے فکری جمود کے خلاف مسلسل جہاد جاری رکھتے ہوئے غور و فکر و تحقیق و تفتیش کو اداراتی شکل عطا کر دی اور اس طرح ترقی کی راہوں کو نوع انسان کیلئے کھول دیا۔

مغرب کے "ہیومانسٹوں" سے ایک قدم آگے بڑھ کر ان عظیم الشان ہستیوں نے "راہ عشق" کو اپنایا اور مخلوق خدا سے محبت کو افضل ترین عبادت قرار دیا۔ محبت چونکہ عبادت کا بلند ترین مقام ہے لہٰذا ان ہستیوں نے اللہ تبارک تعالیٰ کے بندوں سے پیار کا پرچار کیا۔ گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ

انسان کے کسی روپ کی تحقیر نہ کرنا
پھرتا ہے زمانے میں خدا بھیس بدل کر

ارباب چشت اللہ تبارک تعالیٰ کے ان مخصوص بندوں میں سے تھے جن کا ذکر سورہ الفرقان 19/25/62-77 میں عباد الرحمٰن کے ضمن میں مرقوم ہے۔ اللہ تبارک تعالیٰ اپنے بندوں کی صفات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اللہ کے سچے بندے وہ ہیں جو

1- اللہ تبارک تعالیٰ کی زمین پر اطمینان اور وقار سے چلتے ہیں اکڑتے نہیں، فروتنی کے ساتھ چلتے ہیں۔

2- اور جب جاہل لوگوں کا سامنا ہوتا ہے تو اچھے انداز سے سلام کہتے ہیں۔

3- راتیں اپنے رب کے حضور سجدہ میں پڑ کر اور کھڑے ہو کر بسر کرتے ہیں۔

4- اپنے رب سے جہنم کے عذاب سے بچنے کی دعائیں مانگتے ہیں۔

5- خرچ کرتے وقت نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ ہی بخل کرتے ہیں بلکہ معتدل رویہ رکھتے ہیں۔

6- اللہ کے ساتھ کسی کو پکارنے میں کسی اور معبود کو شریک نہیں کرتے۔

7- قتل نہیں کرتے ان جانوں کو جنہیں اللہ تبارک تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے مگر جائز طریقہ سے۔

8- زنا نہیں کرتے۔

9- جھوٹ کے گواہ نہیں بنتے۔

10- بیہودہ کاموں کے پاس سے گزر جاتے ہیں سنجیدگی کے ساتھ۔

11- اللہ تبارک تعالیٰ کی آیات پر غور کرتے ہیں جب انہیں سنائی جاتی ہیں اور اندھیرے بہرے ہو کر ان پر گر نہیں پڑتے۔

12- دعائیں مانگتے ہیں کہ اے مالک ہمیں ایسی بیویاں اور اولاد عطا فرما جو آنکھوں کی ٹھنڈک ہو اور

13- متقیوں کے رہنما بننے کی دعا مانگتے ہیں۔

ان اہل اللہ کا طرز عمل قرآن پاک کی نصوص کی زندہ تعبیر تھا۔ ایسے لوگوں کی زیارت کرنے کا جواز حدیث پاک سے ثابت ہوتا ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ کے وصال کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ ام ایمنؓ کے پاس ان کی زیارت کیلئے چلیں۔ حضورؐ بھی جایا کرتے تھے۔ ام ایمن حضرت عبداللہ کی وفات کے بعد حضورؐ کی پرورش کے سلسلہ میں حضرت آمنہ کا ہاتھ بٹایا کرتی تھیں۔ جب دونوں حضرت ام ایمنؓ کے پاس گئے تو آپ رو پڑیں۔

ایک روایت ہے کہ علماء امتی کالانبیاء بنی اسرائیل یعنی میرے امت کے صاحب علم و عرفان بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں۔ اگرچہ اس روایت پر کئی اعتراضات وارد ہوئے ہیں لیکن ''کشف الخفاء ومزیل الالباس'' از علامہ اسماعیل بن محمد متوفی 1163 ہجری کی جلد دوم ص 64 میں لکھا ہے کہ تفتازانی' فتح الدین شہید' ابوبکر موصلی اور علامہ سیوطی نے ''الخصائص'' میں اشارہ کیا



ہے کہ اس روایت کے مفہوم کو تسلیم کر لینا چاہیے کیونکہ اس کے کئی شواہد موجود ہیں جنہیں انہوں نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے اور امر واقع سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ اس روایت اور دوسری روایت کہ اہل علم و عرفان انبیاء کے وارث ہوتے ہیں ہم ان بزرگان دین کی خدمت میں ہدیہ تبریک پیش کرتے ہیں جنہوں نے بے شمار قربانیاں دیکر دین متین کی ترویج و نفاذ میں گرانقدر خدمات انجام دیں۔ انہوں نے سورج کی مانند سب کو روشنی فراہم کی اور دھرتی کی طرح ہر آنے والے کا بوجھ اٹھایا۔ ان عالموں' عارفوں' بزرگوں میں چشتی بزرگ بھی شامل ہیں جو اس کتاب کا موضوع ہیں۔

ان بزرگوں نے حضورؐ کی سنت کی پیروی کرتے ہوئے برصغیر میں عظیم فکری فتوحات حاصل کیں۔ آج بھی ان بزرگوں کی سیرت ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔ انہوں نے حضورؐ کے حکم کے مطابق آسانیاں پیدا کیں اور مشکلات کو دور کیا۔ لوگوں کو بشارتیں دیں تاکہ لوگ اللہ سے مایوس نہ ہو جائیں اور لوگوں کے دلوں سے نفرتوں کو نکال دیا۔ یسروا ولا تعسروا بشروا ولا تنفروا۔ اسی طرح ان بزرگوں نے اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول کا فریضہ نہایت احسن طریقہ سے انجام دیا۔ ان بزرگوں نے بڑے احسن طریقہ سے لوگوں کو باتیں سمجھائیں اور بنیادی اصول ان کے ذہن نشین کرائے۔ ایک صوفی بزرگ کے مکالمہ اور قرآن پاک کے دو حوالوں پر اپنی بات ختم کرکے قاری محترم سے اجازت چاہوں گا۔ پہلے قرآن پاک کے حوالے ملاحظہ فرمائیں۔

البقرہ کی آیت 233 میں درج اصول لاتکلف النفس الا وسعہا یعنی ہر شخص پر اتنا ہی بوجھ ہونا چاہیے جتنا وہ برداشت کر سکے۔ اس اصول کو ان بزرگوں نے زندہ کیا۔ طالبوں کو فرائض کی ادائیگی کی تاکید ضروری اور بری باتوں سے بچنے کی توقع بھی کی۔ ان کی شفقت اور طریقہ تعلیم کو دیکھ کر یہ خیال ضرور آتا ہے کہ جس ہستی کی امت کے اولیاء کا اتنا عمدہ اخلاق اور مخلوق خدا پر شفقت کا یہ عالم ہے تو وہ ہستی خود کس مقام پر فائز ہوگی۔ سورہ اسراء 15/17/79 میں حضورؐ کی نسبت سے مقام محمود کا ذکر آیا ہے۔ روایت ہے کہ اس مقام سے آپ شفاعت عظمیٰ فرمائیں گے۔ اسی سے ملحق آیت مبارک میں دعا بھی ہے کہ اے میرے پروردگار مجھے جہاں لے جا اچھی طرح لے جا اور جہاں سے نکال اچھی طرح نکال اور میرے لیے اپنے پاس غلبہ اور امداد مقرر فرما۔ یہ ایک جامع دعا ہے جو اس بات کا اشارہ ہے کہ دعا سے اللہ تبارک تعالیٰ انسانی زندگی میں آسانیاں پیدا فرما دیتا

ہے۔ ان دو آیات کو ساتھ ساتھ رکھ کر ہمیں بتایا گیا ہے کہ شفیق ترین ہستی مقام محمود پر فائز ہے۔ حضور کی شفقت کا حوالہ آپ کو سورۃ توبہ 11/9/128 میں بھی ملے گا:

لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمومنین رؤف الرحیم ٥

یعنی: تمہارے پاس ایک ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں جو تمہارے ہی جنس سے ہیں جن کو اس بات سے تکلیف ہوتی ہے کہ تمہیں کسی قسم کا نقصان ہو۔ وہ تو تمہارے فائدے اور منفعت کے خواہشمند رہتے ہیں۔ ایمانداروں کے ساتھ بڑے ہی شفیق اور مہربان ہیں۔

مسند احمد میں ایک روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں ایک آسان دین حنیف لے کر آیا ہوں۔ بخاری کی روایت ہے کہ بے شک یہ دین آسان ہے۔ بخاری نے ابوہریرہؓ کے حوالے سے روایت کی ہے کہ ایک بدو نے مسجد میں پیشاب کر دیا تو لوگ اسے مارنے کے لیے دوڑے۔ آپؐ نے فرمایا اس کو چھوڑ دو۔ اس کے پیشاب پر ایک ڈول پانی ڈال کر بہا دو۔ تم لوگ اس لیے (تیار کیے گئے ہو) بھیجے گئے ہو کہ لوگوں کو دین کی طرف کھینچو اور دین کو ان کے لیے آسان بناؤ۔ تمہیں اللہ تبارک تعالیٰ نے اس لیے (غلبہ نہیں دیا) کھڑا نہیں کیا کہ غیر دانش مندانہ طرز عمل سے لوگوں کو دین سے ہی دور کر دو۔

نقل ہے ایک دفعہ ایک شخص نے عرض کیا: اے شیخ میں اپنے آپ پر بہت ظلم کر چکا ہوں مجھ کو کچھ نصیحت فرمایئے۔

فرمایا: اگر تم منظور کرو تو چھ باتیں بتاتا ہوں۔ اول یہ کہ جب حق تعالیٰ کی نافرمانی کرو تو خدا کی دی ہوئی روزی نہ کھاؤ۔

اس نے کہا: پھر کہاں سے کھاؤں؟

فرمایا: زیبا نہیں کہ جس کی روزی کھاؤ اس کی نافرمانی کرو۔ دوم یہ کہ جب گناہ کرنے کا ارادہ کرو تو خدا کی بادشاہت سے باہر نکل کر گناہ کرو۔

عرض کیا: ساری کائنات اسی کی ہے کوئی کہاں جائے؟

فرمایا: یہ نامناسب ہے کہ اس کے ملک میں رہ کر گناہ کیا جائے۔ سوم یہ کہ گناہ ایسی جگہ کیا جائے جہاں وہ دیکھ نہ سکے۔



کہا: یہ ناممکن ہے وہ دلوں کے بھید تک سے واقف ہے۔

فرمایا: جب رزق اس کا کھاؤ اور اس کے ملک میں رہو تو پھر اس کے سامنے گناہ کرنا کہاں تک انصاف پر مبنی ہے؟

چہارم یہ کہ جب موت کا فرشتہ آئے تو اس سے کچھ دیر توبہ کر لینے کی مہلت دے دے۔

عرض کیا: یہ بھی ناممکن ہے وہ میرا کہا نہ مانے گا۔

فرمایا: جب یہ حالت ہے تو اس کے سامنے آنے سے پہلے توبہ کرنی چاہیے۔ پنجم یہ کہ جب قبر میں منکر نکیر آئیں تو ان کو باہر نکال دینا۔

کہا: میں یہ بھی نہیں کر سکتا۔

فرمایا: پھر ان کے سوالوں کے جواب دینے کے لیے تیار رہو۔ ششم یہ کہ قیامت کے دن حساب کتاب کے بعد گنہگاروں کو دوزخ کی طرف بھیجا جائے گا۔ تم دوزخ میں جانے سے انکار کر دینا۔

کہا: یہ بھی ناممکن ہے۔

فرمایا: تو پھر گناہ مت کرو۔

بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ اکابر مشائخ کو دربار کی سرپرستی حاصل تھی۔ سید معین الدین چشتی سے شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی تک تو یہ اعتراض صادق نہیں آتا۔ مشائخ کی ان پانچ نسلوں نے دین اسلام کی جو گراں قدر خدمت کی اس کی بنیادی وجہ ہی یہ تھی کہ مشائخ سمجھتے تھے کہ سیاست اور دربار سے لاتعلقی ضروری ہے کیونکہ ان دونوں کی وجہ سے رشد و ہدایت کے تقاضے پورے نہیں ہو سکتے۔ شیخ نصیر الدین کا ارشاد ہے کہ درویشوں میں دو گالیاں ہیں۔ ایک یہ کہ کسی کو مقلد کہیں اور دوسرا یہ کہ کسی کو جرت کہیں۔ مقلد اسے کہتے ہیں جس کا کوئی پیر نہ ہو اور جرت وہ ہے جو لوگوں سے سوال کرے، اچھا خرقہ پہنے اور کلاہ صوفیانہ سر پر رکھے اور امراء و سلاطین کے پاس جائے۔ حقیقت میں یہ دین فروش ہے۔

اس سے آگے خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں کہ اسلامی ہند کی تاریخ کا یہ ایک عجیب واقعہ ہے کہ جس وقت چشتیہ سلسلہ کا دور اول ختم ہوا اسی وقت سلطنت دہلی نے بھی دم توڑ دیا۔ اگر ایک طرف چراغ دہلوی کے وصال کے بعد چشتیہ سلسلہ کا مرکزی نظام ختم ہو گیا تو دوسری طرف فیروز شاہ کے

انتقال (1388ء) کے بعد سلطنت دہلی کی مرکزی حیثیت بھی فنا ہو گئی۔ صوبوں میں خود مختار حکومتیں قائم ہوئیں اور دہلی کی امتیازی شان جاتی رہی، جس طرح فیروز شاہ کے بعد ہماری سیاسی توجہ کا مرکز جون پور، گجرات، دکن، بنگال مالوہ کی حکومتیں بن جاتی ہیں اسی طرح ہماری مذہبی تاریخ کی دلچسپیاں دہلی سے ہٹ کر صوبوں کی طرف منتقل ہو جاتی ہیں۔ کچھ عجیب توارد ہے کہ جس وقت خواجہ معین الدین چشتی اجمیر میں اسلام کا روحانی مرکز قائم کرنے میں معروف تھے اسی زمانے میں قطب الدین ایبک اور شمس الدین التمش کی قشون قاہرہ دہلی میں سلطنت کی تعمیر و تشکیل کا کام انجام دے رہی تھیں۔ ایک طرف روحانی تسخیر ہو رہی تھی دوسری طرف سیاسی فتوحات کا ہنگامہ برپا تھا۔ مسلمانوں کے یہ دونوں نظام تقریباً دو صدی تک متوازی چلتے رہے۔ سلطان علاؤ الدین خلجی کے عہد میں سلطنت دہلی اپنے انتہائی عروج کو پہنچ گئی اور اسی زمانے میں حضرت محبوب الٰہی نے چشتیہ سلسلہ کو معراج کمال تک پہنچا دیا۔ پھر یہ بات کیوں نظر انداز کر دی جائے کہ شہاب الدین محمد غوری کی فتح کی بشارت حضرت خواجہ معین الدین چشتی نے دی تھی اور فیروز شاہ کو تخت پر بٹھانے والوں میں حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی بھی شامل تھے۔ اگر کوئی شخص ان واقعات سے یہ نتیجہ نکالے کہ مشائخ چشت، سلاطین دہلی کے ہم نوا اور شریک کار تھے اور اسی بنا پر ان کے عروج و زوال کی داستانیں اس قدر پہلو بہ پہلو چلتی ہیں تو یہ تاریخی حقائق کے خلاف ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ مشائخ چشت بالخصوص دور اول کے بزرگ ہمیشہ سلاطین اور سیاست سے علیحدہ رہے اور انہوں نے دربار داری کو ہمیشہ اخلاق اور مذہب دونوں کی توہین سمجھا۔ (تاریخ مشائخ چشت از پروفیسر خلیق احمد نظامی)

3۔ اگست 2003ء — سید افضل حیدر

58۔ جی گلبرگ 3، لاہور — سینئر ایڈووکیٹ



# تعارفی خاکہ

**نام:** حسن

**والد:** خواجہ غیاث الدین۔ آپ حسینی سادات میں سے تھے۔ آپ کی وفات 545 ہجری میں ہوئی۔

**والدہ:** اُم الوریٰ ماہ نور۔ آپ امام حسنؑ کی اولاد میں سے تھیں۔ آپکا انتقال بھی 545 ہجری میں ہوا۔

**ولادت:** 14۔ رجب المرجب 537 ہجری مطابق 3۔ فروری 1143ء۔ آپ کی ولادت کے متعلق مختلف روایات ہیں۔ 530ھ، 535ھ اور 536 ہجری بھی بیان ہوتی ہے۔ سیستان / سجستان، ہرات کے قریب علاقہ میں پیدا ہوئے۔ اس علاقہ کو عربی میں سجز (س۔ج۔ز) کہا جاتا تھا لہٰذا آپ کے نام کے ساتھ لفظ سجزی لگایا جاتا ہے جسے غلطی سے سنجر (س۔ن۔ج۔ر) لکھا جاتا ہے۔

**شجرۂ نسب:** تذکرہ الانساب، مراۃ الانساب، خزینۃ الاصفیاء، روائح المصطفےٰ، اقتباس الانوار، قلمی اخبار الاخیار کے حاشیہ پر نوشت اور وقائع شاہ معین الدین چشتی کے مطابق شجرہ نسب میں اختلاف ہے اگر تمام مورخین اور تذکرہ نگار متفق ہیں کہ آپ سادات حسینی میں سے ہیں۔ ذیل میں ہم مراۃ الانساب والا شجرہ نسب درج کر رہے ہیں۔

حسن، خواجہ غیاث الدین حسن، خواجہ کمال الدین، خواجہ احمد حسین، خواجہ نجم الدین طاہر، خواجہ عبدالعزیز، خواجہ ابراہیم، خواجہ ادریس، امام موسیٰ کاظمؑ (128ھ تا 183)، امام جعفر صادقؑ (83 ہجری تا 148 ہجری)، امام محمد باقرؑ (57 ہجری تا 114 ہجری)، امام زین العابدینؑ (28 ہجری تا 95 ہجری)، امام حسینؑ (3 ہجری تا 61 ہجری)، امام علیؑ

(30 عام الفیل تا 40 ہجری) و سیدہ فاطمہ زہراؓ (5 بعثت تا 11 ہجری)، رسول اللہ
(1 عام الفیل تا 11 ہجری)

تعلیم: سمرقند و بخارا۔ 545 ہجری.

پیشہ: باغبانی

سفر: بغداد، ہمدان، تبریز، اصفہان، خرقان، استر آباد، ہرات، سبزوار، بلخ، بحرین، مکہ، مدینہ، نجف، کربلا، لاہور، ملتان، اجمیر۔

مرشد و ہدایت: خواجہ عثمان ہرونی (ہرودی)۔ وفات: 617 ہجری عمر 91 سال۔ خواجہ غریب نوازؒ نے 562 ہجری میں بیعت کی۔

شجرہ بیعت: حضرت معین الدین چشتیؒ کا روحانی سلسلہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی وساطت سے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر ختم ہوتا ہے، شجرۂ طریقت یہ ہے:

(۱) سید الانبیاء احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
ولادت ۔ ۹ ربیع الاول مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء
وصال ۔ ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ مطابق ۸ جون ۶۳۲ء

(۲) حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ
ولادت ۲۳ قبل ہجرت، مطابق ۶۰۰ء
شہادت ۔ 21 رمضان المبارک ۴۰ھ مطابق ۶۶۱ء

(۳) حضرت خواجہ حسن بصریؒ
(المتوفی ۱۱۱ھ/۷۲۸ء)

(۴) حضرت خواجہ عبدالواحد بن زیدؒ
(المتوفی ۱۷۷ھ/۷۹۳ء)



(۵) حضرت خواجہ ابو الفیض فضیل بن عیاضؒ
(المتوفی ۱۹۷ھ/ مطابق ۸۱۳ء)
بعض تذکرہ نویسوں نے سال وفات ۱۸۷ھ بتایا ہے۔

(۶) حضرت خواجہ ابراہیم ادہم بلخیؒ
(المتوفی ۲۲۱ھ/۸۳۶ء)

(۷) حضرت خواجہ سدید الدین حذیفۃ المرعشیؒ
(المتوفی ۲۵۲ھ/۸۶۵ء)

(۸) حضرت خواجہ امین الدین ابو ہبیرۃ البصریؒ
(المتوفی ۲۸۷ھ/۹۰۰ء)

(۹) حضرت خواجہ علو ممشاد دینوریؒ
(المتوفی ۲۹۹ھ/۹۱۱ء)

(۱۰) حضرت خواجہ ابو اسحاق شامی چشتیؒ
(المتوفی ۳۲۹ھ/۹۴۰ء)

(۱۱) حضرت خواجہ احمد ابدالی فرسنافۃ الچشتیؒ
(المتوفی ۳۵۵ھ/۹۴۰ء)

(۱۲) حضرت خواجہ ابو محمد ابن احمد ابدال چشتیؒ
(المتوفی ۴۱۱ھ/۱۰۱۹ء)

(۱۳) حضرت ابو خواجہ ناصر الدین ابو یوسف چشتیؒ
(المتوفی ۴۵۹ھ/۱۰۶۶ء)

(۱۴) حضرت خواجہ قطب الدین مودود چشتیؒ
(المتوفی ۵۲۷ھ/۱۱۳۲ء)

(۱۵) حضرت خواجہ حاجی شریف زندنیؒ
(المتوفی ۵۸۴ھ/۱۱۸۸ء)

(۱۶) حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ
(المتوفی ۵۲۶ھ/۱۱۳۱ء تا ۶۰۷ھ/۱۲۱۰ء)

(۱۷) حضرت خواجہ معین الدین حسن سجزی چشتیؒ
(المتوفی ۵۳۷ھ/۱۱۴۱ء تا ۶۳۳ھ/۱۲۳۵ء)

خواجہ صاحب اپنے مرشد کے پاس بغداد میں 562 ہجری بیعت کی غرض سے گئے۔ آپ کو خرقہ خلافت 582 ہجری میں عطا ہوا۔ اسی سال آپ زیارت حرمین شریفین کیلئے گئے۔ چھ سال طویل سفر کے اور بالآخر لاہور 588 ہجری میں پہنچے۔ ملتان سے ہوتے ہوئے آپ 589 ہجری میں اجمیر وارد ہوئے۔ ان تاریخوں میں کچھ فرق ہو سکتا ہے کیونکہ لاہور آنے کے بعد اور اجمیر جانے سے پہلے آپ نے ملتان قیام کر کے برصغیر کی اہم زبانیں سیکھیں تھیں۔ بعض روایات کے مطابق آپ نے 5 برس زبانیں سیکھنے میں صرف کئے۔

نکاح/اولاد: پہلی بیوی بی بی اُمت اللہ ایک ہندو راجہ کی بیٹی تھی۔ ایک روایت کے مطابق اس خاتون کے بطن سے دو لڑکے خواجہ فخر الدین اور خواجہ حسام الدین اور ایک لڑکی بی بی حافظہ جمال پیدا ہوئے جبکہ خواجہ گیسو دراز کی روایت کے مطابق بی بی اُمت اللہ سے صرف ایک لڑکی تولد ہوئی تھی۔ خواجہ فخر الدین کی قبر اجمیر سے 35 میل دور قصبہ سروار میں زیارت گاہ ہے۔ ان کی وفات 652 ہجری میں ہوئی جبکہ خواجہ حسام الدین چھوٹی عمر میں مردانِ غیب کے ساتھ عدم پتہ ہو گئے تھے۔ بی بی حافظہ جمال کی شادی شیخ رضی الدین سے ہوئی۔ بی بی کا مدفن اپنے والد خواجہ معین الدینؒ کا قبہ شریف ہے۔ دوسری بیوی سے خواجہ ابوسعید پیدا ہوئے۔ ان کا مدفن اجمیر ہی میں





تصنیفات: انیس الارواح، گنج الاسرار، دیوان خواجہ معین الدین چشتی، رسالہ وجودیہ، حدیث المعارف۔ آپ فارسی کے قادر الکلام شاعر تھے۔ داتا صاحب کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے آپ نے جو شعر کہا وہ بہت معروف ہوا۔

گنج بخش فیضِ عالم مظہرِ نورِ خدا
ناقصاں را پیرِ کامل، عاقلاں را رہنما

سیدنا امام حسینؓ کی خدمت میں آپ نے جو قطعہ کہا وہ زبان زد عام ہے۔

شاہ ہست حسینؑ، بادشاہ ہست حسینؑ
دین ہست حسینؑ، دیں پناہ ہست حسینؑ
سر داد نداد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الہ ہست حسینؑ

خلیفہ اعظم: حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ

خادم خاص: خواجہ صاحب کے پیر بھائی فخر الدین گردیزی

سابقہ مشائخ کرام: خواجہ صاحب کی ہندوستان آمد سے پہلے درج ذیل بزرگ تشریف لا چکے تھے۔

1- ابوحفص ربیع بن صبیح سعدی بصری، آپ کا شمار تبع تابعین میں ہوتا ہے۔ آپ کی وفات سندھ میں 160 ہجری میں ہوئی۔ آپ کو ایک جزیرے میں دفن کیا گیا۔

2- سید صفی الدین گازرونی، پیدائش 353 ہجری وفات 398 ہجری۔ مدفن اُچ شریف، آپ کا زمانہ آمد 370 ہجری بتایا جاتا ہے۔ اس زمانے میں اُچ قرامطہ کے دائرہ اثر میں تھا۔

3- بوعلی سندھی، آپ بایزید بسطامی کے ہم عصر تھے جن کی وفات 261 ہجری میں ہوئی۔

4- ابومحمد بن ابواحمد چشتی، آپ کی وفات 411 ہجری میں ہوئی۔

5- مسعود سالار غازی، آپ سلطان محمود غازی کے ساتھ تشریف لائے اور شہادت کے مقام پر پہنچے۔

6- شیخ اسماعیل لاہوری، آپ کا سال وفات 448 ہجری ہے۔ آپ کا مدفن لاہور ہی میں ہے۔

7- شیخ فخرالدین زنجانی، آپ کا انتقال اس روز ہوا جس روز داتا گنج بخش لاہور پہنچے۔

8- علی بن عثمان ہجویری المعروف داتا گنج بخشؒ، وفات 19 صفر 465 ہجری بمطابق 6 نومبر 1072ء

وصال و مدفن: بروز جمعہ 6 رجب المرجب 633 ہجری ۔ اجمیر ہی آپ کا مدفن ہے۔

قرابت داری: آپ کی والدہ شیخ عبدالقادر جیلانی کی چچازاد بہن تھیں۔ اس رشتہ کی وجہ سے غوث پاک خواجہ صاحب کے ماموں تھے۔





# پیغام پیر سنجر

## اقبال اور بہادر شاہ ظفر کا نذرانہ عقیدت

ہمیشہ صورتِ بادِ سحر آوارہ پھرتا ہوں
محبت میں ہے منزل سے بھی خوشتر جادہ پیمائی

دلِ بیتاب جا پہنچا دیارِ پیرِ سنجرؒ میں
میسر ہے جہاں درمانِ دردِ ناشکیبائی

ابھی نا آشنائے لب تھا حرفِ آرزو میرا
زباں ہونے کو تھی منت پذیرِ تابِ گویائی

یہ مرقد سے صدا آئی حرم کے رہنے والوں کو
شکایت تجھ سے ہے اے تارکِ آئینِ آبائی

ترا اے قیس! کیوں کر ہو گیا سوزِ دروں ٹھنڈا
کہ لیلیٰ میں تو ہیں اب تک وہی اندازِ لیلائی

نہ تخمِ 'لاالہ' تیری زمینِ شور سے پھوٹا
زمانہ بھر میں رسوا ہے تری فطرت کی زیبائی

تجھے معلوم ہے غافل کہ تیری زندگی کیا ہے
کنشتی ساز معمورِ نواہائے کلیسائی

ہوئی ہے تربیت آغوشِ بیت اللہ میں تیری
دلِ شوریدہ ہے لیکن صنم خانے کا سودائی

## منقبت بہادر شاہ ظفر

(ہند کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر کی منقبت کے دو بند ہدیہ ناظرین ہیں)

تم ہو یا خواجہ معین سروران حق پرست
تم ہو رمز آگاہ کن اور واقفِ سرِ الست
تم مددگار ظفر ہو کیوں ظفر کو ہو شکست
پھر فلک کی دیکھ گردش کانپتے ہیں پاودست
یا معین الدین چشتی دستگیری لازم است

خاک پر سے جو کہ ہل سکتا نہ ہو جوں نقش پا
تم اُٹھاؤ تو وہیں ہو وہ سنبھل کر اُٹھ کھڑا
عیسیٰ جاں بخش تم ہو اور فقیر راہنما
دردمندوں کی دوا ہو ناتواں کے ہو عصا
یا معین الدین چشتی دستگیری لازم است



# حالات زندگی

آپ برصغیر کی اہم ہاسی شخصیت تھیں۔ نہ صرف آپ سلسلہ چشتیہ کی روحانی تحریک کے بانی اور موسس تھے بلکہ اس خطہ میں آپ کی مسلسل جدوجہد سے دین متین کی نصرت بھی ہوئی۔ آپ کے ہاتھوں برصغیر میں ایک ایسا تمدنی اور ثقافتی انقلاب برپا ہوا جس سے برصغیر بالکل نا آشنا تھا۔ آپ سے پہلے کسی مصلح نے اتنی دوررس تبدیلیوں کی تحریک کا آغاز نہ کیا تھا۔ آپ کے مشن کی بنیاد اسلام کے روحانی اور جمہوری عناصر پر قائم ہوئی تھی۔

آپ کی ولادت 537 ہجری بجستان میں ہوئی جس نسبت سے آپ کو بجزی بھی کہا جاتا ہے۔ عام طور پر کتب میں لفظ بجزی کی بجائے سنجری لکھا جاتا ہے جو کہ غلط ہے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سعید غیاث الدین حسن کی زیر نگرانی حاصل کی اور ازاں بعد آپ نیشاپور کے مدرسہ میں داخل ہوئے جو کہ اہم عصر دنیا میں مدرسہ نظامیہ بغداد کے بعد علمی شہرت کا حامل تھا۔

یہ بھی بیان ہوتا ہے کہ آپ کے والد محترم کی وفات کے بعد جب اثاثہ تین بیٹوں میں تقسیم ہوا تو آپ کے حصہ میں ایک باغ اور ایک چکی آئی۔ ایک دن آپ کے پاس اس باغ میں ایک مجذوب قلندر ابراہیم آیا جس کی خواجہ نے بڑی آؤ بھگت کی۔ اس قلندر نے اپنے تھیلے سے تھوڑا سا کھجارہ نکال کر چبایا اور پھر اس کو خواجہ صاحب کے منہ میں رکھ دیا۔ اس واقعہ کے بعد آپ نے باغ بیچ کر اپنا شہر چھوڑا اور حصول علم کیلئے سفر شروع کر دیے۔

سمرقند جا کر مولانا شرف الدین شرع الاسلام کی زیر نگرانی قرآن پاک حفظ کیا۔ بخارا میں مولانا حسام الدین بخاری کی ذات مرجع الخلائق تھی۔ انہی جگہوں پر فلسفہ، منطق، فقہ، حدیث اور تفسیر کی تعلیم حاصل کی۔

حضرت جنید بغدادی کی مسجد میں حضرت شیخ عثمان ہارونیؒ (ہرونی) سے ملاقات ہوئی جن کے دست حق پر آپ نے ایک روایت کے مطابق 10 شوال 560 ہجری کو بیعت کی۔ مرشد کی خدمت میں بیس برس رہے۔ دس سال سفروں میں گزرے اور آپ نے مرشد کے ہمراہ مکہ و مدینہ کی زیارات بھی کیں۔

اپنی بیعت کا حال لکھتے ہوئے خواجہ معین الدین فرماتے ہیں کہ جب میں بیعت کی درخواست کی شیخ نے دوگانہ ادا کرنے کو کہا۔ اس کے بعد سورہ البقرہ پڑھوائی۔ اکیس بار درود پاک پڑھا۔ پھر مرشد کھڑے ہوئے آسمان کی طرف رخ کر کے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا آؤ میں نے تجھے خدا تک پہنچا دیا۔ یہ کہتے ہی آپ نے دست مبارک میں قینچی لی اور میرے سر کے بال کاٹ کر کلاہ چہار ترکی سر پر رکھی۔ گلیم خاص بھی عطا ہوئی۔ پھر بیٹھنے کو کہا۔ فرمانے لگے کہ ہماری خانقاہ میں ایک دن رات سے مجاہدہ ہو رہا ہے جاؤ اس میں شریک ہو جاؤ۔ خواجہ صاحب نے ایک دن ایک رات اس مجاہدہ میں گزارا پھر حاضر ہوا تو شیخ نے ایک ہزار بار سورہ اخلاص پڑھائی۔ پھر حکم ہوا کہ آسمان کی طرف دیکھو کیا نظر آتا ہے۔ خواجہ صاحب نے کہا کہ عرش عظیم تک نظر آ رہا ہے۔ فرمایا کہ زمین کی طرف دیکھو۔ جیسے ہی زمین کی طرف دیکھا تحت الثریٰ تک نظر آیا۔ پھر بارہ ہزار مرتبہ سورہ اخلاص پڑھوائی۔ پھر ارشاد ہوا کہ اب اوپر دیکھو۔ خواجہ صاحب نے کہا کہ حجاب عظمت تک نگاہ جاتی ہے۔ فرمایا آنکھیں بند کر لو اور پھر آنکھیں کھولنے کا حکم ہوا۔ آپ نے دو انگلیاں دکھلا کر پوچھا کیا دیکھتے ہو۔ خواجہ صاحب نے فرمایا کہ اٹھارہ ہزار عالم دیکھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا جاؤ۔ اب تمہارا کام مکمل ہو گیا ہے۔ جاتے ہوئے فرمانے لگے وہ سامنے اینٹ اکھاڑ لو۔ اکھاڑنے پر مٹھی بھر دینار ملے۔ فرمایا درویشوں کو صدقہ کر دو۔ ازاں بعد مصلا' عصا' لکڑی کی پاپوش بھی خواجہ صاحب کو عطا ہوئی۔

خواجہ صاحب کو اپنے پیرو مرشد کی خدمت میں دن رات کا ہوش نہ رہتا تھا۔ عجیب عقیدت تھی اور خواجہ عثمان ہرونی بھی آپ کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ خواجہ غریب نواز نے مختلف مشائخ کبار سے فیض حاصل کیا جن میں حضرت غوث الاعظم' شیخ نجم الدین کبریٰ' شیخ شہاب الدین سہروردی' شیخ اوحد الدین کرمانی' شیخ برہان الدین چشتی' شیخ بہاؤ الدین بخاری' شیخ سیف الدین ماجوذی' شیخ احمد بن محمد اصفہانی' شیخ جلال الدین تبریزی اور شیخ برہان الدین غزنوی شامل ہیں۔

زیارت کعبہ کے دوران شیخ عثمان ہرونی نے خواجہ صاحب کا ہاتھ پکڑ کر اللہ کے سپرد کیا اور



بہت سی دعائیں دیں۔ اسی طرح روضہ رسولؐ پر آپ کے لیے بہت دعائیں کیں۔ آپ نے فرمایا معین الدین محبوب خدا ہے اور مجھے اس بات پر فخر ہے کہ یہ میرا مرید ہے۔ خواجہ معین الدین دو بار مدینہ طیبہ حاضری کیلئے گئے۔ دوسری بار آپ کو حکم ہوا کہ اجمیر جا کر اسلام کی روشنی پھیلاؤ۔ اس حاضری کے بعد آپ نے ہندوستان کا سفر براستہ بغداد شروع کیا۔

بغداد کا ایک واقعہ ہے کہ ایک روز خواجہ معین الدین اپنے دو ہم عصر حضرت شہاب الدین سہروردی المتوفی 634 ہجری مطابق 1234 عیسوی و حضرت شیخ اوحد الدین کرمانی المتوفی 635 ہجری مطابق 1237 عیسوی کے ساتھ بیٹھے تھے کہ ایک نوجوان تیر کمان لیے گزرا۔ جونہی اس کی نظر ان بزرگوں پر پڑی تو وہ تعظیماً گھوڑے سے نیچے اتر آیا اور کچھ فاصلہ طے کر کے گھوڑے پر بیٹھا۔ اس کی اس حرکت پر خواجہ صاحب نے فرمایا کہ یہ لڑکا ایک دن دلی کا بادشاہ بنے گا۔ یہی لڑکا بعد ازاں سلطان التمش کے نام سے حاکم دہلی بنا اور اس نے سلسلہ چشتیہ سے اپنی نیازمندی جاری رکھی۔

ہندوستان آتے ہوئے آپ سبزوار میں بھی ٹھہرے اور اس کے بعد بلخ میں قیام کیا۔ بلخ میں آپ شیخ احمد خضرویہ کے مہمان تھے جہاں مولانا ضیاء الدین سے ان سے ملاقات رہی۔ موخر الذکر فلسفی تھے اور تصوف کے مخالف تھے لیکن خواجہ سے تبادلہ خیالات کے بعد ان کے نقطہ نظر میں تبدیلی آ گئی۔

خواجہ معین الدین چشتی بڑے اعلیٰ پائے کے شاعر تھے۔ اہل بیت رسولؐ کے مداح تھے۔ امام حسینؓ کی شان میں آپ کا قصیدہ شاہ ہست حسین زبان زد عام ہے۔ اسی طرح حضرت داتا گنج بخش کو نذرانہ عقیدت پیش کیا تو اس شعر کو بھی بڑی پذیرائی حاصل ہوئی۔

گنج بخش فیض عالم' مظہر نور خدا
ناقص را پیر کامل' کاملاں را رہنما

آپ سے مندرجہ ذیل رباعیات بھی منسوب ہیں:

عاشق ہمہ دم فکر رخ دوست
معشوق کرشمہ کہ نیکو امت کند
ما جرم و خطا کنیم او لطف و عطا
ہر کس چیزے کہ لائق اوست کند

آپ کی غزلیات کو تعداد ڈیڑھ سو سے زیادہ بتائی جاتی ہے۔

ہیل رانعرہ واز آنست کہ زہجر جد است
و انکہ باہجر در آمیختہ خاموش آمد
ملجا دوش بہم گفت وشنید از لب یار
کہ نہ ہرگز بہ زبان رفت نہ در گوش آمد

خواجہ غریب نواز کی پر مناجات میں سے ایک قارئین کرام کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں:

یارب بحقِ سید کونین مصطفیٰ — کو شافعِ معاصی و کونین عطا
یارب بحقِ شاہِ نجفؑ آنکہ آمدہ — درشان او تبارک و لیس وحل اتی
یارب بسوز سینہ و افغانِ فاطمہؓ — یارب بآہ و نالہ و آں سرور النساء
یارب بحرمتِ دلِ صد پارۂ حسنؑ — آں پادشاہ جملہ آفاق مجتبیٰ
یارب بحرمتِ جگر تشنہ لبِ حسینؑ — یارب بحقِ خون شہیدان کربلا
یارب بحقِ عابدؑ و باقرؑ امامِ دیں — یارب بحقِ جعفرؑ و ہم موسیٰؑ و رضاؑ
یارب بحرمتِ تقیؑ و عزتِ نقیؑ — یارب بحقِ عسکریؑ آں شاہ پیشوا
یارب بحقِ مہدیؑ و ہادیؑ کہ ذات او — مانند مصطفیٰ است چو مولائے اتقیاء

دارد معین امید درآندم زلطف خود
بخش ورا بہ شاہ شہیدان کربلا

دارجلنگ کا ایک تاریخی واقعہ

1- دارجلنگ میں سونے چاندی اور جواہرات کے تاجر کے لیے عبدالرحمٰن کا گھرانہ بہت مشہور ومعروف گھرانہ تھا۔ شہر کے صدر بازار میں سب سے بڑی دکان اسی فرم کی تھی۔ بیرونی ممالک سے درآمد و برآمد کی کلیدی تجارت بھی ان ہی لوگوں کے ہاتھ میں تھی۔

محمد امین، عبدالرحمٰن جوہری کا ایک اکلوتا بیٹا تھا، دولت و ریاست کی چھاؤں میں اس نے آنکھ



کھولی تھی۔ اس لیے انتہائی ناز و نعمت کے ساتھ اس کی پرورش ہوئی۔ حد سے زیادہ لاڈ پیار نے اس کی زندگی کو بالکل غلط رُخ پر ڈال دیا۔ ہاتھ میں پیسوں کی کمی نہیں تھی۔ جلد ہی اس کے دوستوں کا ایک وسیع حلقہ تیار ہو گیا۔ بُری صحبتوں کا اثر نہایت تیزی کے ساتھ اس کی زندگی پر پڑنا شروع ہو گیا۔

یہاں تک کہ شہر کے اوباشوں، آواروں اور بدقماش لوگوں کی بھیڑ ہر وقت اس کے گرد جمع رہنے لگی۔ بہت ساری بُری عادتوں کے علاوہ جوئے کی تباہ کن عادت اسکے گلے کا پھندا بن گئی۔

گھر کی دولت اسی نشانے پر بھینٹ چڑھتی رہی۔ افلاس کے سائے اس کی زندگی سے قریب ہوتے رہے یہاں تک کہ اس مہلک آزار نے اسے تباہی کے دہانے پر پہنچا دیا۔ بزرگوں کی فہمائش پر سینکڑوں بار اس نے توبہ کی لیکن غارت گر ساتھیوں کی بزم میں پہنچ کر ہر بار اس کی توبہ ٹوٹ گئی۔

بیٹے کی غلط روی اور ہلاکت خیز روش سے باپ کے تمام ارمانوں کا خون ہو گیا، کاروبار کی ساری امنگیں سرد پڑ گئیں۔ گھر کا مستقبل تاریک سے تاریک تر نظر آنے لگا۔ باپ کا بجھا ہوا دل اس صدمۂ جانکاہ کی تاب نہ لا سکا۔ جگر کا خون سوکھنے لگا۔ رگوں کی آگ سرد ہونے لگی اور دیکھتے ہی دیکھتے آنکھوں کی نیند، چہرے کی شادابی اور جسم کی توانائی زائل ہو گئی۔ اب باپ فرم کی عالی شان مسند پر نہیں بستر علالت پر فریش تھا، علاج پر لاکھوں روپے پانی کی طرح بہا دیے گئے۔ لیکن کھوئی ہوئی صحت واپس نہیں آ سکی۔ جسم کا روگ ہو تو علاج بھی ہو سکتا تھا لیکن دل بیمار کا کیا علاج ہے؟ سارے معالجوں نے جواب دے دیا۔

2- رات ڈھل چکی تھی، سارے شہر پر ایک وحشت ناک خموشی کا سناٹا طاری تھا۔ باپ کی حالت آج نہایت غیر تھی۔ منٹ منٹ پر غشی طاری ہو رہی تھی۔ سارے گھر کے لوگ سر بالیں جمع ہو گئے تھے۔ امین بھی سر جھکائے ایک کنارے بیٹھا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد باپ کو ذرا سا افاقہ ہوا تو آنکھ کھول کر اس نے اشارے سے امین کو اپنے قریب بلایا اور آبدیدہ ہو کر بمشکل تمام یہ چند الفاظ اس کے منہ سے نکلے۔

"بیٹا! اب میری زندگی کا چراغ بجھ رہا ہے۔ چند ہی لمحے کے بعد میں ہمیشہ کے لیے تم سے جدا ہو جاؤں گا۔ ہزار ارمانوں کے ساتھ خواجۂ ہند غریب نواز کے دربار سے میں نے تمہاری بھیک مانگی تھی۔ یہ حسرت قبر میں بھی تڑپاتی رہے گی کہ ایک بار بھی تمہیں اجمیر کی سرکار میں حاضر نہ کر سکا۔ زندگی مہلت دے

تو خواجۂ ہند کی چوکھٹ پر سلام ضرور کر آنا بیٹا! میری شرمِ عقیدت کا فرض ادا ہو جائے گا۔

تمہاری خانہ خراب زندگی کا غم لے کر اب میں ہمیشہ کے لیے تم سے

رخصت ہو رہا ہوں۔"

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہتے ہی ایک ہچکی آئی اور گیتی کا ایک غم نصیب مسافر ابدی نیند سو گیا۔ سارے گھر میں صفِ ماتم بچھ گئی۔ رات بھر کہرام بپا رہا۔ بیوہ ماں کی درد انگیز آہ و زاری سے سننے والوں کے کلیجے پھٹ گئے۔

امین کی حالت بھی قابلِ رحم تھی۔ روتے روتے ہچکیاں بندھ گئیں۔ آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا۔

اب اسے محسوس ہو رہا تھا کہ باپ کو کھو کر اس نے اپنی زندگی کا مستقبل کتنا بھیانک بنالیا ہے۔ صبح ہوتے ہوتے شہر کے معززین اور تمام احباب و اقارب جمع ہو گئے۔ عبدالرحمٰن جوہری کی وفات پر سارا شہر سوگوار تھا۔ تجہیز و تکفین کے بعد جنازہ جس وقت گھر سے نکالا گیا ایک قیامت برپا تھی۔ شدتِ کرب سے گھر کا ہر شخص بے حال تھا۔ بیوہ ماں تو منٹ منٹ پر بے ہوش ہو رہی تھی۔ امین پاگلوں کی طرح جنازے کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔

شہر کے سب سے وسیع میدان میں نمازِ جنازہ پڑھی گئی۔ سارا مجمع قبرستان تک ساتھ رہا بعد میں جنازہ اتارتے ہی امین چیخ پڑا۔

"مجھے بھی باپ کے ساتھ قبر میں لٹادو۔ میں اپنی زندگی سے بیزار ہو چکا ہوں' جس کے غم میں گھل کر باپ نے جان دے دی ہے۔"

لوگوں نے بڑی مشکل سے ہاتھ پکڑ کر اسے الگ کیا اور ایک کنارے لے جا کر بٹھا دیا۔ تدفین کے بعد قبرستان سے سب لوگ واپس لوٹ گئے۔ امین کو بھی گھر تک پکڑ کر لایا گیا۔ اعزہ و اقارب نے گھر والوں کو تسلی دی۔ صبر کی تلقین کی۔ تیسرے دن جب کہ فاتحۂ سوم کے لیے لوگ جمع ہوئے تو خاندان کے بڑے بوڑھوں نے امین کو بٹھا کر سمجھایا۔

"بیٹا! جو کچھ ہونا تھا' ہو گیا۔ خدا کی مشیت میں کسی کا چارہ نہیں اب اس کشتی کے تم ہی ناخدا



ہو۔ اپنے باپ کی روح کو خوش کرنا چاہتے ہو تو اپنے آپ کو بالکل بدل دو' غلط صحبتوں سے توبہ کر لو اور اب شریف بیٹے کی طرح اپنے باپ کے کاروبار کو سنبھالو۔ اب اپنی بیوہ ماں کے لیے اس دکھ بھری دنیا میں تسکین کا سہارا تم ہی ہو۔"

امین سر جھکائے ہوئے اپنے بزرگوں کی باتیں سن رہا تھا اور آنکھوں سے آنسوؤں کی بارش ہو رہی تھی۔

3- آج پہلی مرتبہ امین جوہری اپنے باپ کے تنہا وارث اور کاروبار کے مالک کی حیثیت سے مسند پر بیٹھا تھا۔ اپنے سارے دوستوں اور ساتھیوں سے رشتہ توڑ کر اب اس نے پوری توجہ کاروبار پر لگا دی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے چند ہی دنوں میں امین جوہری کی نیک نامی شہرت سارے علاقے میں پھیل گئی۔ بیٹے کی سعادتمندی سے ماں کا اترا ہوا چہرہ بھی کھل اٹھا۔ اپنی ذہانت' نیک روی و شرافت و سنجیدگی کی وجہ سے امین سارے قبیلے کی آنکھ کا تارا بن گیا۔ کاروبار کا دائرہ پہلے سے بھی زیادہ وسیع ہو گیا تھا اور خاندان کا وقار اپنے آخری نقطۂ عروج پر پہنچ گیا تھا۔

خوشحالی کے یہی دن تھے' بہار کا یہی موسم تھا' یہی مسکراتی ہوئی شام و سحر تھی اور یہی خورشید اقبال کے عین دوپہر تھی کہ اچانک گردشِ ایام نے کروٹ بدلی سورج گہنانے لگا۔ بادِ خزاں دبے پاؤں صحنِ چمن کی طرف بڑھنے لگی۔ شام و سحر کے روشن چہرے ماند پڑ گئے۔ پھر خاندان کا وقار مجروح ہو گیا۔ پھر گھر کی پھیلی ہوئی رونقیں سمٹنے لگیں۔ قیامت آ گئی کہ پھر امین جوہری اپنے پرانے ساتھیوں کی محفل میں پہنچ گیا۔

پھر جوئے کی ریس شروع ہو گئی۔ پھر گھر کا سرمایہ داؤں پر لگنے لگا اور بینک کا سارا اندوختہ جوئے کی بھینٹ چڑھ گیا۔ ہوس کی آگ بجھانے کے لیے قرض کی طرف ہاتھ بڑھائے۔ ساہوکاروں نے دل کھول کر سودی قرضے اور کچھ دنوں کے بعد سننے میں آیا کہ دوکان اور ساری جائدادیں نیلام پر چڑھ گئیں۔ فرم کا نام ڈوب گیا۔ چند ہی دنوں میں یہ ہرا بھرا چمن تاراج ہو کے رہ گیا۔

اب لوگوں کی زبان پر "امین جوہری" مر چکا تھا اور اس کی جگہ "امین جواڑی" نے لے لی تھی۔ لوگ امین جواڑی کے سائے سے بھاگنے لگے۔ جس راستے سے گزرتا انگلیاں اٹھتیں۔ سارا سرمایہ اور ساری جائداد لٹا دینے کے بعد ظالم نے گھر کا سامان بھی بیچ ڈالا۔ اب نہ سماج میں کوئی

عزت تھی کہ کہیں سے سہارا ملتا اور نہ گھر میں گزر بسر کا کوئی ذریعہ رہ گیا تھا۔ نوبت فاقے تک پہنچ گئی۔ گھر کی جمی ہوئی محفل اجڑ گئی۔ سارے رشتہ دار ایک ایک کر کے رخصت ہو گئے۔ اب گھر میں سوائے بوڑھی ماں کے اور کوئی نہیں رہ گیا تھا۔

امین جوڑی دن بھر شہر کی خاک چھانتا۔ اس لالچ میں کافی کافی دیر تک اپنے پرانے ساتھیوں کی محفل میں بیٹھا رہتا کہ داؤں جیتنے والوں سے دو چار پیسے مل جائیں اور پیٹ کی آگ بجھے۔ بوڑھی ماں محنت مزدوری کر کے ایک شام کا کھانا پکاتی۔ دن کا وقت فاقے میں گزرتا۔ قسمت کی برگشتگی اور وقت کی آشفتہ حالی پر روتے روتے ماں کی آنکھیں خشک ہو گئی تھیں۔ امین اب وہ دردمند امین نہ تھا جو باپ کی جدائی کی تاب نہ لا سکا تھا۔ اب سیہ کار زندگی اور غلیظ ماحول نے اس کے دل کی ساری لطافتوں کو سلب کر لیا تھا۔ اب دل کی جگہ اس کے سینے میں پتھر کا ایک ٹکڑا تھا جس کے اندر زندگی کا کوئی گداز نہیں تھا۔

ماں جب غم سے پھوٹ پھوٹ کر روتی تو تسکین دینے کے بجائے ظالم جھڑک دیا کرتا تھا۔ ماں کی مامتا بھی عجیب دیوانی ہے کہ اتنا سب کچھ ہو جانے کے بعد بھی امین ہی اس کے کلیجے کی ٹھنڈک تھا جب تک دوا سے کھلا نہیں لیتی' رات کو سونا حرام تھا۔

4- رجب کا مہینہ آ رہا تھا خواجہ ہند کے عرس کے موسم آتے ہی ملک کے کونے کونے میں ہنگامہ عقیدت کا ایک شور برپا ہو گیا۔ شوق محبت اور جوش جنوں کے ہزاروں کارواں اجمیر کی طرف چلنے کے لیے تیار کھڑے تھے۔ امسال دارجلنگ سے بھی خواجہ وار دیوانوں کا ایک بہت بڑا قافلہ روانہ ہو رہا تھا۔ ہر محلے میں اجمیر کی دھوم مچی ہوئی تھی۔ خواجہ کے پرشوق تذکرے سے مسلمانوں کی آبادیاں گونج اٹھی تھیں۔

امین کی بوڑھی ماں کو جب یہ خبر ہوئی تو تڑپ گئی۔ یکایک شوق کی دبی ہوئی چنگاری بھڑک اٹھی۔ بہت دنوں کا سویا ہوا درد جاگ اٹھا۔ غریبی' تنگدستی اور زندگی کی بربادیوں نے خواجہ کی یاد کو اور بھی رقت انگیز بنا دیا تھا۔ ایک ٹھنڈی آہ بھر کے اس نے دل ہی دل میں خواجہ کو آواز دی۔

''غریب نواز ہم غریبوں کو بھی اپنی چوکھٹ پر بلوا لیجیے۔ وقت نے ہمیں محتاج بنا دیا۔ پاس ایک پھوٹی کوڑی بھی نہیں ہے۔ خوشحالی کے زمانے میں آپ کو بھول جانے کی ہمیں کافی سزا مل گئی۔ حضور ہماری خطا معاف کر دی جائے۔ میرے سرکار! ایک بار اپنے در کا گنبد کا نظارہ کرا



دیجیے۔ مرنے والوں کی روح بھی آسودہ ہو جائے گی۔''

یہ کہتے کہتے پھوٹ پھوٹ رونے لگی۔ آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی بندھ گئی۔ اسی عالم میں امین بھی کہیں سے آ گیا۔ آج اس کی کیفیت بھی بدلی ہوئی تھی۔ ماں کو روتا ہوا دیکھ کر وہیں بیٹھ گیا۔

''ماں! یہاں رو کر اپنے قیمتی آنسو ضائع مت کرو چلو اجمیر چلیں۔ وہیں خواجہ ہند کی چوکھٹ پر جی کھول کر روئیں گے۔ ہماری بربادیوں کا ماتم یہاں کون دیکھتا ہے ماں! لوگ کہتے ہیں کہ خواجہ کے دربار میں قسمتوں کے ٹوٹے ہوئے آبگینے ایک لمحے میں جڑ جاتے ہیں۔ چلو وہیں چلیں۔ مرحوم باپ کی وصیت بھی پوری ہو جائے گی اور اگر کہیں خواجہ کو ہمارے حال زار پر ترس آ گیا تو کچھ عجب نہیں کہ ہمارے گئے ہوئے دن واپس لوٹ آئیں۔ تیار ہو جاؤ ماں! قافلہ جا رہا ہے۔''

آج بیٹے کا بدلا ہوا رنگ دیکھ کر ماں کا دل بھر آیا۔ آنکھوں میں امید کے آنسو چھلکنے لگے۔ شوق امنگوں کے عالم میں اٹھی اور گھر کے ٹوٹے پھوٹے برتن بیچ کر زاد سفر کے لیے بڑی مشکل سے دس روپے کا انتظام کیا۔

ماں بیٹے بے خودی کی حالت میں گھر سے نکل پڑے اور قافلے میں شامل ہو گئے۔ خواجہ کا نام لے کر بلا ٹکٹ گاڑی پر سوار ہو گئے۔ غریب نواز کا کچھ ایسا کرم ہوا کہ راستے میں کہیں پوچھ کر اور روک ٹوک نہیں ہوئی۔ جیسے جیسے اجمیر قریب آتا جا رہا تھا' امیدوں امنگوں اور شوق کی تپش بڑھتی جا رہی تھی۔

اب اجمیر ایک اسٹیشن رہ گیا تھا۔ تمام مسافر اپنا اپنا سامان درست کرنے لگے۔

امین اور اس کی بوڑھی ماں کے پاس سامان ہی کیا تھا جسے وہ درست کرتے۔ البتہ آنکھوں میں آنسوؤں کا طوفان امنڈ رہا تھا۔ دارجلنگ کے دو آشفتہ حال مسافروں کا یہی سب سے قیمتی سامان تھا جسے وہ خواجہ کے حضور میں پیش کرنے کے لیے اپنے جگر کی جلتی ہوئی رگوں سے جمع کر رہے تھے۔

5- جلوۂ جاناں کی طرح پلک جھپکتے اجمیر کا اسٹیشن سامنے آ گیا۔ خدام آستانہ زائرین کے خیر مقدم کے لیے ہر طرف کھڑے تھے۔ خواجہ کے معزز مہمانوں کا گروہ اپنے اپنے وکیل کے ہمراہ اسٹیشن سے باہر نکل رہا تھا۔

گیٹ سے گزرتے ہوئے ایک خادم نے امین سے دریافت کیا۔

”تمہارے وکیل کا کیا نام ہے؟“

بوڑھی ماں نے آگے بڑھ کر جواب دیا:

”غریب نواز“

نووارد کو دیوانہ سمجھ کر خادم نے دوسری طرف منہ کر لیا۔

یہاں بھی بے روک ٹوک ماں بیٹے اسٹیشن سے باہر نکل آئے اور درگاہ مقدس کی طرف پیدل چلنے والے قافلوں کے پیچھے چل پڑے۔

بلند دروازہ جیسے ہی نظر آیا عظمت خداداد کی دھمک سے پلکیں جھک گئیں۔ دل کی دھڑکنیں جوش عقیدت میں تیز ہو گئیں۔ دوزانو بیٹھ کر بوڑھی ماں نے پلکوں سے چوکھٹ کا بوسہ لیا اور ایک رقت انگیز بے خودی کے عالم میں امین کو آواز دی:

”بیٹا! یہی وہ چوکھٹ ہے جہاں کھڑے ہو کر تیرے مرحوم باپ نے تجھے بھیک کے طور پر حاصل کیا تھا۔ اس چوکھٹ کے ساتھ تیری زندگی کا رشتہ اٹوٹ ہے بیٹا!“

ماں کی بات ابھی ختم بھی نہ ہو پائی تھی کہ امین نے گھٹنا ٹیک دیا اور عالم بے خودی میں چوکھٹ کا بوسہ لینے کے لیے اس کی پیشانی خم ہو گئی۔

اس کے بعد مختلف دروازوں سے گزرتے ہوئے ماں بیٹے احاطۂ نور میں داخل ہوئے اب خواجۂ کونین کا وہ حسین روضہ نظر کے سامنے تھے۔ جس کی زیبائی پر سارا ہندوستان فریفتہ ہر طرف جھما جھم نور کی بارش ہو رہی تھی اور ہر شخص شراب عرفان کے کیف میں سرشار نظر آ رہا تھا۔

شاہانہ کروفر اور شوکت جمال کا نظارہ دیکھ کر دونوں حیرانی کے عالم میں گم تھے۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا وہ کس عالم میں پہنچ گئے ہیں۔ چوکھٹ کے سامنے کھڑے ہوتے ہی ماں کی حالت غیر ہو گئی۔ آنکھوں کا چشمۂ سیال پھوٹ پڑا۔ آلام کی دبی ہوئی چنگاری بھڑک اٹھی۔ کچھ اس طرح ٹوٹ کر اس نے فریاد کی کہ اس کی آہ و زاری سے لوگوں کے دل ہل گئے۔ شہنشاہ ہند کے حضور میں بلکتے ہوئے اس نے کہا:

”یتیموں، بیواؤں اور بے سہاروں کے والی! گردش ایام کے ستائے ہوئے فریادی ایک



نگاہ کرم کی امید میں چوکھٹ پر کھڑے ہیں۔

مسرتوں اور خوش بختیوں کے راجہ! سنا ہے کہ ٹھکرائے ہوئے غم نصیبوں کو یہاں پناہ ملتی ہے۔ کروڑوں خانہ خراب آپ کے دربار سے شاد و آباد واپس لوٹے ہیں۔ ہمیں بھی اپنی نظر نہ آنے والی چارہ گری کا ایک جلوہ دکھا دیجئے۔

ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑنے والے خواجہ! ہمارے بھی نصیب کا ٹوٹا ہوا شیشہ جوڑ دو سرکار! ایک بیوہ کی فریاد سن لو! ایک یتیم کی کشتی کو منجدھار سے نکال دو۔ تمہارا بخشا ہوا پھول مرجھا گیا ہے اسے ہرا بھرا کر دو خواجہ!“

خدام آستانہ سے ماں بیٹوں کا بلک بلک کر رونا دیکھا نہ گیا۔ انہیں اندر لے گئے اور مزار کی پائنتی کھڑا کر کے سروں پر چادر ڈال دی۔ دامن رحمت کی ٹھنڈی چھاؤں میں آ جانے کے بعد جگر کی آگ بجھ گئی۔ آنسوؤں کا سیلاب تھم گیا اور انجانے طور پر دل کو سکون مل گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد باہر نکلے تو روحانی فراغت اور دل کا سرور چہرے سے آشکار تھا۔ بھوک نے ستایا تو لنگر خانے کی قطار میں کھڑے ہو گئے۔ بھیک لی آسودہ ہوئے اور پھر چوکھٹ پر آ کر جم گئے۔ جب تک اجمیر میں رہے ماں بیٹے کا یہی معمول رہا۔

6- آج رجب کی نو تاریخ تھی۔ میلہ ٹوٹ رہا تھا قافلے واپس لوٹ رہے تھے۔ عشاق کیلئے رخصت کی گھڑی قیامت سے کم نہیں تھی۔ فریادیوں کی چیخ اور آہ و زاری سے ہر طرف ایک شور محشر بپا تھا۔ ماں بیٹے بھی ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں کیساتھ دربار خواجہ سے رخصت ہوئے۔

بلند دروازے سے باہر نکل کر بیٹے نے ماں سے کہا: ”خالی ہاتھ آئے تھے خالی ہاتھ واپس ہو رہے ہیں۔ سنا تھا کہ یہاں ایک لمحے میں تقدیر کی کایا پلٹ دی جاتی ہے۔“

ماں نے جواب دیا۔ بیٹا جو کچھ تم نے سنا تھا غلط نہیں ہے۔ یہاں قسمت کی گرہ کھل جاتی ہے پر ہاتھ نظر نہیں آتا۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ دامن بھر جاتا ہے لیکن دامن والے کو بھی خبر نہیں ہوتی۔

بیٹا! عارفوں اور اہل نظر کی یہ دنیا دیوانی نہیں ہے جو ہر سال بھکاریوں کی قطار میں یہاں آ کر کھڑی رہتی ہے۔

ماں، بیٹے کو سمجھا رہی تھی اور بیٹا اسی خیال میں سرگرداں تھا کہ پیچھے سے آواز آئی: ”امین جوازی!“ پلٹ کر دیکھا تو ایک فقیر سڑک کے کنارے بیٹھا ہوا بھیک مانگ رہا تھا۔ امین نے ایک

سائل سمجھ کر کوئی توجہ نہ دی اور آگے بڑھ گیا۔ فقیر نے پھر آواز دی۔ اس مرتبہ آواز کے لہجے سے بے نیازی کا شکوہ ٹپک رہا تھا۔

ماں چلتے چلتے رک گئی۔ امین بھی ٹھہر گیا۔ دونوں واپس لوٹے اور فقیر کے پاس آ کر بیٹھ گئے۔ فقیر نے تیور بدل کر کہا: "لا میرے پاس جو کچھ ہے خواجہ کے نام پر رکھ دے!"

امین کو کچھ پس و پیش ہوا لیکن ماں نے بغیر کسی تامل کے پانچ روپے نکال کر رکھ دیے۔ یہی اس غریب و مسکین قافلے کی کل کائنات تھی۔

فقیر نے اپنی جھولی سے کوئی چیز نکال کر ماں کے آنچل میں ڈالتے ہوئے کہا:

"اسے چھپا کر رکھ لے! خواجہ کی برکت سے تیری خوشحالی کے دن پلٹ آئیں گے۔ جا سیدھی گھر چلی جا۔"

پر امید امنگوں کے عالم میں فقیر کے پاس سے ماں بیٹے اٹھے اور تیزی کے ساتھ قدم بڑھاتے ہوئے اسٹیشن کی طرف روانہ ہو گئے۔ اسٹیشن پہنچ کر امین نے نہایت بے چینی کے ساتھ دریافت کیا۔ ذرا دیکھیں ماں! فقیر نے کیا دیا ہے؟ دیکھا تو آنچل میں ایک گول اور چکنا پتھر پڑا ہوا تھا۔ امین کی ساری امیدوں پر اوس پڑ گئی۔ جھنجھلا کر ماں سے کہا: "وہ پانچ روپے بھی پانی میں گئے۔ اب راستہ کٹنا بھی مشکل ہے۔ افسوس بڑی امید لے کر آئے تھے اور نہایت شکستہ خاطر ہو کر یہاں سے لوٹ رہے ہیں۔ وارجلنگ میں تو ایک ہی وقت کا فاقہ تھا اب تو راستے بھر فاقہ کرنا ہوگا۔ کیا خبر تھی کہ فقیری کا لبادہ اوڑھ کر یہاں رہزن بھی راستوں میں بیٹھے رہتے ہیں۔"

جھنجھلاہٹ میں ماں کے ہاتھ سے وہ پتھر لے کر پھینکنا ہی چاہتا تھا کہ میں نے اس کے ہاتھ سے چھین لیا۔ "اسے ساتھ رکھنے سے تیرا کیا بگڑتا ہے۔ سونے کی ڈلی نہ سہی خواجہ کے شہر کی یادگار تو ہے۔ گھر پڑی رہے گی۔"

خدا خدا کر کے کسی طرح یہ قافلہ وارجلنگ پہنچ گیا۔ اس بار بھی راستے میں کہیں روک ٹوک نہیں ہوئی۔ کئی دن کے فاقے سے ماں بیٹے نڈھال ہو گئے۔ گھر پہنچتے ہی محلہ پڑوس کے لوگوں نے کھانے کا انتظام کیا۔

دوسرے دن امین اپنی عادت کے مطابق صبح سویرے ہی اپنے ساتھیوں کی طرف نکل گیا۔



ساری محفلیں ویران ہو گئی تھیں۔ جوئے کے تمام مرکزوں پر خاک اڑ رہی تھی۔ امین کو اس نئی صورتحال سے سخت اچنبھا ہوا۔ دریافت کرنے پر یہ راز کھلا کہ "محکمہ انسداد جرائم" کے ایک ہوشیار دستے نے سارے اڈوں پر چھاپہ مار کر سب کو رنگے ہاتھوں گرفتار کر لیا ہے۔

اپنے حق میں بھی خطرہ محسوس کرتے ہوئے امین فوراً گھر واپس لوٹ آیا۔ آج خلاف معمول دن کے وقت بیٹے کو دیکھ کر ماں کو بے خوشی ہوئی۔ اس کے دل نے اعتراف کر لیا کہ یہ خواجہ کی پہلی برکت ہے۔ دن کے وقت اپنے ساتھیوں میں پہنچ کر کچھ کھا پی لیا کرتا تھا لیکن اب وہ سہارا بھی اجڑ گیا تھا۔ آج سارا دن فاقے سے گزر گیا۔ جھنجھلاہٹ میں بات بات پر ماں سے لڑ پڑتا تھا۔ وہ پانچ روپے اس کے ذہن سے نہیں اتر رہے تھے۔

غصے میں بھرا بیٹھا ہی تھا کہ اس کی نظر اس چکنے پتھر پر پڑی جو فقیر کے پاس سے ماں لے کر آئی تھی۔ عالم غیظ سے اٹھا اور اس پتھر کو پوری طاقت سے اپنے گھر کی دیوار پر دے مارا۔ پتھر ٹوٹ گیا لیکن زندگی کا ٹوٹا ہوا آبگینہ جڑ گیا۔ دیکھا تو بیش قیمت جواہرات کے ہزاروں ٹکڑے صحن میں بکھرے ہوئے تھے۔

امین خوشی سے پاگل ہو رہا تھا۔ ماں سجدۂ شکر میں گری ہوئی تھی۔ خواجہ کی ایک نگاہ کرم سے پھر خوشحالی کے دن پلٹ آئے۔ "امین جواری" پھر امین جوہری ہو گیا۔

اب امین جوہری کسی مقامی فرم ہی کا نہیں بلکہ جواہرات کی بین الاقوامی ایجنسیوں کا مالک تھا۔

(کتاب مذکورہ کے اقتباسات ختم ہوئے)

## زندگی کی روش

خواجہ معین الدین ابھی ایک برس کے تھے کہ ان کے والد خواجہ غیاث الدین حسن حالات سے تنگ آ کر ترک وطن پر مجبور ہوئے۔ آپ خراسان آ گئے مگر خراسان کی سیاسی حالت بھی خراب ہو گئی تھی۔ مسلم امہ کئی فرقوں میں بٹ گئی تھی۔ باہمی جھگڑوں کی وجہ سے شہر برباد ہو گئے تھے۔ تاتاری وحشی درندے ہر طرف تباہی مچا رہے تھے۔ ہسپتال اور مساجد بھی غیر محفوظ ہو گئی تھیں۔ نیشاپور جیسا علمی مرکز تباہ و برباد ہو گیا تھا۔ سیستان کا حاکم زندہ گرفتار ہوا اور بادشاہ فرار ہو گیا۔ اس افراتفری میں خواجہ غیاث الدین نے ہجرت اختیار کی تھی۔

ملوکیت کا مزاج ہی ایسا رہا۔ آپ دیکھیں سلطان محمود غزنوی نے متعدد حملے کیے۔ مال و

دولت اکٹھی کی اور واپس غزنی گیا۔ شہاب الدین غوری سے ابراہیم لودھی اور پھر بابر سے اورنگ زیب عالمگیر تک اور کچھ عرصہ کے لیے شیر شاہ سوری جیسا جاکش بھی بادشاہ بنا۔ ریاستی وسائل کی کمی نہ تھی۔ دولت بے پناہ تھی۔ فوج اور نوکر شاہی بااختیار تھی۔ جاگیریں تقسیم ہو رہی تھیں۔ اس دوران ملوکیت کے خاندانی وراثتی انقلابات تاریخ کے اوراق پر درج ہوتے رہے لیکن اسلام کی خدمت کے لیے تھوڑا بہت التمش اور ناصر الدین محمود کے سوا کسی نے کچھ نہ کیا۔ اکبر نے تو دین الٰہی کی بنیاد رکھی جس پر کسی شاعر نے کہا کہ اس سال بادشاہ سلامت نے پیغمبری کا دعویٰ کیا اور اب اگلے سال خدائی کا دعویٰ کر دیں گے۔

اس کے برعکس درویش فقیر جن کے پاس نہ تو ریاست جیسے وسائل تھے اور نہ ہی درباری سرپرستی حاصل تھی ہندوستان میں وارد ہوتے ہیں اور ایک روحانی انقلاب برپا کر دیتے ہیں۔

جانثاروں نے تیرے کر دیے جنگل آباد
خاک اڑتی تھی شہیدانِ وفا سے پہلے

ان لوگوں نے بے غرض اسلام کی خدمت کی اور اپنے خاندان کیلئے کچھ بھی نہ رکھا۔ بادشاہوں کو جب ضرورت پڑتی انہی کے پاس حاضر ہوتے۔ اکبر کو ہندوستان کیلئے وارث چاہیے تھا۔ پاپیادہ سلیم چشتی کے حاضر ہوا پھر خواجہ معین الدین کے دربار پر حاضر ہوا۔ محمود غزنوی نے شیخ ابوالحسن خرقانی کا خرقہ ہاتھ میں لے کر دعا کی تو کامیابی سے ہم کنار ہوا۔ غوری نے خواجہ معین الدین چشتی کی دعاؤں کا سہارا لیکر پرتھوی راج کو شکست دی۔ یہ اور اس سے بہت کچھ زیادہ اپنی جگہ درست لیکن سید معین الدین چشتی کو جب مدینہ منورہ سے ہندوستان جانے کا حکم ہوا اس وقت اُمت مسلمہ انتشار و زوال کا شکار تھی۔ اس امت کی شیرازہ بندی ہونا تھی۔ اس کے لیے اولادِ حسین میں سے سید معین الدین کا انتخاب ہوتا ہے۔ اقبال نے لکھا ہے:

کتابِ ملتِ بیضا کی پھر شیرازہ بندی ہے
یہ شاخِ ہاشمی کرنے کو ہے پھر برگ و بر پیدا

خواجہ معین الدین اپنے والد مرحوم کے سامنے امت مسلمہ کی بگڑی ہوئی صورت کی بات کرتے تو خواجہ غیاث انہیں صبر کے ساتھ اچھے وقت کے انتظار کا درس دیتے لیکن صبر و استقامت کی تلقین کرنے والا اللہ کو پیارا ہو گیا اور ہمارے ممدوح نے اپنے پدری ترکہ باغ کو ذریعہ معاش بنایا۔ خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ ایک دن حضرت ابراہیم قندوزی سے ملاقات ہوئی۔ آپ انہیں



اپنے باغ میں لائے اور ان کی خدمت میں انگوروں کا گچھا پیش کیا لیکن اس درویش نے اپنے تھیلے سے روٹی کا ایک ٹکڑا نکال کر سیدزادے کو دیا۔ یہ لقمہ کھاتے ہی سیدزادہ کی دنیا بدل گئی۔ باغ اور اثاثے بیچ کر تحصیل علم و عرفان کا راستہ اپنایا۔ قرآن پاک حفظ کیا۔ اساتذہ سے فقہ، فلسفہ، تفسیر، حدیث اور دیگر علوم متداولہ حاصل کیے اور بالآخر حضرت عثمان ہرونی سے بیعت ہوئے اور بیس برس مرشد کی خدمت میں رہ کر سلوک کی مختلف منازل طے کیں۔ اس دوران سفر بھی کیے۔ مکہ و مدینہ بھی گئے۔ اپنے مرشد کا سامان اپنے سر پر اٹھا کر تمام سفر طے کیے۔

ایک روز مرشد نے کہا کہ معین الدین بہت لوگ چلے گئے تم بھی چلے جاؤ۔ سیدزادہ نے کہا کہ اس دنیا میں آپ کے سوا میرا کوئی ہے۔ آپ رو پڑے اور کہنے لگے کہ اب کسی اور دروازے پر جاتے شرم آتی ہے۔ اسی وقت شیخ عثمان نے دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے کہ اے اللہ اس شخص نے میری بے سروسامانی کے باوجود مجھے نہیں چھوڑا تو بھی اسے قبول کر لے۔ جونہی مرشد کی دعا ختم ہوئی سید زادے کی کیفیت ہی بدل گئی۔ سید معین الدین سے خواجہ معین الدین چشتی بن گئے۔ طواف کعبہ کے وقت بھی مرشد نے یہی دعا دی کہ باری تعالیٰ معین الدین حاضر ہے اسے قبول فرما لو۔ مدینہ طیبہ میں بھی مرشد نے یہی التجا کی اور دونوں جگہ مرشد کی دعا قبول ہوئی۔

آپ نے ہندوستان آنے سے پہلے متعدد شہروں کے سفر کیے اور ان اسفار کے دوران آپ کی مختلف علماء اور شیوخ سے ملاقات بھی ہوئی۔ بغداد میں آپ کی ملاقات حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی المعروف غوث الاعظم سے بھی ہوئی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ غوث پاک نے خواجہ معین الدین کی دلجوئی کی خاطر محفل سماع منعقد کروائی حالانکہ قادریہ سلسلہ میں سماع کی گنجائش نہ تھی۔ یہ وہ دور تھا کہ آپ سخت مجاہدوں کے نصاب مکمل کر رہے تھے۔ دمشق سے حجاز مقدس گئے۔ حرمین شریفین کی حاضری کے بعد مختلف ممالک کی سیر کو نکلے۔ بغداد کے علاقہ میں ان کی ملاقات شیخ نجم الدین کبریٰ سے بھی ہوئی جو موصل کے قریب سنجار میں مقیم تھے۔ یہ وہی بزرگ ہیں جن کی دعا نے خوارزم کے باشندوں کو تاتاریوں کے شر سے محفوظ رکھا تھا اور بالآخر آپ دفاعی جنگ کرتے ہوئے شہید ہوئے تھے۔

تبریز میں آپ کی ملاقات خواجہ ابوسعید تبریزی اور شیخ جلال الدین تبریزی سے بھی ملاقات ہوئی۔ تبریز سے اصفہان آئے جہاں ایک ایسا واقعہ ہوا جس نے ہندوستان کی سماجی تاریخ میں

تبدیلی پیدا کرنا تھی۔ اصفہان میں حضرت شیخ محمود اصفہانی کا بہت شہرہ تھا۔ آپ ان سے بھی فیض یاب ہوئے۔ وہاں آپ کو ایک نوعمر لڑکا نظر آیا جو درویشوں سے بہت عقیدت رکھتا تھا۔ خواجہ معین الدین کی زیارت کے بعد اس لڑکے نے آپ کے حلقہ ارادت میں شامل ہونے کا فیصلہ کیا۔ اصفہان نے دو صاحبزادے بھی خواجہ اجمیری کے ساتھ ہو لیے اور یہی نوجوان بعد میں ہندوستان کے آسمان پر بختیار کاکی کے نام سے روشن ہوا۔ اصفہان سے استر آباد اور ہرات تشریف لائے جہاں حضرت خواجہ عبداللہ انصاری سے ملاقات ہوئی پھر آپ سبزوار تشریف لے گئے۔

اس شہر کا حاکم یار گار محمد بہت ظالم تھا اور لوگوں نے خواجہ صاحب کی خدمت میں گورنر کی شکایت کی۔ گورنر نہ صرف ظالم تھا بلکہ عیاش بھی تھا۔ آپ نے اس جابر حاکم کے پاس جا کر اس کے ظلم واستبداد کا چٹھا چاک کیا۔ حاکم کی کایا پلٹی اور لوگوں کو سکون میسر آیا۔ پھر آپ حصار شادماں اور ازاں بعد بلخ روانہ ہوئے جہاں حکیم ضیاالدین کا واقع پیش آیا جس نے خواجہ سے ملاقات کے بعد اپنی زندگی کا رخ تبدیل کر لیا۔

برصغیر پہنچنے کے بعد آپ نے داتا صاحب کے مرقد پر قیام کیا۔ وہاں سے ملتان گئے اور ۵ برس قیام کر کے مختلف مقامی زبانیں سیکھیں۔ دلی تشریف لائے اور بالآخر اجمیر کو اپنا مستقر قرار دیکر روحانی جمہوریت کی تحریک کا آغاز کر دیا۔ اجمیر میں آپ کو جادوگر بھی کہا گیا لیکن مقامی آبادی آپ کے زیر اثر آتی گئی جس کی وجہ سے پرتھوی راج چوہان اور دیگر امرائے سلطنت نے نو مسلموں کا معاشی بائیکاٹ کر دیا۔

اجمیر میں انا ساگر سے لوگ پانی لیتے تھے۔ ایک دن بادشاہ کے سپاہیوں نے خواجہ صاحب کے مرید کو پانی لیجانے سے منع کر دیا۔ خواجہ کو جب اطلاع ملی تو انہوں نے اپنے خادم کو کہا کہ سپاہیوں سے کہو کہ آج ہمیں پانی لینے دو کل ہم علیحدہ بندوبست کر لیں گے۔ سپاہیوں نے نہایت فخر سے کہا کہ اچھا آج اجازت ہے۔ جونہی خادموں نے برتن کو دریا میں اتارا سارا پانی سمٹ کر برتن میں آ گیا۔ علاقہ کو سیراب کرنے والا ساگر خشک ہو چکا تھا۔ جب غلطی کا احساس ہوا اور سپاہ شاہ نے معافی مانگی تو ساگر کا پانی جاری ہو گیا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ہندوستان کے نامی گرامی جادوگر شادی دیو کو بلایا گیا لیکن اس کے جادو کا اثر نہ ہوا۔ جوگی جے پال بھی آیا۔ یہ شخص تمام ساحروں کا گرو اور پرتھوی راج کی امیدوں کا مرکز



تھا۔ اس نے خواجہ صاحب کے سامنے رسی ہوا میں بلند کی اور خود اس پر چڑھ گیا اور کہا کہ وہ ابھی بجلی بن کر ان پر گرے گا۔ اس نے کیا کرنا تھا خواجہ صاحب کی جوتیاں ہوا میں بلند ہوئیں اور اسے نیچے اتار دیا۔ اس واقعہ کے بعد پرتھوی راج نے خواجہ صاحب کی بستی پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا لیکن اس کی ماں نے ایک بار اسے اس عمل سے رکنے کا مشورہ دیا تھا جو نصیحت اسے یاد کرائی گئی۔ ماں نے مرنے سے پہلے کہا تھا کہ اگر میرے مرنے کے بعد وہ بزرگ آ جائیں تو ان کی عزت و مدارات کرنا لیکن پرتھوی راج کیلئے ایک درویش سے سمجھوتہ شاہی آداب کے خلاف تھا۔

انہیں دنوں خواجہ صاحب کے ایک خادم سید روشن شاہ نے ایک دن صبح ایک گوالن کو روک کر دودھ چکھا۔ یہ دودھ محل کیلئے تھا۔ درویش کی خواہش تھی کہ گوالن انہیں بھی علی الصبح خالص دودھ مہیا کیا کرے۔ گوالن نے شکایت کر دی کہ ایک مسلمان درویش نے دودھ کو ناپاک کر دیا ہے۔ بادشاہ نے سید روشن شاہ کو بلوا کر اس کی انگلی کٹوا دی۔ خواجہ صاحب نے اس کی انگلی کو دفن کرواتے ہوئے فرمایا کہ پرتھوی راج کی حکومت پر خاک ڈال دو۔ اس کے بعد ترائن کے مقام پر شہاب الدین غوری کا راجہ نے سات لاکھ فوج سے مقابلہ کیا لیکن جان بچاتے ہوئے جب بھاگ رہا تھا تو غوری کے فوجیوں نے اسے زندہ گرفتار کر لیا اور پابہ زنجیر غوری کے دربار میں پیش کیا۔ غوری کو فتح کے بعد علم ہوا کہ اجمیر میں ایک درویش قیام پذیر ہے تو وہ زیارت کے لیے گیا اور وہاں پہنچ کر حیران ہو گیا کہ یہ تو وہی درویش ہے جس نے اسے خواب میں پرتھوی راج پر حملہ کرنے کی ترغیب دی تھی۔

خواجہ صاحب کے متعلق خان آصف لکھتے ہیں:

حضرت خواجہ معین الدین چشتی سراپا جمال و محبت تھے۔ کیسا بھی موسم ہوتا مگر دیکھنے والوں کو آپ کے ہونٹوں پر ہمیشہ ایک دل نواز تبسم نظر آتا۔ سرزمین ہند کا ایک ایک گوشہ جاہلوں اور سرکشوں سے بھرا ہوا تھا۔ حضرت خواجہ غریب نواز کے دربار معرفت میں بھی کبھی نہایت بے ہودہ اور گستاخ لوگ آتے تھے لیکن آپ ان کے سامنے بھی اسلام کی بے مثال رواداری اور محبت کا مظاہرہ کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ان کی سنگدلی نرمی میں تبدیل ہو جاتی اور وہ تائب ہو کر پارساؤں جیسی بسر کرنے لگتے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی نے اپنی پوری زندگی میں نہ کسی کو بد دعا دی اور نہ کسی نے آپ کو حالت غضب میں دیکھا۔ حضرت خواجہ غریب نواز کے طویل دور حیات میں بس دو مواقع ایسے آئے تھے کہ جب آپ کا چہرۂ مبارک غصے سے سرخ ہو گیا تھا۔ ایک وہ لمحہ تھا

جب پرتھوی راج چوہان کے ظلم وستم سے خلق خدا تنگ تھی اور آپ نے مجبور ہو کر راجپوت حکمران کی ہلاکت کیلئے ہاتھ اٹھا دیئے تھے۔ اگر اس واقع کی حقیقت پر غور کیا جائے تو یہ بات سمجھ میں آ جائے گی کہ ان کیفیات کا حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی ذات سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ یہ ستم رسیدہ انسانوں کی نجات کے لئے حضرت خواجہؒ کی ایک کوشش تھی جسے اللہ نے فتح ونصرت سے ہمکنار کیا۔ دوسرا لمحہ وہ تھا جب حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے ایک مرید کو ایک سود خور شخص نے ذلیل کرنا چاہا تو آپ اپنے خدمت گار کی یہ رسوائی برداشت نہ کر سکے اور لوگوں نے دیکھا کہ اس وقت آپ کی شان جلالی کا اظہار ہو رہا تھا مگر یہاں بھی یہ بات قابل غور ہے کہ حضرت خواجہ غریب نوازؒ کا غصہ اپنے نفس کی خاطر نہیں تھا۔

اس واقعہ کے راوی آپ کے خلیفہ اکبر حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ ہیں۔ حضرت قطبؒ فرماتے ہیں۔

''میں عرصہ دراز تک اپنے پیر ومرشد کی خدمت میں حاضر رہا ہوں مگر میں نے کبھی آپ کو غصے کی حالت میں نہیں دیکھا سوائے ایک بار کے جب غریب نوازؒ اپنے مرید شیخ علیؒ کے ساتھ حجرے میں قیام فرما تھے۔ اچانک ایک اجنبی شخص خانقاہ میں داخل ہوا۔ اس نے آتے ہی شیخ علی کا گریبان پکڑ کر کھینچنا شروع کر دیا اور اپنی زبان سے نہایت نازیبا کلمات ادا کرنے لگا۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ صورتحال سے بے خبر تھے۔

اس لیے آپ نے بدتہذیبی کے مظاہرے کی وجہ دریافت کی۔ اجنبی نے غضبناک لہجے میں بتایا کہ شیخ علیؒ اس کا قرضدار ہے اور مسلسل وعدے کرنے کے باوجود رقم کی ادائیگی نہیں کر رہا ہے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے اجنبی شخص سے رقم کی تعداد پوچھی تو صرف چند پیسوں کی بات تھی۔ آپ نے قرض خواہ کو محبت آمیز لہجے میں سمجھایا کہ جہاں اس نے اتنا انتظار کیا ہے وہاں کچھ دن اور صبر کر لے۔ اس وقت کوئی بھی شریف النفس انسان ہوتا تو حضرت خواجہؒ کی گفتگو کا مقصد آسانی سے سمجھ لیتا۔ مگر وہ سود خور اپنی حد سے گزر گیا تھا اور اس نے تمام آداب واخلاق کو بالائے طاق رکھ دیا تھا۔ اس کی بس ایک ہی ضد تھی کہ وہ اسی وقت شیخ علیؒ سے اپنے پیسے لیکر جائے گا ورنہ تشدد کا ذرائع استعمال کرے گا۔ یہ ایک بڑا جارحانہ عمل تھا۔ پھر بھی حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے اتمام حجت کے طور پر اسے آخری وقت تک سمجھانے کی کوشش کی لیکن جب وہ مصالحت



کا ایک لفظ بھی سننے کو آمادہ نہیں ہوا تو آپ نے اپنی چادر زمین پر بچھا دی۔ یہ وہی چادر تھی جسے حضرت خواجہ غریب نوازؒ اپنے دوش مبارک پر ڈالے رہتے تھے۔

اس وقت حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کا چہرہ مبارک غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ پھر آپ غضبناک لہجے میں اس اجنبی شخص سے فرمایا: ''علی کا گریبان چھوڑ دے اور اپنی رقم زمین پر سے اٹھا لے۔''

ابھی حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے الفاظ کی گونج ختم نہیں ہوئی تھی کہ پوری چادر نقرئی سکوں سے بھر گئی۔ اجنبی بدحواس ہو گیا اور شیخ علی کا گریباں چھوڑ کر دولت کے اتنے بڑے ذخیرے کو دیکھنے لگا۔ اسے سکتہ سا ہو گیا تھا۔ آخر کچھ دیر بعد اس کے ہوش وحواس بحال ہوئے تو سکوں کے ڈھیر سے اپنی مطلوبہ رقم اٹھانے لگا۔ سود خور نے اپنی زندگی میں دولت کا اتنا بڑا انبار نہیں دیکھا تھا۔ کثرت مال نے اسے بددیانتی پر اکسایا چند لمحوں میں نیت بگڑ گئی اور پھر اجنبی شخص نے اپنی رقم سے کہیں زیادہ سکے اٹھا کر جیب میں ڈال لیے۔ اس کے بعد وہ کھڑا ہو گیا۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے اس سے پوچھا کہ اب تو شیخ علی کی طرف تیرا کوئی مطالبہ باقی نہیں رہا؟ سود خور نے اثبات میں جواب دیا اور تیزی کے ساتھ خانقاہ سے نکل کر چلا گیا۔ اسے اندیشہ تھا کہ کہیں حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کو اس چوری کی خبر نہ ہو جائے مگر آپ ان تمام چیزوں سے بے نیاز تھے اور سب کچھ جانتے ہوئے بھی قصداً انجان بن گئے تھے۔

جب سود خور چلا گیا تو حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے اپنے مرید شیخ علیؒ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ''یہ تو اس ذات بے نیاز کی دستگیری ہے کہ وہ اپنے عاجز بندوں کی مشکل کشائی فرماتا ہے اور انہیں اہل دنیا کے سامنے رسوا ہونے سے بچا لیتا ہے۔ مگر بندگی کے بھی کچھ آداب ہوتے ہیں۔ درویش کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ کسی انسان سے حاجت روائی کی امید رکھے۔ قرض اور درویشی میں کوئی نسبت نہیں۔''

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ فرماتے ہیں۔ کچھ دن بعد میں نے اس اجنبی سود خور کو حضرت خواجہ غریب نوازؒ کی خانقاہ میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا لیکن اس بار وہ بے حد پریشان نظر آ رہا تھا۔ اس کا چہرہ دیکھ کر ظاہر ہوتا تھا کہ جیسے وہ برسوں سے بیمار ہے۔ سارا غرور وتکبر رخصت ہو چکا تھا۔ اب وہ بھکاری کے مانند حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے پائے مبارک پر سر رکھے رو

رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ اس کا ایک ہاتھ بالکل خشک ہو چکا ہے اور کسی درخت کی ٹوٹی ہوئی شاخ کی طرح لٹک رہا ہے۔ حضرت سلطان الہندؒ نے دریافت کیا کہ اب کیا تکلیف ہے؟ اجنبی نے گریہ وزاری کرتے ہوئے بتایا کہ جس دن وہ اپنی رقم لے کر گھر گیا اسی روز اس کے دائیں ہاتھ میں شدید درد اٹھا۔ شہر کے تمام طبیبوں سے رجوع کیا مگر وہ درد نا قابل علاج ٹھہرا۔ پھر کچھ دن بعد دوسری آفت ناگہانی نازل ہوئی۔ درد تو ختم گیا لیکن ہاتھ نے کام کرنا چھوڑ دیا۔ یہ کہہ کر اجنبی نے اپنا بے حس مفلوج ہاتھ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے سامنے پیش کر دیا۔

سلطان الہندؒ نے جواباً فرمایا: ''میں کوئی طبیب نہیں ہوں۔ کسی اچھے معالج کو دکھاؤ۔''

سودخور دوبارہ زار و قطار رونے لگا اور پھر اس نے اپنے گناہ کا اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ وہ حضرت خواجہ کا مجرم ہے۔ اس نے شیخ علیؒ کے قرض کی ادائیگی کے دن اپنے مطالبے سے زیادہ سکے اٹھا لیے تھے۔ پھر یہی چوری اس کیلئے عذاب جاں بن گئی۔ اب وہ اپنے جذبات حرص و ہوس پر سخت نادم ہے۔ اگر حضرت خواجہؒ نے اسے معاف نہیں کیا تو وہ تمام عمر اسی طرح زمانے کی ٹھوکروں میں رہے گا۔

اجنبی کا لہجہ اس قدر رقت آمیز تھا کہ حضرت خواجہ غریب نوازؒ کو اس پر رحم آ گیا۔ تاہم آپ نے اسے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ''اے شخص! تو میرا مجرم نہیں۔ سکوں کا وہ انبار تو اللہ کے خزانوں میں سے ایک حقیر خزانہ تھا۔ اللہ اس سے بے نیاز ہے کہ کوئی بندہ چوری کر کے اپنا رزق حاصل کرتا ہے یا اسے حلال روزی کی جستجو ہوتی ہے؟ ہر انسان مقررہ وقت پر اپنا نامہ اعمال دیکھ لے گا۔ تیرے ہاتھ کا اس طرح سوکھ جانا چوری کے باعث نہیں شیخ علی کی دل آزاری کا سبب ہے۔ اگر وہ تجھے معاف کر دے گا تو پھر میں بھی تیری صحت یابی کیلئے بارگاہ خداوندی میں عرض کروں گا۔''

وہ شخص بے قراری کے عالم میں اٹھا اور اس درخت کے قریب پہنچا جہاں شیخ علیؒ اپنے پیر و مرشد کیلئے کھانا پکا رہے تھے۔ اگرچہ شیخ علیؒ اس شخص کی طرف سے بہت آزردہ خاطر تھے لیکن حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی بنیادی تعلیم ہی یہی تھی کہ دشمنوں کو بھی معاف کر دو۔ شیخ علیؒ نے پیر و مرشد کی تربیت کے زیر اثر اس شخص کو دل کی گہرائی سے معاف کر دیا۔ پھر حضرت معین الدین چشتیؒ نے نماز ادا کرنے کے بعد اجنبی کے حق میں دعائے خیر فرمائی اور اپنا دست مبارک اس کے



مفلوج ہاتھ پر تین مرتبہ پھیرا۔ اجنبی کو محسوس ہوا کہ جیسے اس کے خون کی گردش اچانک تیز ہو گئی ہو۔ زندگی کی حرارت سے محروم ہاتھ آہستہ آہستہ حرکت کرنے لگا۔ یہاں تک کہ چند روز بعد وہ شخص مکمل طور پر صحت یاب ہو گیا۔

یہ حضرت خواجہ غریب نوازؒ کی ایک بڑی کرامت تھی کہ خدا نے آپ کو ایک خاص انداز مسیحائی بخشا تھا جس کے اثر سے اجنبی کا جسمانی عارضہ ختم ہو گیا تھا مگر اس کرامت کا زیادہ روشن پہلو یہ تھا کہ وہ سود خور مریض صحت یاب ہو کر اپنے گھر واپس نہیں گیا۔ ایک بار آپ کے آستانے پر حاضر ہوا تو پھر اسی در کا پابند ہو کر رہ گیا۔ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ کل تک جو شخص حرص و ہوس کا غلام تھا آج اس کے قلب کی تمام کثافتیں دور ہو گئی تھیں۔ پھر لوگوں نے یہ بھی دیکھا کہ وہ اپنا سارا مال و زر خدا کی راہ میں لٹا رہا تھا۔ روح پر برسوں کے چھائے ہوئے گہرے بادل چھٹ رہے تھے اور قلب کی تاریکیوں سے تیز روشنی کی ایک کرن پھوٹ رہی تھی۔

لوگوں نے اس کی طبیعت کا یہ انقلاب دیکھ کر پوچھا: ۔۔۔''تو نے اپنی متاع حیات اتنی آسانی سے لٹا دی۔ اب کس کے سہارے زندہ رہے گا؟''

اس نے سربازار نعرہ مستانہ بلند کیا اور دنیا والوں سے چیخ کر کہا: ۔۔۔''میں انسانی خون میں ڈوبی ہوئی دولت تمہیں واپس کرتا ہوں۔ مجھے غریب نوازؒ کی ایک نظر کافی ہے۔''

اجمیر کو روحانی سطح پر خواجہ صاحب نے فتح کر لیا تھا۔ دارالحکومت دلی منتقل ہو چکا تھا جہاں آپ کے خلیفہ اور مرید حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ اس مشن کو آگے بڑھا رہے تھے۔ خواجہ معین الدین کی شہرت ہندوستان میں پھیل چکی تھی اور خواجہ قطب کی خواہش تھی کہ ان کے مرشد ایک بار دلی میں آ کر مریدوں کو اپنی زیارت سے سرفراز فرمائیں لیکن لوگوں کی اصلاح کیلئے آپ نے اجمیر سے غیر حاضری کو مناسب نہ جانا۔ خواجہ قطب کے خطوط آتے رہے کبھی وہ خود حاضر ہونے کی اجازت طلب کرتے اور کبھی انہیں دلی آنے کی دعوت دیتے۔

خواجہ صاحب نے بالآخر دلی کا سفر اختیار کیا اور عقیدتمندوں کا جسمانی اور روحانی علاج کیا اور بے شمار تحائف لوگوں میں تقسیم کیے۔ جب آپ نے پہلی بار برصغیر میں قدم رکھا تھا تو آپ کی کل متاع ایک جوڑا کپڑے جائے نماز اور پانی کا برتن تھا لیکن اب سارے ہندوستان کی دولت آپ کے قدموں میں تھی لیکن آپ کے اثاثوں میں رتی بھر بھی اضافہ نہ ہوا تھا۔ آہ و بکا کرنے والے

مریدوں کو سوگوار چھوڑ کر آپ واپس اجمیر تشریف لے آئے جہاں کے مقیم آپ کی واپسی کا بے تابی سے انتظار کر رہے تھے۔ آپ کی عدم موجودگی ان کے لیے بہت بڑا امتحان تھا۔

دلی سے واپسی کے بعد آپ کی شادی ہوئی۔ شادی کے بعد آپ دلی گئے۔ اس وقت شمس الدین التمش حکومت کر رہا تھا۔ یہ وہی نوجوان تھا جس کے متعلق خواجہ صاحب نے برسوں پہلے بادشاہی کی پیشگوئی کی تھی۔ اس نے خواجہ صاحب کی بہت عزت و تکریم کی۔

خان آصف بیان کرتے ہیں۔

جب سلطان شمس الدین التمش بارگاہ غریب نوازؒ سے اٹھ کر جا رہا تھا تو لوگوں نے سنا۔ والی ہندوستان انتہائی جذب کے عالم میں کہہ رہا تھا۔ ''میں اپنی سلطانی پر شمشیر و سنان کی گواہی قبول نہیں کرتا۔ مجھے سلطان الہندؒ نے اپنی زبان مبارک سے سلطان فرما دیا۔ اس لیے میں سلطان ہوں۔'' اگر لوگ سلطان شمس الدین التمش کی بات کا مفہوم سمجھنے کی کوشش کریں تو یہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی بزرگی کو بہترین خراج عقیدت ہے۔

واقعات کے اسی پس منظر میں سلطان شمس الدین کے حوالے سے ایک اور واقعہ بھی بہت زیادہ شہرت رکھتا ہے۔ اس زمانے میں حضرت شہاب الدین سہروردیؒ کے خلیفۂ اکبر مشہور بزرگ حضرت حمید الدین ناگوریؒ بغداد سے تشریف لائے ہوئے تھے۔ قاضی صاحبؒ کو سماع سے بہت زیادہ شغف تھا۔ مقامی درویشوں نے جن میں حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ بھی شامل تھے۔ حضرت قاضی حمید الدین ناگوری کے اعزاز میں سماع کی مجلسیں منعقد کیں۔ دلی کے علماء سماع کے سخت مخالف تھے۔ اس لیے انہیں قاضی صاحبؒ اور دوسرے صوفیاء سے پرخاش ہو گئی۔ خصوصاً مولانا رکن الدین سمرقندی جو اپنے وقت کے بہت بڑے عالم تھے۔ درویشوں کی مخالفت میں سرگرم عمل ہو گئے۔

ایک بار سلطان شمس الدین التمش کے محل کے قریب سماع منعقد ہوئی جس میں حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ اور حضرت قاضی حمید الدین ناگوریؒ بھی شریک تھے۔ مولانا رکن الدین سمرقندی کو خبر ملی تو وہ اپنے کچھ ساتھیوں کے ہمراہ وہاں پہنچے تاکہ مجلس سماع کو روک سکیں۔ جب قاضی صاحبؒ کو معلوم ہوا کہ مولانا رکن الدین آئے ہیں تو آپ نے صاحب خانہ سے فرمایا: ''تم کہیں چھپ جاؤ تاکہ جب مولانا رکن الدین آئیں اور تم سے اندر آنے کی اجازت طلب کریں تو



تمہیں غیر حاضر پا کر واپس چلے جائیں۔۔۔ اور اگر تمہاری اجازت کے بغیر گھر میں داخل ہوں تو اس فعل کو خلاف شرع قرار دے کر ان کا مواخذہ کیا جائے۔''

صاحب خانہ نے ایسا ہی کیا۔ مولانا رکن الدین سمرقندی آئے مگر مالک مکان کو موجود نہ پا کر واپس چلے گئے۔ اس طرح یہ معاملہ ٹل گیا مگر دوسرے علماء بھی سماع کے خلاف تھے۔ نتیجتاً حضرت قاضی حمید الدین ناگوریؒ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ اور دوسرے صوفیاء کے خلاف علماء کی تحریک زور پکڑ گئی۔ التمش کے دربار کے دو مشہور عالم ملا عماد الدین اور ملا جلال الدینؒ قاضی صاحبؒ کی مخالفت میں پیش پیش تھے۔ مختصر یہ کہ ان دونوں علماء نے اپنا اثر و رسوخ استعمال کرتے ہوئے التمش کو مجبور کیا کہ وہ حکم شاہی کے ذریعے سماع کی محفلوں پر پابندی عائد کر دے۔ والی ہندوستان نے ایک خصوصی مجلس میں حضرت قاضی حمید الدین ناگوریؒ کو دعوت دی کہ وہ علماء کے اعتراضات کا جواب دیں۔

ملا عماد الدین اور ملا جلال الدین نے بیک وقت حضرت قاضی حمید الدین ناگوریؒ سے سوال کیا: ''شرع میں سماع حلال ہے یا حرام؟''

قاضی صاحبؒ نے پرجلال لہجے میں فرمایا: ''سماع اہل حال کیلئے حلال ہے اور اہل قال کیلئے حرام۔''

علماء کے سوال کا جواب دینے کے فوراً بعد حضرت قاضی حمید الدین ناگوریؒ سلطان شمس الدین مخاطب ہوئے۔ ''آپ کے اپنے بچپن کا وہ واقعہ تو یاد ہو گا جب آپ غلام تھے اور آپ اس محفل میں رات بھر شمع لے کر کھڑے رہے تھے۔ ان اہل حال فقیروں کو آپ کی یہ خدمت بہت پسند آئی تھی اور ان ہی فقیروں کی دعاؤں سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو بادشاہت کے منصب تک پہنچایا۔''

حضرت قاضی حمید الدین ناگوریؒ کی بات سن کر سلطان شمس الدین التمش کی نظروں کے سامنے پورا ماضی روشن ہو گیا اور پھر اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں۔ والی ہندوستان نے بڑی عزت و تکریم کے ساتھ قاضی صاحب کو رخصت کیا اور خود بھی سماع کی محفلوں میں شریک ہونے لگا۔ پھر یہ ذوق اس قدر بڑھا کہ سلطان شمس الدین التمش حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو گیا۔

اسی زمانے میں ایک اور عجیب واقعہ پیش آیا جو حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی عظمتوں پر روشن وعیاں ہے۔ سلسلہ چشتیہ کے مشہور بزرگ حضرت شیخ فرید الدین گنج شکرؒ حضرت قطبؒ کے حلقۂ ارادات میں شامل ہو چکے تھے اور اپنی روحانی تعلیم کے ابتدائی مراحل طے کرنے کیلئے ملتان سے دہلی تشریف لائے ہوئے تھے۔ جب حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے سرزمین دہلی پر قدم رکھا تھا۔ اس سے چند روز پہلے ہی بابا فریدؒ نے اپنی چلہ کشی شروع کی تھی اور ایک علیحدہ کمرے میں بند ہو کر سخت ریاضت کر رہے تھے۔ اچانک ایک دن حضرت سلطان الہندؒ نے حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ سے پوچھا۔

''اب تو بڑے بڑے شہسوار تمہارے لشکر معرفت میں شامل ہو کر نفس کے خلاف جہاد کر رہے ہیں۔''

''یہ سب پیر و مرشد کی نگاہ کرم کا اثر ہے۔'' حضرت قطبؒ نے نہایت عاجزی سے عرض کیا۔ ''میں آپ کے لشکر کا ایک ادنیٰ سپاہی ہوں۔''

''سنا ہے کہ ملتان کا رہنے والا کوئی مجاہد تمہارے زیر تربیت ہے۔'' حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کا اشارہ بابا فریدؒ کی طرف تھا۔ ''شیخ تو ضرور اس بات سے واقف ہیں۔'' حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ نے عرض کیا۔ ''قطب! ہمیں بھی دکھاؤ اس نو وارد کو جو عشق کو۔ لوگ کہتے ہیں کہ اس کی نواؤں میں بڑا سوز ہے۔'' حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے عجیب انداز میں اپنی خواہش کا اظہار کیا۔

حضرت قطب پیر و مرشد کی اس کریمانہ فرمائش پر فرط عقیدت سے رونے لگے پھر حضرت خواجہ کو لے کر اس کمرے کی طرف گئے جہاں بابا فریدؒ ساری دنیا سے کٹ کر ایک گوشۂ تنہائی میں مصروف ریاضت تھے۔ (تصوف کی اصطلاح میں چلہ کشی اور اوراد وظائف کے اس طریقے کو کہتے ہیں، جس میں عامل دنیا کی نگاہوں سے اوجھل ہو کر ایک مخصوص جگہ پر کم سے کم چالیس دن تک ریاضت کرتا رہتا ہے۔ بعض عملیات میں یہ شرط بھی ہوتی ہے کہ عامل کسی انسان کا چہرہ نہ دیکھے یہاں تک کہ اسے کھلا آسمان بھی نظر نہ آئے۔ اس وقت بابا فریدؒ بھی اسی انداز کی چلہ کشی کر رہے تھے۔ دن بھر روزہ رکھتے تھے۔ افطار کے وقت حضرت قطبؒ کا ایک خادم دروازہ کھول کر جو کی روٹی اور نمک کا پانی اس طرح اندر رکھ دیتا تھا کہ وہ بابا فریدؒ کو نہ دیکھ سکے مگر جب حضرت خواجہ معین الدین



چشتیؒ نے بابا فریدؒ کو دیکھنا چاہا تو چلہ کشی کے تمام آداب بالائے طاق رکھ دیئے گئے اور عمل کی ساری شرائط ختم کر دی گئیں کیونکہ اس سرزمین پر حضرت سلطان الہندؒ تو خود سب سے بڑے عامل تھے)

حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ نے آگے بڑھ کر اپنے ہاتھ سے دروازہ کھولا اور پھر پیر و مرشد سے اندر چلنے کی درخواست کی۔ حضرت خواجہ غریب نوازؒ اس طرح کمرے میں داخل ہوئے کہ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ آپ کی پیچھے پیچھے تھے۔ سلطان الہندؒ نے ایک خاص نگاہ کرم سے معرفت کی منزل کے نوجوان مسافر کو دیکھا۔ بابا فریدؒ آنکھیں بند کیے استغراق کے عالم میں ایک چٹائی پر بیٹھے تھے اور ان کے ہونٹوں کو آہستہ آہستہ جنبش ہو رہی تھی۔ وہ کوئی اسم الٰہی تھا یا قرآن کریم کی کوئی آیت مقدس تھی جس کا بابا فریدؒ ورد کر رہے تھے۔ ''فرید! آنکھیں کھولو!'' حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ نے اپنے نوجوان مرید کو بڑی محبت سے پکارا۔ ''دیکھو تو کون آیا ہے؟''

حضرت بابا فریدؒ پیر و مرشد کی آواز سن کر لرز گئے۔ کئی دنوں کا سکوت زائل ہو گیا اور آپ نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں۔ بابا فریدؒ اس بات پر سخت حیران تھے کہ پیر و مرشد نے چلہ کشی کی مدت ختم ہونے سے پہلے آپ کو کیوں پکارا تھا؟ پھر کچھ دیر بعد جب بابا فریدؒ حیرت و استعجاب کے حصار سے باہر نکلے تو اپنے سامنے ایک روشن چہرہ بزرگ کو کھڑے ہوئے پایا۔

''فرید! اپنی خوش بختی پر ناز کرو کہ جس کے روئے مبارک کی ایک جھلک دیکھنے کیلئے ہزاروں انسان سالہا سال سے ترس رہے ہیں، وہ خود چل کر تمہیں دیکھنے کیلئے آیا ہے۔'' بابا فریدؒ نے سراسیمگی کے عالم میں حضرت خواجہؒ کی طرف دیکھا اور پھر آپ کا جسم کانپنے لگا۔

''تم آفتاب چشتیہ کو نہیں پہچانتے؟'' حضرت قطبؒ نے بابا فرید کو حیران دیکھ کر کہا۔ ''یہ ہیں تمہارے پیر و مرشد کے شیخ محترم خواجۂ خواجگان، سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ۔''

یہ سنتے ہی بابا فریدؒ کے جسم کی لرزش میں مزید اضافہ ہو گیا۔ آپ نے حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے احترام میں کھڑا ہونا چاہا مگر اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کر سکے۔ دوبارہ کوشش کی پھر بھی ناکام رہے۔ بابا فریدؒ نے یہ عمل کئی بار دہرایا لیکن آپ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔ آخر یہ نوجوان سالک اپنی بے بسی پر رو پڑا۔ حضرت سلطان الہندؒ نے بابا فریدؒ کی یہ حالت دیکھی تو خود آگے بڑھے اور قریب پہنچ کر فرمایا: ''فرزند اٹھو!''

بابا فریدؒ نے اپنے جسم کی پوری طاقت کو بروئے کار لا کر اٹھنے کی کوشش کی مگر ناتوانی کا غلبہ برقرار رہا۔ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ نے خود اس واقعے کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ جب میں پیر و مرشد کی خانقاہ کے ایک حجرے میں پہلی بار حضرت سلطان الہندؒ کو دیکھا تو مجھ پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ میں کانپنے لگا۔ احتراماً اٹھنا چاہا تو ایسا محسوس ہوا جیسے جسم و روح کی تمام قوتیں سلب ہو کر رہ گئی ہیں۔

آخر حضرت خواجہ غریب نوازؒ قدرے خم ہوئے اور پھر آپ نے اپنا دست مبارک بابا فریدؒ کی پشت رکھ دیا۔ ملتان کے نوجوان درویش کی ساری گمشدہ طاقتیں لوٹ آئیں۔ بابا فریدؒ لرزتے قدموں سے کھڑے ہوئے اور کانپتے لہجے میں حضرت سلطان الہند کو سلام عقیدت پیش کیا۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے نہایت شفقت و محبت سے آپ کو گلے لگا لیا پھر حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا:

''قطب! تم ایسے شاہین کو زیر دام لائے ہو جس کی پرواز آسمانوں کی بلند ترین فضاؤں میں ہے۔''

اپنی اس ملاقات کے بارے میں حضرت بابا فریدؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ میں زندگی بھر اس لمحے کو فراموش نہیں کر سکتا۔ جب سلطان الہندؒ نے مجھے گلے لگا کر میرے سینے کو روشن کر دیا تھا۔ وہ ایک لمحہ اس فقیر کو سب کچھ دے گیا جو سالوں کی ریاضت اور مجاہدے کے بعد بھی حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے عارفانہ مقام کی یہ ایک ہلکی سی جھلک ہے کہ بابا فریدؒ جیسے عظیم صوفی آپ کے جلال روحانی کے سامنے بے دست و پا ہو کر رہ گئے تھے اور علم و فضل کے باوجود ان کی زبان میں ایک لفظ ادا کرنے کی بھی صلاحیت باقی نہیں رہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی حضرت خواجہؒ کی فراست نظر بھی ایک عجیب کرامت تھی کہ آپ کی روشن آنکھیں ماہ و سال کی گہری نقاب میں پوشیدہ واقعات کو بھی آسانی سے دیکھ لیا کرتی تھیں۔ حضرت خواجہؒ نے پرتھوی راج چوہان اور سلطان شمس الدین التمش کے بارے میں جو کچھ فرمایا تھا۔ وہ حرف بہ حرف پورا ہو کر رہا۔ یہ پیش گوئیاں اس وقت کی گئی تھیں۔ جب شہاب الدین غوری کے مقابلے میں کم سے کم چار گنا فوجی طاقت کا مالک تھا اور سلطان شمس الدین التمش کی پیشانی پر غلامی کے کئی داغ روشن تھے۔



کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ پرتھوی راج چوہان اس قدر ذلت آمیز شکست سے دوچار ہو گا اور التمش اتنی آسانی سے قبائے غلامی اتار کر خلعت شاہی پہن لے گا۔ حالات و شواہد کے پیش نظر مادہ پرست قیاس آرائیوں سے کام لیتے ہیں اور کبھی کبھی ان کے اندیشے بھی درست ثابت ہو جاتے ہیں مگر ہم اسے فراست نظر کا نام نہیں دے سکتے۔ فراست نظر صرف اہل ایمان کا ورثہ ہے۔ جب کوئی مرد حق آگاہ مستقبل کی طرف دیکھتا ہے تو قدرت اس پر ایک ایک ذرے کو بے نقاب کر دیتی ہے۔ بلاشبہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی آنکھ بھی پس دیوار دیکھنے کی صلاحیت رکھتی تھی اور اپنی اسی صفت کے باعث سلطان الہندؒ پورے ہندوستان میں بے مثال تھے۔ یہی وہ فراست نظر تھی جس کے ذریعے حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے بابا فرید کو مقام بلند کی بشارت دی تھی۔ پھر دیکھنے والوں نے دیکھا کہ ملتان کے ایک یتیم بچے کے دروازے پر شاہان وقت بھی سر جھکائے کھڑے رہتے تھے۔

حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ حضرت شیخ فرید الدین گنج شکرؒ اور دیگر عقیدت مندوں میں علم و عرفان کی دولت تقسیم کرنے کے بعد حضرت سلطان الہندؒ ایک بار پھر اجمیر تشریف لے گئے۔ اگرچہ اہل دل پر یہ سانحہ گراں گزرتا تھا لیکن وہ مرضی شیخ کے آگے مجبور تھے۔ حضرت خواجہؒ نے اہل دہلی پر یہ بات واضح کر دی تھی کہ سرزمین اجمیر ہی آپ کی تبلیغ کا مرکز رہے گی اور اسی ریگزار میں آپ ساری زندگی بسر کریں گے۔ دہلی کے باشندے حضرت خواجہؒ کے مستقل قیام سے مایوس ہو چکے تھے لیکن آپ نے انہیں اپنی رفاقتوں سے محروم نہیں کیا تھا۔ معتبر تاریخی کتابوں میں درج ہے کہ سلطان الہندؒ ایک بار قطب الدین ایبک کے دور اقتدار میں اور دو بار سلطان شمس الدین التمش کے عہد حکومت میں دہلی تشریف لائے تھے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کا آخری سفر بظاہر ممکن نظر آتا تھا مگر ایک اذیت ناک واقعے نے ضعف و ناتوانی کے باوجود آپ کو دہلی آنے کیلئے مجبور کر دیا تھا۔

یہ 633ھ کا زمانہ تھا۔ اس وقت حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اپنی عمر کے چھیانوے سال پورے کر چکے تھے۔ فطرت کا عمل جاری تھا اور سلطان الہندؒ کی حیات مبارک آخری مرحلے میں داخل ہو چکی تھی۔ طویل عبادت و ریاضت اور مسلسل نفس کشی نے آپ کو حد سے زیادہ لاغر بنا دیا تھا۔ ان ہی دنوں ایک ایسا درد انگیز واقعہ پیش آیا کہ حضرت خواجہؒ جیسے صابر و شاکر انسان بھی مصروف آہ و فغاں ہو گئے۔ دہلی میں حضرت قطبؒ کے گرد ان کے مخالفین نے سازش کا آہنی

حصار کھینچ دیا تھا اور سلطان الہندؒ کا خلیفہ اکبر اپنی زندگی کے نازک ترین موڑ پر تنہا کھڑا تھا۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے ایک رات خواب میں حضرت قطبؒ کو دیکھا جو بہت زیادہ پریشان نظر آ رہے تھے۔

جب سلطان الہندؒ نے اس پریشانی کا سبب پوچھا تو عرض کرنے لگے: ''شیخ محترم! اس وقت آپ کا یہ خادم سخت اذیت میں مبتلا ہے۔ مجھ پر ایک ایسی تہمت لگائی جا رہی ہے جسے سننے کے بعد اہل شہر حیران رہ گئے ہیں۔ میں اپنی صفائی میں تمام دلائل پیش کر چکا ہوں مگر دشمنوں نے دولت کے ذریعے انسان کا دل، ضمیر، دماغ یہاں تک کہ ایمان بھی خرید لیا ہے۔ لوگ خدا سے نہیں ڈرتے مگر میں خوشی میں بھی اور مصیبت میں بھی اپنے خدا ہی کو پکارتا ہوں۔ وہی میرا دستگیر ہے۔ وہی میرا مشکل کشا۔ میں نے دہلی کے باشندوں پر اپنا سب کچھ لٹا دیا۔ آپ کی جدائی بھی گوارا کر لی لیکن آج مجھے میری قربانیوں کا یہ صلہ دیا گیا ہے کہ میں وقت کی عدالت میں ایک مجرم کی حیثیت سے کھڑا ہوں۔ آپ میرے حق میں دعا فرمایئے کہ خاندان چشت کے اس غلام کی آبرو برقرار رہے اور یہ سنگین گھڑی سلامتی کے ساتھ گزر جائے۔'' اتنا کہہ کر حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ رو پڑے تھے۔

پھر حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے عالم خواب ہی میں اس جانباز طریقت کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا تھا: ''قطب! صبر کرو۔ زمانے کو کتنا ہی ناگوار گزرے مگر اہل یقین ہر حال میں غالب رہیں گے۔ شکست تمہارے دشمنوں کا مقدر بن چکی ہے۔ انہیں اپنی تمام قوتیں آزما لینے دو۔ عنقریب ان کی گردنیں طوق رسوائی کے بوجھ سے جھک جائیں گی۔ خاندان چشت کیلئے اللہ کافی ہے۔ خدا کی قسم! وہ اپنی کوششوں میں ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتے۔ سلطان التمش سے کہو کہ اس مقدمے کو میری آمد تک ملتوی کر دیا جائے۔'' خواب ختم ہو چکا تھا۔ تھوڑی دیر بعد حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی آنکھ کھل گئی۔ آپ کی روح پر ایک بار گراں تھا جس کے اثرات سے ساری رات سو نہ سکے۔ یہاں تک کہ فجر کی اذان ہو گئی۔

نماز ادا کرتے ہی حضرت سلطان الہندؒ نے اہل خانہ کو اپنے عزم سفر سے آگاہ کیا۔ خدام کو چند ضروری ہدایات دیں اور دہلی کی طرف روانہ ہو گئے۔ شریک حیات اور چند قریبی افراد نے اچانک روانگی کا سبب پوچھا تو بس اتنا فرمایا: ''قطب مجھ سے زیادہ ناتواں ہو گیا ہے۔ اسے میری تیمارداری کی شدید ضرورت ہے۔'' اس کے بعد کسی کو کچھ کہنے کی جرأت نہ ہو سکی۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے اس عالم میں اپنے سفر کا آغاز کیا کہ ایک عام انسان چند میل چلنے کا بھی



متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔

## ایک بھیانک سازش

دہلی میں ایک ہنگامہ برپا تھا۔ حضرت قطبؒ کے مخالفین جوش مسرت میں آپے سے باہر ہو گئے تھے اور عقیدت مندوں کے حلقے میں شدید اضطراب نمایاں تھے۔ بعض مرید اور خادم تو روتے روتے بے حال ہو گئے تھے۔ سلطان شمس الدین التمش حیران تھا اور پھر یہ حیرت لحظہ بہ لحظہ وحشت و پریشانی میں تبدیل ہوتی جا رہی تھی۔

وہ بڑا سنگین وقت تھا جب ایک خوبصورت اور نوجوان لڑکی نے سر دربار سلطان شمس الدین التمش سے انصاف مانگتے ہوئے کہا تھا: ''شہنشاہ! اس بدنصیب بچے کی طرف دیکھئے جو اپنے باپ کی زندگی میں یتیم ہو چکا ہے۔'' عورت کی دردناک آواز پورے دربار میں گونج رہی تھی۔ ''اور اس مظلوم بیوی کی طرف دیکھئے جس نے شوہر کی موجودگی میں بیوگی کا لباس پہن لیا ہے۔''

''اس بچے کا باپ کون ہے؟'' التمش بھی عورت کی فریاد سے متاثر ہو گیا تھا۔ ''تمہیں ہمارے عدل پر بھروسا کرنا چاہیے۔''

''مجھے اندیشہ ہے کہ سلطان اس شخص کا نام سننا گوارا نہیں کریں گے۔'' کسی نامعلوم خوف سے عورت کی آواز کانپ رہی تھی۔

''اگر وہ کوئی وزیر سلطنت یا امیر شہر بھی ہے تو التمش کے دائرہ انصاف سے باہر نہیں۔'' والی ہندوستان یکایک غضب ناک ہو گیا تھا۔

''مجھے میرے بچے کے ساتھ جاں بخشی کا یقین دلایا جائے۔'' اب عورت ہچکیوں سے رونے لگی تھی۔

''ظالم کی گردن اور ہماری شمشیر عدل میں زیادہ فاصلہ نہیں۔ وقار سلطانی تمہیں ہر قسم کے تحفظ کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔'' سلطان شمس الدین التمش نے عورت کو پناہ دے دی تھی۔

وہ بہت دیر تک خاموش کھڑی رہی اور پھر لڑکھڑاتی ہوئی زبان میں بولی: ''اس بچے کے باپ قطب الدین بختیار کاکیؒ ہیں۔''

اہلِ دربار کی سانسیں رک گئیں اور والی ہند سر سے پاؤں تک ایک سوال بن کر رہ گیا۔

حاضرین کو اپنی سماعتوں پر یقین نہیں آ رہا تھا مگر عورت مسلسل گریہ وزاری کر رہی تھی اور بار بار سلطان شمس الدین التمشؒ کے انصاف کو آواز دے رہی تھی۔

آخر التمشؒ کو اپنی زندگی کا سب سے ناگوار فرض انجام دینا پڑا۔ حضرت قطبؒ کو بھرے دربار میں طلب کیا گیا۔ سلطان الہندؒ کے خلیفۂ اکبر پر ایک عجیب الزام تھا۔

''میں نے اس خاتون کو آج سے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔'' حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ نے عورت کے بیان کردہ رشتے سے صاف انکار کر دیا تھا۔

''میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہتی ہوں کہ حضرت قطبؒ ہی اس بچے کے باپ ہیں۔'' عورت مسلسل قسمیں کھا رہی تھی۔ خدا کو درمیان میں لانے کے بعد اور کیا باقی رہ گیا تھا؟

حضرت قطبؒ کے ہونٹوں پر مہر خاموشی تھی اور اہلِ دربار اس عظیم الشان قصرِ ولایت کی دیواروں کو لرزتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ عورت سے کہا گیا کہ الزام غلط ہونے کی صورت میں اسے سخت ترین سزا بھی دی جا سکتی ہے لیکن وہ ہر خوف سے بے نیاز ہو کر اپنے دعوے پر اصرار کرتی رہی۔

عدالت برخاست ہو گئی۔ اسی رات حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ نے اپنے پیر و مرشد کو خواب میں دیکھا۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ فرما رہے تھے: ''سلطان سے کہو کہ میری آمد تک اس مقدمے کی کارروائی کو ملتوی کر دیا جائے۔''

دوسرے دن حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ نے سلطان شمس الدین التمشؒ کو حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کا پیغام پہنچا دیا اور پھر سرکاری طور پر اعلان کر دیا گیا کہ سلطان الہندؒ تشریف لانے کے بعد از سرِ نو عورت کی روداد غم سنی جائے گی اور پھر حقائق کی روشنی میں کوئی فیصلہ کیا جائے گا۔ حضرت قطبؒ کے عام عقیدت مندوں اور مرید اس اعلان کے بعد مطمئن ہو گئے تھے کہ اس طرح کچھ دن کیلئے یہ خوفناک طوفان تھم گیا تھا مگر بعض با اثر درباریوں کا اصرار تھا کہ مقدمے کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ ان کے خیال میں حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ مجرم ثابت ہو گئے تھے کیونکہ عورت کو نہ پہچاننے کی دلیل کوئی وزن نہیں رکھتی تھی۔ کچھ لوگ یہ کہہ رہے تھے کہ ایک شریف عورت بھرے دربار میں اس طرح خود کو بے عزت نہیں کر سکتی تھی۔ اس گروہ کو یقین تھا کہ اس عورت کا دعویٰ درست ہے اور سلطان محض اس لیے حضرت قطبؒ کو بچانے کی کوشش کر رہا ہے کہ وہ ان کا مرید ہے۔



سلطان شمس الدین التمشؒ نے انتہائی سخت الفاظ میں اس الزام کی تردید کرتے ہوئے کہا تھا: ''میں حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ سے اس قدر حسنِ ظن رکھتا ہوں کہ اگر عدالت جرم ثابت بھی کر دے تو میں اپنا آخری سانس تک انہیں بے گناہ سمجھتا رہوں گا۔ بہت غور و فکر کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ مقدمہ نہایت پیچیدہ ہے۔ اس لیے ہمیں کچھ دن انتظار کر کے حقائق کو تلاش کرنا پڑے گا۔

حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ نے مقدمے کے التواء کے بارے میں فرمایا تھا: ''میں سلطان کے تعاون سے روپوش ہو کر دہلی نہیں چھوڑوں گا۔ اس شہر میں میرا قیام اس وقت تک رہے گا جب تک عدالت میری بے گناہی ثابت نہ کر دے یا پھر مجھے مجرم قرار دے دیا جائے۔ میں اپنے مقدمے کی پیروی کرنے سے قاصر ہوں۔ اس لیے میں نے حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کو اپنا وکیل مقرر کیا ہے۔ اب وہی دہلی تشریف لا کر اس کارروائی کو آگے بڑھائیں گے۔''

''حضرت خواجہؒ کا اس مقدمے سے کیا تعلق ہے؟'' ایک با اثر درباری نے سوال کیا ہے۔ ''وہ اس سلسلے میں کیا کر سکتے ہیں؟'' درباری سردار کے لہجے میں طنز پوشیدہ تھا۔

''میں کچھ نہیں جانتا۔'' حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ نے تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرمایا: ''مجھے پیر و مرشد نے یہی حکم دیا ہے کہ میں اس حکم سے سرتابی نہیں کر سکتا۔''

بات ختم ہو گئی تھی مگر سرگوشیاں اب بھی جاری تھیں۔ امرائے دہلی میں سے جو لوگ حضرت قطبؒ کے غیر معمولی اثرات کو ناپسند کرتے تھے۔ انہیں یہ التواء سخت ناگوار تھا۔ ان کے خیال میں مقدمے کی شکل بگاڑنے کیلئے حضرت قطبؒ کو یہ مہلت دی گئی تھی۔ مخالفین کے نزدیک مہلت خطرناک تھی۔ اس لیے ان لوگوں نے دوبارہ اس مظلوم عورت کو شمس الدین التمش کے دربار میں پیش کیا۔

''مجھے سلطان کے عدل و انصاف پر پورا یقین ہے مگر اس طویل عرصے میں میری اور بچے کی گزر بسر کس طرح ہوگی؟ عورت نے اپنے غربت و افلاس کا ماتم کرتے ہوئے والیِ ہندوستان کے سامنے دامن پھیلا دیا تھا۔

''تمہیں ساری مراعات بخشی جائیں گی۔'' سلطان شمس الدین التمشؒ نے بمشکل اپنے غصے کو ضبط کرتے ہوئے کہا اور پھر عورت کو سرکاری مہمان خانے میں داخل کرنے کا حکم دے دیا۔

اس کے بعد سلطان نے کئی بار عورت کو تنہائی میں طلب کیا۔ اسے حضرت قطبؒ کی روحانی عظمت کے بارے میں بتایا' سازش کے امکانات پر روشنی ڈالی مگر وہ اپنی بات پر قائم رہی۔

عورت تسلسل کے ساتھ ایک ہی بیان دے رہی تھی: ''حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ اس بچے کے باپ ہیں اور میں ان کی غیر شرعی بیوی۔''

سلطان التمش لرز کر رہ گیا اگرچہ وہ بھرے دربار میں حضرت قطبؒ کی بے گناہی کا اقرار کر چکا تھا لیکن کبھی کبھی شیطانی وسوسے اس کے ذہن کو تہہ و بالا کر دیتے تھے' کبھی وہ یہ سوچ کر مطمئن ہو جاتا تھا کہ خدا عنقریب اس سازش کا پردہ چاک کر دے گا اور کبھی وہ خیالوں میں حضرت قطبؒ کے کردار کی بلند ترین عمارت کو ریزہ ریزہ ہو کر بکھرتے ہوئے دیکھتا تھا۔ فرماں روائے ہند کی نیندیں حرام ہو چکی تھیں اور وہ ناقابل بیان اذیت میں مبتلا تھا۔ اکثر اس کی نم آلود آنکھیں آسمان کی طرف اٹھ جاتیں اور وہ زیر لب خدا کو پکارنے لگتا۔

دہلی کے در و دیوار پر وحشت خیز سناٹا تھا۔ شہر کے بیشتر لوگ اداس تھے کہ ان کا روحانی پیشوا تہمت کی خوفناک آندھیوں کی زد میں تھا......اور خود حضرت قطبؒ کی یہ حالت تھی کہ آپ کی بے چین نگاہیں اس شاہراہ پر جمی ہوئی تھیں جہاں سے گزر کر سلطان الہندؒ دہلی پہنچنے والے تھے مگر ابھی اہل یقین کیلئے اذیت و کرب کے طویل لمحات باقی تھے اور اجمیر سے دہلی بہت دور تھا۔

راہوں سے غبار اٹھتا رہا' ہندوستان کے دور دراز علاقوں سے مسافر آتے رہے مگر ان میں وہ ذات گرامی شامل نہیں تھی جس کا حضرت قطبؒ کو شدید انتظار تھا۔ دہلی کی شاہراہ خاص کو تکتے تکتے اہل دل کی آنکھیں پتھرا چکی تھیں مگر آنے والا ابھی تک نہیں آیا تھا۔ ایک بار پھر مخالفین کی شورش نے سر اٹھایا۔ دبی زبان میں سلطان شمس الدین التمش کو جانبدار کہا گیا' سرگوشیوں میں فرماں روائے ہند پر اس طرح نکتہ چینی کی گئی کہ اب اس مقدمے کا فیصلہ کبھی نہیں ہو سکے گا۔ یہاں تک کہ دہلی کے باشندے اپنے روز و شب کے ہنگاموں میں الجھ کر سب کچھ بھول جائیں گے۔ یہ سلطان شمس الدین التمش جیسے عادل بادشاہ پر بڑی جارحانہ تنقید تھی۔ خود مختار حکمران لرز کر رہ گیا۔ کئی بار اس کے دل میں آیا کہ فتنہ و شر پھیلانے والوں کی لمبی زبانیں کاٹ دے مگر وہ دستور دل سے مجبور تھا۔ خوف خدا نے التمش کو طاقت کے استعمال سے باز رکھا ورنہ ایک لمحے میں تہمتوں اور افواہوں کا یہ سلسلہ ہمیشہ کیلئے ختم ہو جاتا پھر کہنے والوں نے یہ بھی کہا کہ اگر مقدمہ عدالت میں لایا



گیا تو دولت شاہی کے ذریعے قاضی کا ضمیر خرید لیا جائے گا۔ دریدہ دہن لوگوں کو کسی طرح بھی قرار نہیں تھا۔ سلطان کے جاسوس اسے یہ اذیت ناک خبریں مسلسل پہنچا رہے تھے۔ آخر التمش سے برداشت نہ ہو سکا اور وہ بجھے ہوئے دل کے ساتھ حضرت قطبؒ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔

''سیدی!'' سلطان شمس الدین کا لہجہ افسردہ تھا۔ ''میں اس گستاخی کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ دوبارہ الزام تراشیوں کا ذکر کر کے شیخ محترم کو اضطراب میں مبتلا کروں۔ مجھے عمر بھر اذیت میں رکھنے کیلئے یہی احساس کافی ہے کہ میرے دور حکومت میں آپ کے لباس مبارک کو داغدار کیا گیا۔ اب مخالفین کو یہ شکایت ہے کہ میں انصاف سے کام نہیں لے رہا ہوں۔''

میں عدالت میں پیش ہونے کیلئے پہلے بھی تیار تھا اور اس وقت بھی آمادہ ہوں۔ معاذ اللہ! میں نے اپنے آپ کو بچانے کیلئے بہانہ سازی سے کام نہیں لیا ہے۔ پیر و مرشد کا یہی حکم ہے کہ وہ جب تک تشریف نہ لے آئیں۔ اس وقت تک کیلئے ساری کارروائیاں ملتوی کر دی جائیں۔ مجھے معلوم نہیں کہ پیر و مرشد ایسا کیوں چاہتے ہیں؟ بہر حال اہل شہر کچھ دن اور صبر کریں۔ شاہی عدالتیں زیادہ عرصے تک زحمت کش انتظار نہیں رہیں گی۔ سلطان الہندؒ دہلی پہنچنے ہی والے ہیں۔'' انتہائی ضبط کے باوجود حضرت قطبؒ کے دل کا درد لفظوں میں جھلکنے لگا تھا۔

''عام لوگوں کا خیال ہے کہ سلطان الہندؒ بہت زیادہ ضعیف ہو چکے ہیں۔ جسم کی یہ ناتوانی اس طویل سفر میں رکاوٹ بھی بن سکتی ہے۔'' شمس الدین التمش نے حضرت قطبؒ کے روبرو ان اندیشوں کا اظہار کیا جن کی بازگشت دہلی کی ایک ایک گلی میں سنائی دے رہی تھی۔

''انسانی عقل ایک محدود دائرے میں گردش کر سکتی ہے۔'' حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ نے فرمایا: ''بے شک! سلطان الہندؒ بہت کمزور ہو چکے ہیں۔ تقاضائے فطرت تو یہی ہے کہ اس عمر میں انہیں طویل سفر سے گریز کرنا چاہیے مگر ان حضرات کی کرم فرمائیوں کو کیا کہوں کہ جنہوں نے پیر و مرشد کو دہلی آنے کیلئے مجبور کر دیا ہے۔ سلطان الہندؒ صرف میری خاطر یہ تکلیف برداشت کر رہے ہیں۔ آخر اہل دنیا کو اس بات پر فکر مند ہونے کی کیا ضرورت ہے کہ حضرت خواجہؒ یہاں کس طرح پہنچیں گے؟ میں جس خدا کی پرستش کرتا ہوں اور جس کی کارسازی پر یقین رکھنا ایمان کی شرط اول ہے' وہی خدا اس بات پر بھی قادر ہے کہ وہ اپنے بندوں کیلئے زمین کے فاصلوں کو سمیٹ دے اور برسوں کے سفر کو لمحوں میں طے کرا دے۔'' حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ اس

طرح بول رہے تھے جیسے آپ اپنی آنکھوں سے قدرت خداوندی کو زمین پر نازل ہوتے دیکھ رہے ہوں۔

سلطان شمس الدین التمش کچھ دیر تک بارگاہ شیخ میں باادب بیٹھا رہا اور پھر اجازت لے کر چلا گیا۔

فتنہ پردازوں نے دوبارہ سلطان کے رویے پر تنقید کی تو فرماں روائے ہند کا پیمانہ صبر چھلک اٹھا۔ اس نے غضب ناک لہجے میں اہل دربار کو مخاطب کر کے کہا: ''میں نہیں جانتا کہ یہ شر پسند کون ہیں مگر خدا عنقریب ان لوگوں کو بے نقاب کر دے گا۔ میں اب تک اس بات کا انتظار کرتا رہا کہ شاید مفسدین اپنی اپنی حرکتوں سے باز آ جائیں لیکن وہ قہر خداوندی سے نہیں ڈرتے۔ جس مرد خدا کی مسیحائی سے بے شمار مریضوں نے شفا پائی' ہزاروں مفلسوں کو تنگدستی سے نجات ملی لاتعداد گمراہوں نے ہدایت حاصل کی' آج وہی ذات گرامی خوفناک تہمتوں کا ہدف بن کر رہ گئی ہے۔ کیا اہل شہر حضرت قطبؒ کی خدمات کا صلہ اس طرح دینا چاہتے ہیں؟ میں اس مرد بزرگ سے شرمسار ہوں کہ میرے دور اقتدار میں یہ اذیت ناک واقعہ پیش آیا۔ اگرچہ کسی دلیل کے بغیر کوئی دعویٰ نہیں کیا جا سکتا لیکن مجھے یقین ہے کہ بعض دنیاداروں نے حضرت قطبؒ کے خلاف یہ شرمناک سازش کی ہے' وہ اس بات پر مطمئن ہیں کہ ان کا منصوبہ کامیابی سے ہمکنار ہو جائے گا۔ کیا انہیں قدرت کے مزاج کا اندازہ نہیں؟ کیا وہ سمجھتے ہیں کہ خدا اپنے نام لیواؤں کو زمین پر تنہا چھوڑ دیتا ہے؟ ایسا ہرگز نہیں' یہ تو حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ پر ایک آزمائشی لمحہ ہے۔ جو بہر حال سلامتی سے گزر جائے گا۔ لوگ میری خاموشی پر معترض ہیں اور عدالت عالیہ کو مستقل بدنام کیا جا رہا ہے' کیا انہیں اس بات کا علم نہیں کہ اللہ نے اپنے بندے سلطان شمس الدین التمش کو اس ملک میں بے پناہ اختیارات عطا کیے ہیں اگر میں جانبدار ہوتا اور حضرت قطبؒ کو بچانے کی کوشش کرتا تو پھر یہ مقدمہ عدالت میں کس طرح پیش کیا جا سکتا تھا؟ جو لوگ میری نرم دلی سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ انہیں سمجھ لینا چاہیے کہ آئندہ اس قسم کی سرگوشیاں برداشت نہیں کی جائیں گی۔ میں سر دربار اعلان کر چکا ہوں کہ حضرت سلطان الہندؒ کی آمد کے بعد اس مقدمے کے فیصلے کا اعلان کیا جائے گا۔ جب اس عورت نے بھرے مجمع میں حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ پر الزام تراشی کی ہے تو پھر قانونی کارروائی بھی برسر عام ہوگی۔'' سلطان شمس الدین التمش نے انصاف کے نام پر فتنہ و فساد پھیلانے والوں کو در پردہ سخت تنبیہہ کی تھی۔ پھر اہل شہر نے دیکھا کہ



حکومت پر تنقید ختم ہوگئی تھی لیکن اشاروں میں گفتگو کا سلسلہ جاری تھا۔ لوگوں کے سیاہ قلب اور پراگندہ ذہن اب بھی خوف خدا کے احساس سے عاری تھے۔

بظاہر افواہوں اور نکتہ چینیوں کا سلسلہ رک گیا تھا مگر حضرت قطبؒ کی بے قراریوں کا وہی عالم تھا۔ آپ کی مضطرب نگاہیں مستقل اس راستے پر جمی ہوئی تھیں جہاں سے گزر کر حضرت معین الدین چشتیؒ دہلی پہنچنے والے تھے۔ یہ انتظار کسی عام انسان کا نہیں تھا۔ یہ ایک ایسے مرد پاکباز کا انتظار تھا جو اپنے بے گناہی ثابت کرنے کیلئے وکیل کی راہ تک رہا تھا۔ ایسا وکیل جس کی موجودگی مقدمے کی نوعیت کو یکسر بدل دینے کی صلاحیت رکھتی تھی۔

آخر کشمکش انتظار ختم ہوئی۔ اہل دل جن کی نبض ڈوبی جاتی تھی۔ اب انہیں نئی زندگی کا احساس ہو رہا تھا۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ طویل مسافت کے بعد دہلی تشریف لے آئے تھے۔ اس سے پہلے بھی سلطان الہندؒ نے اس تاریخی شہر میں دوبار قیام فرمایا تھا مگر آج آپ کی آمد کے باعث دہلی کے مسلمان باشندے ہیجان انگیز خوشی سے سرشار تھے۔ انسانی ہجوم گھروں سے نکل کر ''مہرولی'' کی طرف بڑھ رہا تھا جہاں حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ نے اپنی نئی خانقاہ تعمیر کی تھی۔

جب حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ دہلی تشریف لائے تھے تو آپ نے حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے حکم سے ''کیلوکھڑی'' میں سکونت اختیار کی تھی۔ کیلوکھڑی دہلی کا مضافاتی علاقہ تھا اور یہ جگہ مرکزی شہر سے بہت دور واقع تھی۔ حضرت قطبؒ فطری طور پر شہر کے ہنگاموں اور شور و غل سے دور رہنا پسند کرتے تھے مگر جب سلطان شمس الدین التمش آپ کا مرید ہوا تو آپ کیلوکھڑی کو چھوڑ کر مہرولی تشریف لے آئے۔ اس نقل مکانی کی وجہ یہ تھی کہ سلطان امور سلطنت سے فارغ ہونے کے بعد روزانہ حضرت قطبؒ کی قدم بوسی کو حاضر ہوتا تھا۔ محلات شاہی اور کیلوکھڑی کے درمیان زیادہ فاصلہ ہونے کے سبب شمس الدین التمش کو واپسی میں دیر ہو جاتی تھی آخر ایک دن اس نے حضرت کے روبرو اپنی مجبوریاں بیان کرتے ہوئے عرض کیا کہ وہ فرائض منصبی ادا کرنے کے ساتھ ساتھ بارگاہ شیخ میں روزانہ حاضری دینا چاہتا ہے۔ حضرت قطب سلطان کی گفتگو کا مفہوم سمجھ گئے تھے۔ اس لیے آپ نے محض اس کے جذبہ عقیدت سے مجبور ہو کر مہرولی میں قیام فرمایا۔ اس وقت حضرت سلطان الہندؒ مہرولی کی خانقاہ میں مقیم تھے۔ لوگ قطار در قطار آتے گئے اور خانقاہ کے باہر جمع ہوتے رہے۔ عقیدت مندوں کی بھیڑ حضرت خواجہ معین

الدین چشتیؒ کی ایک جھلک دیکھنے کیلئے بے قرار تھی۔ آخر غریب نواز بندگان خدا کی دلجوئی کیلئے خانقاہ کے دروازے پر تشریف لائے۔ لوگوں نے دیکھا کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ بہت ضعیف ہو چکے تھے۔ آپ کے چہرہ مبارک سے شدید نقاہت ظاہر ہو رہی تھی۔ پھر بھی ہونٹوں پر وہی جاں فزا تبسم موجود تھا۔ آپ کی یہ شان جمالی دیکھ کر لوگوں کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ حضرت سلطان الہند کو اپنے درمیان پا کر ہجوم کے جذبات بے قابو ہو گئے۔ کچھ لوگ ادب و احترام سے سر جھکائے ہوئے آگے بڑھے اور پھر حرف شکایت ان کی زبان پر آ گیا۔

''آپ ان فتنہ پردازوں کے حق میں بددعا کر دیجئے جو حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ پر الزام تراشی کر رہے ہیں۔ اب ہم لوگوں سے یہ اذیت ناک صورتحال برداشت نہیں ہوتی۔''

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے انسانی ہجوم کو دیکھا۔ ہر آنکھ میں رنج و الم کا دھواں تھا اور ہر چہرے پر حزن و ملال کی پرچھائیاں لرز رہی تھیں۔ ''میں خوش ہوں کہ تم نے اس آزمائش کے وقت میں اہل ہوس کا ساتھ نہیں دیا۔ اللہ تم پر اپنی رحمتیں نازل کرے۔'' حضرت سلطان الہندؒ نے اہل درد کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ''میں اس بات پر بھی خوش ہوں کہ تم نے قطبؒ کے غم کو اپنا غم سمجھا۔ قطبؒ کو میں نے دہلی میں متعین کیا تھا۔ اس لیے قطبؒ کی ذات میری ذات ہے۔ وہ الزام تراشیاں قطبؒ پر نہیں، براہ راست میں ان کا ہدف ہوں۔'' یہ کہتے کہتے حضرت سلطان الہندؒ کے چہرۂ مبارک پر ہلکا سا عکس جلال ابھر آیا تھا۔ آپ نے دوبارہ مجمع کی طرف دیکھا اور پرجوش لہجے میں فرمانے لگے:

''ہم سب رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت ہیں! اگر تم بھول گئے ہو تو میں تمہیں یاد دلا دوں کہ دشمنوں کو دُعا دینا آقا کی ممتاز ترین سنت ہے' جو لوگ آقا کی غلامی کا دم بھرتے ہیں انہیں ہر حال میں صبر کرنا چاہیے۔ اپنے کاموں کو اللہ کے سپرد کر کے کسی دوسری طرف دیکھنا شرک ہے۔ اللہ کی کارسازی پر یقین رکھو اور انتظار کرو کہ پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہونے والا ہے؟'' یہ کہہ کر آپ خانقاہ کے اندر تشریف لے گئے اور انسانی ہجوم اس طرح منتشر ہو گیا کہ ہر شخص اپنی جگہ مسرور و مطمئن نظر آ رہا تھا۔ پھر دیکھنے والوں نے دیکھا کہ اس بھیڑ میں چند ایسے لوگ بھی موجود تھے جنہیں حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی باتوں سے دلی تکلیف پہنچی تھی۔ وہ ہر حال میں حضرت خواجہ کو شرمسار اور حضرت قطبؒ کو گناہ گار دیکھنا چاہتے تھے۔ ان کی پست فطرتیں مسلسل اس بات کا تقاضا کر رہی تھیں کہ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ اپنی بے گناہی کا کوئی ثبوت پیش



نہ کر سکیں اور یہ مرد حق اہل شہر کے نزدیک معتوب و مجرم قرار پائے۔

جیسے ہی سلطان شمس الدین التمش کو حضرت خواجہ غریب نوازؒ کی آمد کی خبر ہوئی۔ وہ فوراً قدم بوسی کیلئے حاضر ہوا۔ آپ کے روبرو پہنچ کر سلطان کی حالت بھی غیر ہو گئی۔ وہ رقت آمیز لہجے میں عرض کرنے لگا۔

''خواجہ خواجگاں میرے حال زار پر کرم فرمایئے کہ اب دنیاداروں کا رویہ ناقابل برداشت ہو چکا ہے۔''

''سلطان! دنیا نے تو اہل ایمان کے ساتھ ہمیشہ یہی سلوک کیا ہے۔ آئندہ بھی تم اس کے طرز عمل میں کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے۔'' حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے شمس الدین التمش کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا: ''تمہارا منصب بڑا ہے اس لیے تمہیں زیادہ صابر ہونا چاہیے۔''

''شیخ محترم! یہ معاملہ اس ذاتِ گرامی کا ہے' جو ہمارے لیے مثالی حیثیت رکھتی ہے۔'' جوش جذبات میں فرماں روائے ہند کی آواز لرز رہی تھی۔ ''جسے دیکھ کر اہل ایمان روشنی حاصل کرتے ہیں اگر اس کی شخصیت ہی تہمتوں کی زد میں آ جائے تو پھر جہل و گمراہی کی سیاہ رات کہاں جا کر ٹھہرے گی؟'' سلطان شمس الدین التمش کی باتوں سے شدید کرب نمایاں تھا۔

''سلطان! خدا تمہیں حسن نیت کا صلہ دے۔'' حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے بڑی محبت سے فرمایا: ''تم نے جس طرح قطب کی عزت و توقیر کی ہے۔ اللہ بھی تمہیں دونوں جہان میں سربلند کرے گا۔''

''میں جب تک زندہ رہوں گا' دل کی یہ خلش بھی برقرار رہے گی کہ میرے دور حکومت میں حضرت قطبؒ کے پاکیزہ لباس کو داغدار کرنے کی کوشش کی گئی۔'' یہ کہتے کہتے سلطان شمس الدین التمش کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ ''خواجہ خواجگان! میں بھی دوسروں کی طرح آپ کا اور حضرت قطبؒ کا مجرم ہوں۔''

''سلطان! خالق کائنات تمہارے دل کی اس سوزش کو ہمیشہ قائم رکھے کہ یہ گداز ہی بندے کو اللہ تک پہنچاتا ہے اور یہ عجز و انکساری ہی میزان عدل قائم کرتا ہے۔'' حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ فرماں روائے ہند کے جذبۂ عقیدت سے بے حد متاثر ہوئے تھے۔ ''دنیا اپنا کام

کر رہی ہے' تم انصاف کے تقاضے پورے کرو۔ قطبؒ پر سرِ دربار الزام لگایا گیا تھا' اس لیے یہ مقدمہ سرِ دربار ہی طے ہوگا۔ اہلِ شہر کو بتادو کہ کل عدالت آراستہ ہوگی پھر خدا جسے چاہے گا رسوا کرے گا اور جسے چاہے گا عزت و تکریم بخشے گا۔''

سلطان التمش بارگاہِ خواجہؒ سے الٹے پاؤں رخصت ہوا اور اس کے جانے کے کچھ دیر بعد ہی پورا دہلی ایک ایسے اعلان سے گونجنے لگا جس کی دھمک لوگوں کو اپنے دل کے قریب محسوس ہو رہی تھی۔

وہ دن تاریخ ہندوستان کا ایک یادگار دن تھا۔ لوگ اپنے کاروبار معطل کر کے دربارِ شاہی کی طرف جا رہے تھے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے اہلِ شہر کو اس مقدمے کا فیصلہ سننے کے سوا کوئی دوسرا کام نہیں ہے۔ مسلمان تو مسلمان مقامی ہندوؤں کی بھی ایک بڑی تعداد قلعے کے چاروں طرف رواں دواں تھی۔ پتھر کے پجاری دل میں بہت خوش تھے۔ جن مسلمانوں نے ان کے ہاتھوں سے تخت و تاج چھینا تھا' آج اسی قوم کا روحانی پیشوا ایک ملزم کی حیثیت سے عدالت میں پیش ہونے والا تھا۔ اہلِ ہنود میدانِ جنگ میں شکست کھانے کے بعد ہر مقام پر مسلمانوں کو رسوا دیکھنا چاہتے تھے۔ ان کے نزدیک یہ ایک دلچسپ تماشا تھا۔ خود مسلمانوں میں بھی علماء کا ایک گروہ حضرت قطبؒ کی بدنامی پر بہت خوش نظر آ رہا تھا۔ اس کے برعکس حضرت قطبؒ کے عقیدت مند اداس نظر آ رہے تھے۔ ان کی زبانیں خاموش تھیں مگر دل مصروفِ دعا تھے۔ یہ ہجوم قلعے کے دروازے پر جا کر ٹھہر گیا تھا۔ عام انسانوں کو دربار میں داخل ہونے کی اجازت نہیں تھی۔

کچھ دیر بعد حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اپنے خلیفۂ اکبر حضرت قطبؒ کے ہمراہ تشریف لائے۔ قلعے کے باہر کھڑے ہوئے بے شمار انسانوں کے سر عقیدت سے جھک گئے۔ سپاہی جو پہرے پر موجود تھے انہیں پہلی بار اندازہ ہوا کہ حقیقی بادشاہت اسے کہتے ہیں۔ سلطان التمش حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کو شاہی اعزاز و احترام کے ساتھ دربار تک لانا چاہتا تھا مگر آپ نے یہ کہہ کر انکار کر دیا تھا کہ اس خاطر مدارات سے سلطان کی جانبداری ظاہر ہوگی اور عدالت کا وقار مجروح ہو جائے گا۔

جیسے ہی سلطان الہندؒ اور حضرت قطبؒ دربار میں داخل ہوئے بام و در پر لرزہ طاری ہو گیا۔ سلطان شمس الدین التمش احتراماً اپنی نشست سے اٹھا اور اس کے ساتھ ہی تمام امرائے دربار بھی کھڑے ہو گئے۔ یہاں تک کہ قاضی عدالت کو بھی اپنے فرماں رواں کی تقلید کرنی پڑی۔ حضرت



خواجہ معین الدین چشتیؒ نے دربار کا یہ رنگ دیکھا تو بلند آواز میں فرمایا:

''آج احترام کا یہ مظاہرہ جائز نہیں۔'' پھر آپ نے قاضی سے پوچھا: ''کیا مدعی عورت اور اس کا بچہ عدالت میں حاضر ہو چکے ہیں؟''

''جی ہاں! عورت اپنے بچے کے ہمراہ دربار میں موجود ہے۔'' قاضی نے قدرے تلخ لہجے میں کہا: ''عورت کا دعویٰ ہے۔''

اس سے پہلے کہ قاضی صاحب کی بات مکمل ہوتی' حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے درمیان میں مداخلت کرتے ہوئے فرمایا: ''جس دعوے کی زمانے میں تشہیر ہو چکی اسے دہرانے کی ضرورت نہیں۔ میں صرف عورت اور اس کے بچے کو دیکھنا چاہتا ہوں۔''

قاضی عدالت نے سپاہی کو اشارہ کیا۔ چند لمحوں بعد ایک عورت اس طرح دربارِ سلطانی میں داخل ہوئی کہ سر سے پاؤں تک چادر میں لپٹی ہوئی تھی اور اس کی گود میں تقریباً دو ماہ کا شیر خوار بچہ تھا۔ عورت آہستہ آہستہ قدموں سے چلتی ہوئی قاضی کے سامنے آ کے ٹھہر گئی۔ سلطان شمس الدین التمش سے لے کر دربار کے پہرے دار تک اپنی اپنی جگہ ساکت تھے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اور حضرت قطبؒ کے عارفانہ جلال نے لوگوں کے دلوں پر ہیبت طاری کر دی تھی۔

آخر سلطان الہندؒ آگے بڑھے اور انتہائی نرم لہجے میں عورت سے مخاطب ہوئے۔

''خاتون! یہ کیسی قیامت ہے کہ تم جیسی خانہ دار عورت کو بھرے دربار میں اپنا حق طلب کرنے کیلئے آنا پڑا۔'' حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی نظریں فرش پر جمی ہوئی تھیں اور چہرۂ مبارک سرخ ہو رہا تھا۔ دراصل آپ کو اس حیا سوز واقعہ سے شدید تکلیف پہنچی تھی۔ اس لیے عورت سے گفتگو کرتے وقت حضرت سلطان الہندؒ کو ناقابلِ بیان اذیت کا احساس ہو رہا تھا۔

''میں خود اپنا گھر چھوڑ یہاں تک نہیں آئی ہوں۔'' عورت نے سوگوار لہجے میں کہا: ''میری رسوائی کا سبب ان سے پوچھئے:'' عورت نے حضرت قطبؒ کی طرف اشارہ کیا۔ اس کا چہرہ بدستور چادر میں چھپا ہوا تھا۔

''معزز خاتون! تم اس شخص کو اچھی طرح جانتی؟'' حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے انتہائی قوتِ برداشت کا مظاہرہ کرتے ہوئے عورت سے حضرت قطبؒ کے بارے میں سوال کیا۔

''دنیا میں مجھ سے زیادہ ان کے متعلق کون جان سکتا ہے؟'' یہ کہتے کہتے عورت رونے لگی تھی۔ ''یہ میرے غیر شرعی شوہر ہیں۔ انہوں نے مجھ سے شادی کا وعدہ کیا تھا مگر بعد میں نظریں پھیر لیں اور اپنے ہر وعدے کو فراموش کر دیا۔ اب میں ایک بے سہارا عورت اپنے جسم پر تہمتوں کے داغ سجائے ہوئے در در بھٹک رہی ہوں۔'' عورت بڑے دردناک لہجے میں فریاد کر رہی تھی۔

''یہ تمہارا غیر شرعی شوہر ہے؟'' حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کا چہرہ متغیر ہو گیا تھا۔ آپ کو قطعاً یہ امید نہیں تھی کہ عورت اس بے باکی کے ساتھ حضرت قطبؒ پر الزام تراشی کرے گی۔

''یہ شخص جو کمسنی کے عالم میں اپنا گھر چھوڑ کر بندگان خدا کو ہدایت دینے کیلئے نکلا تھا' جسے میں نے اپنے بچے کی طرح پرورش کیا ہے' جس کے کردار کی بلندی کو سارا عالم جانتا ہے' وہ اتنا عہد شکن اور سیاہ کار بھی ہو سکتا ہے؟'' انتہائی برداشت کے باوجود سلطان الہندؒ کی آواز سے رقت جھلکنے لگی تھی۔ ''کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتیں؟'' حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے بڑے جذباتی انداز میں عورت کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ''اگر کوئی بھٹکا ہوا مسافر منزل کی طرف لوٹ آئے تو اسے گم کردہ راہ نہیں کہہ سکتے۔ ابھی وقت ہے کہ تم رجوع کر لو۔ کوئی گناہ نہیں کہ اگر بندہ تائب ہو جائے تو اللہ اسے معاف نہ کرے۔''

''جب میں نے کوئی گناہ نہیں کیا تو کس بات سے توبہ کروں۔'' عورت غمزدہ ہونے کے باوجود بہت بے باکی سے بول رہی تھی۔ ''خوف خدا تو انہیں نہیں آتا' جو دوسروں کی زندگی سے کھیلتے ہیں۔''

''اہل دربار تم گواہ رہنا کہ حجت پوری ہو چکی۔'' یکایک حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے لہجے میں تبدیلی آ گئی تھی اور ان کے الفاظ سے جلال روحانی کا اظہار ہو رہا تھا۔ ایک بار پھر ایوان شاہی کے در و بام ساکت ہو گئے۔ ''میں نے تجھے دوزخ کی اس نادیدہ آگ سے بچانا چاہا جسے تیری بیمار آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں مگر انسان کی کیا طاقت ہے کہ وہ کسی کو عذاب آسمانی سے محفوظ رکھ سکے' جب تک کہ اللہ نہ چاہے۔'' حضرت سلطان الہندؒ اس عورت سے مخاطب تھے جو بہت دیر سے اپنے آپ کو مظلوم ثابت کر رہی تھی۔ ''تو نے اپنے نفس پر بڑا ظلم کیا ہے۔ کاش! تجھے کوئی بتاتا کہ کسی معصوم انسان پر تہمت طرازی کتنا بڑا گناہ ہے؟''



''عدالت میں وعظ و نصیحت کی کوئی گنجائش نہیں۔'' قاضی نے درمیان میں مداخلت کرتے ہوئے کہا: ''دنیا میں کسی بھی انسان سے گناہ سرزد ہو سکتا ہے۔ عورت کے بیانات کو صرف اس لیے جھٹلایا نہیں جا سکتا کہ ملزم خانقاہ میں بیٹھنے والا ایک بزرگ خرقہ پوش ہے۔''

قاضی عدالت دہلی کے ممتاز علماء کی جماعت سے تعلق رکھتا تھا۔ اس پورے گروہ کو سلطان شمس الدین التمش کے دربار میں بڑے بڑے عہدے حاصل تھے۔ یہ علمائے ظاہر نظام خانقاہیت کو سخت ناپسند کرتے تھے۔ ان تمام حضرات کو صوفیوں کے مسلک سے خاص عداوت تھی۔ یہ لوگ خانقاہ کے گوشے میں بیٹھنے والے درویشوں کو بے عمل سمجھ کر ان کے طرز زندگی پر کڑی نکتہ چینی کرتے تھے۔ آج قاضی عدالت اپنے اسی فطری تعصب کا مظاہرہ کر رہا تھا تاکہ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ اور ان کے تمام عقیدت مند سلطان شمس الدین التمش کی نگاہ میں بے وقعت ہو جائیں۔

''قاضی محترم! آپ کا یہ قول درست ہے کہ کوئی بھی انسان گناہ کا مرتکب ہو سکتا ہے۔'' حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اس طرح بول رہے تھے کہ آپ پر شیریں سخنی ختم ہو چکی تھی۔ ''خانقاہ کے ایک گوشے میں چھپ کر بیٹھنے والے بھی مجرم ہو سکتے ہیں۔ مگر کیا یہ شخص قطب الدین بختیار کاکیؒ آپ کی نظر میں گناہ گار ہے؟'' حضرت سلطان الہندؒ نے قاضی عدالت سے ایک عجیب سوال کر ڈالا تھا۔

قاضی چند لمحوں کیلئے حیران رہ گیا پھر اپنی سراسیمگی پر قابو پاتے ہوئے بولا: ''اس مقدمے کا تعلق میری ذات سے نہیں۔ اگر میں قطب الدین بختیار کاکیؒ کو بے گناہ سمجھ بھی لوں تو اس سے کیا فرق پڑے گا۔ یہ کرسی عدالت ہے جس پر مجھے حضرت سلطان کے حکم سے بٹھایا گیا ہے' اس کرسی پر بیٹھنے والا ملزم سے ثبوت طلب کرتا ہے۔ مجھے قطب الدینؒ سے کوئی پرخاش نہیں۔ وہ اپنی بے گناہی کا ثبوت فراہم کریں اور باعزت طور پر اپنی خانقاہ کی طرف لوٹ جائیں۔'' قاضی عدالت بظاہر نہایت معقول لہجے میں گفتگو کر رہا تھا لیکن اہل نظر جانتے تھے کہ اس کی نیت صاف نہیں تھی۔ وہ حضرت قطبؒ کی عوامی شہرت اور روحانیت کے بلند درجات سے حسد رکھتا تھا۔ بغض و کینہ کی اس آگ نے قاضی کو یہاں تک جلایا تھا کہ اس کے دل و دماغ سیاہ ہو کر رہ گئے تھے اور اب اس کثافت کے باعث وہ حضرت قطبؒ کو سر دربار رسوا کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''کیا اللہ کی راہ میں قطبؒ کا یہ طویل ترین سفر اس کی بے گناہی کیلئے کافی نہیں؟'' حضرت

خواجہ معین الدین چشتیؒ نے قاضی دالت کی مخاصمانہ گفتگو سن کر سوال کیا۔

''عدالت کی نگاہ میں اس کی کوئی حیثیت نہیں کہ ایک شخص دن کو روزہ رکھتا ہے اور رات میں مسلسل جاگ کر عبادت کرتا ہے۔'' قاضی عدالت کا لہجہ تلخ تو نہیں تھا مگر اس سے بے مروتی صاف ظاہر ہو رہی تھی۔ ''زہد و تقویٰ اپنی جگہ ہے اور ایک عورت کا دعویٰ اپنی جگہ۔ قطب الدین کی عبادت و ریاضت محض خدا کیلئے ہے۔ وہ اپنے اس فعل کیلئے اللہ کے سامنے جوابدہ ہیں۔ ہم ان سے اس سلسلے میں باز پرس کا کوئی حق نہیں رکھتے۔ عدالت میں ایک عورت نے اپنی حق تلفی کا دعویٰ دائر کیا ہے۔ ہم اسی دعوے کی روشنی میں قطب الدینؒ سے ان کی بے گناہی کا ثبوت مانگتے ہیں۔ اس ذیل میں یہ دلیل قابل قبول نہیں ہو سکتی کہ ایک شخص کتنا متقی اور پرہیزگار ہے؟''

''پھر کس طرح بے گناہی کا ثبوت پیش کیا جائے؟'' حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے فرمایا:

''قطب بارہا اس بات کا اقرار کر چکا ہے کہ مدعی عورت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ عدالت اس اعلان کو کیوں کافی نہیں سمجھتی؟''

''اپنے بارے میں ملزم کی اپنی گواہی قانونی اعتبار سے کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔'' قاضی عدالت نے اعتراض کیا۔ ''عدالت کی نظر میں اس بات کی اہمیت ہے کہ ملزم کی بے گناہی پر غیر متعلق افراد کس انداز میں شہادت پیش کرتے ہیں؟''

''اگر آپ کا معیار شہادت یہی ہے تو پھر پورا ہندوستان قطب کی معصومیت پر گواہی دے رہا ہے مگر بدقسمتی سے آپ ان آوازوں کو سننے کی کوشش نہیں کر رہے ہیں۔'' حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے انتہائی تحمل اور برداشت کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرمایا:

''یہ تمام لوگ قطب الدینؒ کے عقیدت مند ہیں اور عقیدت انسان کو اندھا کر دیتی ہے۔'' قاضی عدالت نے دوسرا اعتراض اٹھایا۔ ''عقیدت میں انسان بہرا بھی ہو جاتا ہے۔ اس میں اپنے ممدوح کے خلاف کوئی بات سننے کی ہمت باقی نہیں رہتی۔ گواہیاں ان لوگوں کی قبول کی جاتی ہیں جو غیر جانبدار ہوتے ہیں۔''

''آپ کا یہ نقطۂ نظر مجہول ہے۔'' حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے قاضی عدالت کو سمجھاتے ہوئے فرمایا:



''شہادت کے پیش ہوتے وقت صرف یہ دیکھا جاتا ہے کہ گواہ صادق القول ہے یا کاذب؟ سود خور ہے یا رزق حلال کھانے والا؟ صراط مستقیم پر چلنے والا ہے یا گم کردہ راہ؟ اپنے دل میں خوف خدا رکھتا ہے یا دنیا کی ہوس؟ بدمعاملہ ہے یا امانت دار؟'' حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اسلامی عدالت میں پیش ہونے والے ایک گواہ کی صفات اس طرح بیان فرما رہے تھے کہ پورے دربار پر سناٹا طاری تھا۔

ایک مرد کامل کی جرأت گفتار دیکھ کر قاضی عدالت کے چہرے کا رنگ اڑا جا رہا تھا۔ اس نے بمشکل اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کی اور اہل دربار کی نظروں میں اپنا بھرم قائم رکھنے کیلئے حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی باتوں کو جھٹلانے لگا: ''میں فقہ کا عالم ہوں اور اسلامی قانون کی باریکیوں کو خانقاہ کے گوشے میں بیٹھنے والے درویش سے زیادہ بہتر سمجھتا ہوں۔'' علم ظاہری کے خمار نے قاضی عدالت کے ہوش و حواس چھین لیے تھے اور وہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کو ایک عام خرقہ پوش انسان سمجھ کر گفتگو کر رہا تھا اور اس کی لاف زنی کو دیکھ کر سلطان شمس الدین التمش اور بیشتر درباریوں کی پیشانیوں پر بل پڑ گئے تھے مگر عدالت کے احترام میں کسی ایک شخص نے بھی اپنے ہونٹوں کو جنبش نہیں دی تھی۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ تو اس مزاج کے انسان ہی نہیں تھے۔ آپ نے قاضی عدالت کی تلخ بیانی کو ایک دلنواز تبسم کے ساتھ نظر انداز کرتے ہوئے فرمایا: ''بے شک! آپ اسلامی قانون کا بہت زیادہ علم رکھتے ہیں۔ اگر آپ میں قانون دانی کی یہ غیر معمولی صفت موجود نہیں ہوتی تو پھر کرسی عدالت پر کس طرح جلوہ افروز ہوتے؟'' یہ کہہ کر حضرت سلطان الہندؒ نے قاضی عدالت کی طرف غور سے دیکھا مگر اس کے چہرے پر شرمساری کی ہلکی سی علامت بھی نمایاں نہیں تھی۔ منصب قضا کے عہدے پر فائز ہونے کے احساس نے اس کے سر کو کچھ اور بلند کر دیا تھا۔

''اگر آپ قطبؒ کی گواہی کو اہمیت نہیں دیتے تو پھر عورت کی طرف سے چار گواہ پیش کریں جو اس کی خانقاہ کے ایک گوشے میں بیٹھنے والے خرقہ پوش کی غیر شرعی بیوی ثابت کر سکیں۔'' حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے قاضی عدالت کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ''جب آپ کی عدالت قطبؒ کے انکار کو تسلیم نہیں کرتی تو پھر عدالت کے تنہا اقرار کو مقدمے کی بنیاد کیوں بنایا جا رہا ہے؟'' حضرت سلطان الہندؒ نے ایک عقلی اور مذہبی دلیل پیش کی جسے سن کر اہل دربار حیران رہ گئے

اور قاضی بھی سراسیمگی کا شکار نظر آنے لگا۔

''عورت کے گواہ عدالت میں موجود ہیں۔'' قاضی نے اپنی گھبراہٹ پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

''پھر انہیں تمام حاضرین کے سامنے پیش کیا جائے۔'' حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے اصرار کیا۔

''جب تم لوگوں نے ایک مردِ خدا کو تماشا بنا ہی دیا ہے تو پھر ضروری ہے کہ اس شہر کے دوسرے پارسا بھی بے نقاب ہو جائیں۔'' اب حضرت سلطان الہندؒ کے لہجے میں جلال ظاہر ہونے لگا تھا۔

''عورت کے دعوے کی صحت پر گواہی دینے عدالت کے سامنے حاضر ہوں۔'' قاضی نے دربار کی پچھلی صفوں پر نظر ڈالتے ہوئے بلند آواز میں کہا۔

دوسرے ہی لمحے صدر دروازے کے قریب سے چار تنومند افراد اٹھے اور دبے قدموں سے جھکتے ہوئے آگے بڑھے۔ اہل دربار نے ان لوگوں کو دیکھا۔ وہ اپنے لباس سے درمیانی طبقے کے لوگ نظر آتے تھے مگر ان کے چہروں پر سختی اور اور بے رحمی کے جھلک دکھائی دیتی تھی۔ وہ چاروں قاضی عدالت کے سامنے آ کر کھڑے ہو گئے۔

ابھی قاضی ان سے کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ گواہوں سے مخاطب ہوئے۔ ''تم یہ بات کس طرح کہتے ہو کہ مدعی عورت قطبؒ کی غیر شرعی بیوی ہے اور یہ بچہ اس کی غیر قانونی اولاد؟'' حضرت سلطان الہندؒ کی آواز سن کر ایک بار پھر دربار پر سناٹا طاری ہو گیا۔

مقدمہ تیزی سے اپنے انجام کی طرف بڑھ رہا تھا اور حاضرین اس الزام تراشی کا منطقی نتیجہ جاننے کیلئے بے قرار تھے۔ چاروں گواہوں نے بیک وقت حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے چہرۂ مبارک کی طرف دیکھا۔ پھر یکایک ان کے جسموں پر لرزہ طاری ہو گیا۔

''بتاؤ کہ قطب الدین بختیار کاکیؒ سے اس عورت کا کیا رشتہ ہے؟'' قاضی عدالت نے گواہوں سے سخت لہجے میں کہا۔



گواہوں کی مایوس نگاہیں پلٹیں اور چاروں آدمی قاضی کو اس طرح دیکھنے لگے جیسے وہ ان کیلئے اجنبی ہو یا پھر اس کی بات ان کی سمجھ میں نہ آئی ہو۔

''تم بولتے کیوں نہیں؟'' قاضی عدالت کا لہجہ مزید سخت ہو گیا تھا۔

گواہوں کی وحشت بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ کبھی حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اور کبھی قاضی کی جانب دیکھ رہے تھے۔ ان سے بیان دینے کے سلسلے میں مسلسل کہا جاتا تھا لیکن وہ اب تک اپنی زبانوں سے ایک لفظ بھی ادا نہیں کر سکے تھے۔ اہل دربار نے دیکھا کہ گواہوں کے ہونٹ کانپ کر رہ جاتے تھے۔ یوں لگتا تھا کہ جیسے ان کی قوت گویائی سلب کر لی گئی ہو۔ سلطان شمس الدین سے لے کر ایک ایک درباری تک سب کے سب حیران تھے۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ جن لوگوں کو اس قدر طمطراق اور یقین کے ساتھ بطور گواہ پیش کیا گیا تھا ان کی زبانیں اس طرح گنگ ہو جائیں گی۔

''بولو! میری مجبوریوں پر گواہی دو۔'' ناگہاں وہ عورت سرِ دربار چیخنے لگی۔ ''عدالت کو بتاؤ کہ قطب الدین بختیار کاکیؒ اس مظلوم بچے کے باپ ہیں۔'' عورت ان گواہوں کو مخاطب کر کے دردناک لہجے میں فریاد کر رہی تھی۔ ''تم تو سارے حالات سے آشنا ہو پھر تمہیں کیوں چپ لگ گئی ہے؟ کیا اس دنیا میں ایک ستم رسیدہ عورت کا کوئی پرسانِ حال نہیں؟ کیا ایک شخص کے تقدس کا بھرم قائم رکھنے کے لیے انصاف کے تمام تقاضوں کو پامال کر دیا جائے گا؟'' گواہوں کو خاموش دیکھ کر عورت پر ہذیانی کیفیت طاری ہو گئی تھی اور اس کی گریہ وزاری سے پورا دربار گونجنے لگا تھا۔ ''خاتون!'' دفعتاً دربار میں سلطان شمس الدین التمش کی آواز ابھری۔ ''ہم یہ جانتے ہوئے بھی کہ تمہارے دعوے سے ہندوستان کی ایک عظیم مذہبی شخصیت شدید بدنامیوں کی زد میں آ جائے گی، تمہیں انصاف فراہم کرنے کی پوری کوشش کی مگر آج صورتحال یہ ہے کہ تمہاری مظلومیت پر گواہی دینے کیلئے ایک شخص بھی موجود نہیں۔'' یہ کہتے کہتے سلطان کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا تھا۔

''ظل الٰہی!'' عورت خوف سے کانپنے لگی۔ ''یہ لوگ جو کل تک چیخ چیخ کر میرے حق میں گواہیاں دے رہے تھے آج رعب شاہی نے ان کی زبانوں پر مہر لگا دی ہے۔'' عورت کے بہتے ہوئے آنسو رک گئے تھے اور اب وہ نئے انداز میں اپنی وکالت کر رہی تھی۔ ''گواہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ سلطان کو قطب الدین بختیار کاکیؒ سے کیا نسبت ہے؟ اسی نسبت نے ان کی وقتی گویائی چھین لی ہے۔ وہ ظل الٰہی کے پیر و مرشد کے خلاف کس طرح گواہی دے سکتے ہیں؟ انہیں

اپنے انجام سے ڈر لگتا ہے۔ اگر قاضی عدالت ان سے تنہائی میں بیان لیں تو یہ سب کچھ بتا دیں گے۔" عورت نے اپنی ذہانت سے مقدمے کا نیا رخ دینے کی کوشش کی تھی۔

"ہاں ظل الٰہی! میں بھی یہی سمجھتا ہوں کہ جلال شاہی نے انہیں خوفزدہ کر دیا ہے۔" جیسے ہی عورت کی گفتگو ختم ہوئی قاضی عدالت بول پڑا۔ اہل دربار ایک منصف کی اس حرکت پر چونک اٹھے۔ اب بیشتر لوگوں کو محسوس ہونے لگا تھا کہ قاضی عدالت اس مقدمے جانبداری سے کام لے رہا ہے۔

"سچائی کسی سے خوفزدہ نہیں ہوتی۔" سلطان شمس الدین التمش غضب ناک ہو گیا۔ "اگر فرماں روائے وقت بھی کوئی جرم کرتا ہے تو لوگوں کو پوری صداقت کے ساتھ گواہی دینی چاہیے۔ جب ایک معزز ترین انسان پر سر دربار اتنا گھناؤنا الزام عائد کیا گیا ہے تو مقدمے کی کارروائی بھی سب کے سامنے ہوگی۔ اگر چاروں گواہ جھوٹے ثابت ہوئے تو انہیں تہمت طرازی کے جرم میں سخت ترین سزا سے گزرنا ہوگا۔" یہ کہہ کر سلطان شمس الدین التمش خاموش ہو گیا۔

دیکھنے والوں نے دیکھا کہ التمش کا یہ اعلان سنتے ہی تمام گواہوں کے چہرے اس طرح زرد ہو گئے تھے جیسے وہ اپنے عقب میں موت کے بڑھتے ہوئے قدموں کی آہٹ سن رہے ہوں۔ ایک بار پھر ان چاروں نے پوری توانائی کے ساتھ بولنے کی کوشش کی مگر ناکام رہے۔ ابھی یہ اذیت ناک کشمکش جاری تھی کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کو ان بدنصیب انسانوں پر رحم آ گیا۔

"سلطان! یہ زر خرید غلام مجبور ہیں۔ ان کی زبانوں نے ہمیشہ کیلئے ان کا ساتھ چھوڑ دیا ہے۔"

"سیدی! پھر یہ مسئلہ کس طرح طے ہوگا؟" سلطان شمس الدین التمش نے نہایت ادب و احترام کے ساتھ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ سے عرض کیا۔

"جس ذات بے نیاز نے اپنے عاجز بندے معین الدین کو اس ضعیفی کے عالم میں اجمیر سے دہلی تک پہنچایا ہے وہی اس نازک مقام پر بھی دستگیری کرے گا۔" سلطان التمش کے سوال کا جواب دے کر حضرت خواجہ غریب نوازؒ قاضی عدالت سے مخاطب ہوئے۔ "بے شک آپ کا علم وسیع ہے مگر دل و دماغ کشادہ نہیں ہیں۔ اسلامی قانون کے مطابق منصف کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ مقدمے کے دوران آخری لمحے تک غیر جانبدار رہے۔ میں اس کا گلہ نہیں کرتا کہ آپ نے قطبؒ سے حسن ظن نہیں رکھا۔ مجھے شکایت ہے کہ آپ نے ایک مرد حق سے بدگمانی کی۔ ثبوت طلب کرنا



یقیناً انصاف کا تقاضا ہے مگر الزام تراشی کرنے والوں کو سہارا دینا عدل کا خون ہے۔" حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی حقیقت بیانی سے قاضی عدالت کے چہرے کا رنگ بدل گیا مگر اس سے پہلے وہ کہ اپنے دفاع میں کسی بہانہ سازی سے کام لیتا' حضرت سلطان الہندؒ نے اسے ہاتھ کے اشارے سے روکتے ہوئے فرمایا۔ "اب ساری وضاحتوں کا وقت گزر چکا۔ عدالت کا یہ فرض اوّلین تھا کہ وہ اپنے ذرائع سے دونوں فریقوں کے بارے میں تحقیقات کراتی۔ اسے اس بات کا احساس ہونا چاہیے تھا کہ الزام تراشی کرنے والی عورت کون ہے اور جس پر الزام عائد کیا گیا ہے' وہ کس کردار کا مالک ہے؟ مقدمے کی کارروائی سے پہلے اس حقیقت کا ادراک ضروری تھا مگر ایسا نہیں کیا گیا۔ لوگ اپنے انجام سے اس قدر بے پروا ہو گئے ہیں کہ پارساؤں کے لباس کو داغدار کرتے وقت انہیں کوئی جھجک محسوس نہیں ہوتی۔ میں یہاں کچھ ایسے چہرے بھی دیکھ رہا ہوں' جو قطبؒ کی رسوائی پر مطمئن نظر آتے ہیں لیکن اہل دنیا کا یہ اطمینان بہت عارضی ہے' انہیں کیا معلوم کہ آنے والے لمحے ان کے سکون کو غارت کر کے رکھ دیں گے۔ لوگ اس بات پر خوش ہیں کہ قطبؒ اپنی بے گناہی ثابت کرنے سے قاصر ہے۔ افسوس! وہ یہ راز نہیں جانتے کہ میرا خدا قطبؒ کو کسی کی بے گناہی کا محتاج نہیں کرے گا۔" یہ کہہ کر حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے اس عورت کی طرف دیکھا جو بے کسی کا مجسمہ بنی ہوئی سر دربار کھڑی تھی۔

"خاتون! اس بچے کے چہرے سے چادر ہٹا دو۔" حضرت سلطان الہندؒ نے مدعی عورت سے فرمایا۔

"تمہارا بچہ خود اہل دربار کو بتا دے گا کہ اس کا باپ کون ہے؟ تمہیں اب مزید انتظار کی زحمت برداشت نہیں کرنی پڑے گی۔" جیسے ہی حضرت خواجہ غریب نوازؒ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ ادا ہوئے پورے دربار پر سکوت مرگ طاری ہو گیا۔ ہر شخص حیرت زدہ تھا اور اسے اپنی سماعت پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ خود عورت بھی چند لمحوں کیلئے کسی پتھر کی طرح ساکت ہو کر رہ گئی تھی۔

پھر اس نے اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کی اور ڈرتے ڈرتے کہنے لگی۔ "یہ دو ماہ کا شیر خوار بچہ کس طرح بولے گا؟" کسی نامعلوم خوف کے اثر سے عورت کی آواز کانپ رہی تھی۔

"آج اس کے بولنے کا دن ہے۔" حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے جواباً فرمایا اور پھر قاضی عدالت سے مخاطب ہو کر کہا: "آپ کی عدالت میں یہ معصوم گواہ موجود ہے۔ کیا قانون اس

کی شہادت قبول کرے گا؟'' حضرت سلطان الہندؒ کا سوال بڑا عجیب تھا۔

''شہادت تو بہت دور کی بات ہے' یہ بچہ بولے گا کس طرح؟'' قاضی کی زبان میں لکنت صاف محسوس ہو رہی تھی۔

''جس نے بچے کو پیدا کیا ہے وہی اپنے ایک بندے کی خاطر اسے قوت گویائی بھی عطا کرے گا۔'' آج اجمیر کا ایک خرقہ پوش اس طرح بول رہا تھا کہ علمائے ظاہری کی عقل ٹھوکریں کھا رہی تھی اور فرطِ حیرت سے آنکھوں کی پتلیاں کانپ رہی تھی۔

''مگر یہ سب کچھ خلاف فطرت ہے۔'' اب قاضی عدالت کی آواز کی لرزش پہلے سے زیادہ نمایاں ہو گئی تھی۔

''اللہ ہر شے پر قادر ہے۔'' حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے فرمایا: ''فطرت بھی اس کے حکم کی تابع ہے۔ وہ جس طرح چاہتا ہے' اپنا حکم نافذ کرتا ہے۔ آپ قدرت کے رازوں کو سمجھنے کی بجائے اس بچے سے اس کے باپ کا نام و نشان دریافت کریں۔''

اب قاضی عدالت کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ کرسی انصاف سے نیچے اتر آئے اور اپنی زندگی کے ایک ناقابل بیان مرحلے سے گزرنے کی کوشش کرے۔ ابھی وہ ذہنی کشمکش کا شکار تھا کہ اچانک سلطان شمس الدین التمش بول پڑا۔

''آپ سلطان الہندؒ کی بات پر عمل کیوں نہیں کرتے؟ انصاف کی تلاش میں منصف کو تو جان لیوا راستوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ پھر یہ تو ایک آسان مرحلہ ہے۔''

والیٔ ہندوستان کی مداخلت نے قاضی کو کرسی چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ وہ ناگوار انداز میں انصاف کی مسند سے نیچے اترا اور پھر آہستہ آہستہ عورت کے قریب پہنچ کر رک گیا۔

پھر حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے کہنے پر عورت نے اپنے کانپتے ہاتھوں سے بچے کا منہ کھولا۔ وہ ایک خوبصورت بچہ تھا' جو بہت دیر سے اپنی ماں کی آغوش میں سو رہا تھا اور اسے اس بات کی خبر بھی نہیں تھی کہ اس کی پیدائش کے سبب دہلی میں کتنا بڑا ہنگامہ کھڑا ہو گیا ہے۔ جیسے ہی دربار کی روشنی بچے کے چہرے پر پڑی اس نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں اور رونے لگا۔

''یہ رونے کے سوا کچھ نہیں کر سکتا۔'' قاضی عدالت کا لہجہ تمسخر آمیز تھا۔



''آپ اس سے اس کے باپ کا نام پوچھیں۔'' حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے قاضی کے تضحیک آمیز رویے کو نظر انداز کرتے ہوئے فرمایا۔

قاضی بادلِ ناخواستہ بچے کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر اس نے جبراً تیز آواز میں پکار کر کہا۔

''بچے! کیا تو اپنے باپ کا نام جانتا ہے؟''

اہلِ دربار اپنی اپنی نشستوں پر ساکت ہو گئے تھے اور ان کی سماعتیں بچے کا جواب سننے کی منتظر تھیں مگر بچے پر قاضی کی آواز کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ قاضی نے دوسری بار اور پھر تیسری بار اپنا سوال دہرایا لیکن جواب میں بچے کی ہلکی ہلکی چیخیں سنائی دیتی رہیں۔ قاضی عدالت جو چند لمحوں کیلئے دہشت زدہ ہو گیا تھا' مطمئن نظر آنے لگا۔ اس کے ہونٹوں پر ایک تحقیر آمیز ہنسی تھی اور وہ بار بار حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جیسے سلطان الہندؒ کا مذاق اڑاتے ہوئے کہہ رہا ہوں کہ اتنے کم سن بچے بات نہیں کرتے۔ چاہے کوئی شخص اپنی کرامت کا سہارا لے مگر یہ ممکن نہیں ہے۔ بچہ مسلسل رو رہا تھا۔ اب عورت کی دہشت بھی ختم ہو گئی تھی اور وہ حسب سابق بیباک انداز میں سلطان شمس الدین التمش سے کہہ رہی تھی۔

''ظلِ الٰہی! کب تک ایک مجبور عورت کا اس طرح مذاق اڑایا جائے گا؟ میں پہلے ہی بہت تماشا بن چکی ہوں۔ اب اس جانِ حزیں پر کرم کیجئے اور عدالت کو حکم دیجئے کہ وہ مجھے مزید تماشا نہ بنائے۔'' عورت نے ایک بار پھر اپنے دردناک لہجے سے عدالت کو متاثر کرنے کی کوشش کی تھی۔

مگر اس سے پہلے دربار میں جو ہلچل سی پیدا ہوئی تھی۔ وہ اچانک ختم ہو گئی۔ پھر اہلِ دربار نے ایک حیرت انگیز منظر دیکھا۔ بچہ جو اپنی ماں کی آواز سن کر بھی خاموش نہیں ہوا تھا۔ وہ حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے پکارتے ہی چپ ہو گیا۔

''اے بدنصیب روح! تیرے ماں باپ نے تیری معصوم جان پر بڑا ظلم کیا ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ آنے والا وقت تجھے کس نام سے یاد کرے گا؟'' حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اس طرح باتیں کر رہے تھے جیسے وہ شیرخوار بچہ آپ کی گفتگو کا مفہوم سمجھ رہا ہو۔ پھر سلطان الہندؒ نے قاضی عدالت اور فریادی عورت کی طرف دیکھا۔ وہ دونوں ایک بار پھر پریشان نظر آنے لگے۔ اچانک حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے دربار کی چھت پر نظر ڈالی۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے آپ آسمان کی طرف دیکھ رہے ہوں مگر درمیان میں سرخ پتھر حائل تھا۔

''خدایا! تو اپنے بندوں کے گناہوں کی پردہ پوشی کرنے والا ہے۔ میں نے بہت کوشش کی کہ یہ اذیت ناک حقیقت دنیا پر ظاہر نہ ہو مگر تو علیم و خبیر ہے کہ بچھ عاقبت نااندیش لوگوں نے میرے اور قطبؒ کیلئے عافیت کا کوئی راستہ باقی نہیں چھوڑا۔ خداوندا! تیرا یہ عاجز بندہ معین الدین، تجھ سے رحم اور معافی کا طالب ہے۔''

حضرت سلطان الہندؒ نے یہ مختصر سی دعا مانگی اور پھر بچے کے بہت نزدیک آ گئے۔ اہل دربار کی سانسیں رکی ہوئی تھیں۔ جو لوگ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے مقام روحانی سے ذرا بھی واقف تھے ان کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئی تھیں۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ اب چند لمحوں بعد ہی کوئی عجیب و غریب واقعہ پیش آنے والا ہے اور پھر ایسا ہی ہوا۔ حضرت سلطان الہندؒ نے اپنا دایاں ہاتھ بچے کے ہونٹوں پر رکھ دیا' پھر نہایت محبت آمیز لہجے میں فرمایا:

''اے جان معصوم! تو بے قصور ہے' ہر شخص کو اپنے گناہوں کا بوجھ خود اٹھانا پڑے گا۔ میں تجھے تکلیف دینا نہیں چاہتا تھا مگر تیرے ماں باپ نے ایک ایسے شخص پر تہمت لگائی ہے' جو مجھے روئے زمین پر سب سے زیادہ عزیز ہے۔ تجھے کیا پتا کہ میں کتنی راتوں سے بے خواب ہوں۔ میری بے قراریوں کی طرف دیکھ...... اور قاضی عدالت کو...... اہل دربار کو، ان لوگوں کو جو قطبؒ کی رسوائیوں پر جشن مسرت منا رہے ہیں، اپنے باپ کا نام بتا دے۔''

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی پر جلال آواز ابھری اور لوگوں کے دلوں میں اترتی چلی گئی۔ لوگوں کی آنکھیں گردش کرنا بھول گئی تھی۔ ہونٹ ساکت تھے اور چہروں پر حیرت کے سائے لرز رہے تھے۔

''السلام علیکم سلطان الہندؒ!'' دفعتاً حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے اس جان معصوم کو دعا دیتے ہوئے فرمایا: ''اہل دربار کو اپنے باپ کا نام بتاؤ۔''

ایک لمحے کیلئے دربار پر گہرا سکوت چھا گیا مگر دوسرے ہی لمحے بچے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ ''میرا باپ سلطان شمس الدین التمش کے دربار کا ایک معزز سردار ہے۔'' یہ کہہ کر بچے نے اس شخص کا نام بتا دیا اور خاموش ہو گیا۔

اس انکشاف کے بعد دربار شاہی میں ایک زلزلہ سا آ گیا۔ عورت پر اس قدر لرزہ طاری ہوا کہ وہ اپنے پیروں پر کھڑی نہ رہ سکی۔ اس سے پہلے کہ وہ چکرا کر فرش پر گرتی' حضرت خواجہؒ کے



دست کرم نے اسے سہارا دیا اور وہ زمین پر بیٹھ گئی۔ کچھ دیر تک دربار میں موجود لوگوں پر وحشت زدہ انداز میں دیکھتی رہی اور پھر بے ہوش ہو گئی۔

پھر لوگوں نے حضرت قطبؒ کی طرف دیکھا جو بہت دیر سے سر جھکائے خاموش کھڑے تھے۔ جب قدرت نے آپ کی بے گناہی کیلئے غیب سے ایک عجیب و غریب ثبوت فراہم کر دیا تو بے اختیار پیر و مرشد کے سینے سے لگ گئے اور اتنا روئے کہ آپ کی ریش مبارک آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ بڑا رقت آمیز سماں تھا۔ تمام اہل دربار رو رہے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ بھی آبدیدہ ہو گئے۔ پھر سلطان الہندؒ نے حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا۔

''فرزند! یہ آزمائشیں تو ہمیشہ سے اہل ایمان کا مقدر رہی ہیں۔ تم خوش نصیب ہو کہ وقت کی عدالت میں معصوم ٹھہرے مگر یہاں کچھ جاں سوختہ عشق ایسے بھی گزرے ہیں جو دنیا کی بخشی ہوئی تہمتوں کو اپنے کفن میں سجا کر زمانے سے رخصت ہو گئے۔ اب ان کے مقدمات کا فیصلہ میدان حشر میں ہوگا۔ خدا کا شکر ادا کرو کہ تمہارا مجرم اسی دربار میں موجود ہے...... ورنہ تم اس سیاہ کار دنیا میں کس سے انصاف مانگتے جاتے۔'' یہ کہہ کر سلطان الہندؒ نے حضرت قطبؒ کو علیحدہ کیا اور پر جلال لہجے میں دوبارہ فرمایا: ''فرزند! انتظار کرو۔ ابھی خدا کچھ اور چہروں کو بھی بے نقاب کرے گا۔''

اب لوگوں کی نظریں اس معزز سردار کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں' جو قیمتی خلعت پہنے ہوئے دربار کی سب سے اگلی صف میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں جھکی ہوئی تھیں اور چہرہ احساس جرم کے پسینے میں تر تھا۔ اس سے پہلے کہ سلطان شمس الدین التمش اس سے کوئی جواب طلبی کرتا' وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور عجیب مجذوبانہ انداز میں بڑبڑاتا ہوا' حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی طرف بڑھا۔

''دنیا مجھے وادی اجل میں لے گئی' ہوس نے میری سانسیں غصب کر لیں' پھر میرے نفس نے مجھے ہلاک کر دیا' آنکھیں بھی ظلمت اسیر' دل میں بھی اندھیرا! اے روشنی! میں تجھے کہاں ڈھونڈوں؟''

لوگ سمجھ رہے تھے کہ سردار ہوش میں نہیں ہے مگر حقیقتاً وہ بہت باہوش تھا۔ لرزتے قدموں

سے حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے نزدیک پہنچا اور پھر آپ کے پائے مبارک پر سر رکھ کر رونے لگا۔ ''شاہا! میری روشنی تیرے پیروں سے اٹھنے والے گرد و غبار میں پوشیدہ ہے۔ مجھے کچھ دیر اپنے قدموں میں پڑا رہنے دے کہ شاید اس گداگر کو سورج کی چند کرنیں بھیک میں مل جائیں۔'' سردار کی آواز بہت اثر انگیز تھی۔ مجرم ہونے کے باوجود اس کا طرزِ گفتار اہلِ دربار کو متاثر کر رہا تھا۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے سردار کو محبت آمیز نظروں سے دیکھا اور پھر اپنے نحیف ہاتھوں سے سہارا دے کر اسے زمین سے اٹھایا۔

''اہلِ دل پر قیامت نازل کرنے کے بعد روشنی کی تلاش میں گھر سے نکلا ہے؟'' حضرت خواجہؒ کے ارشاد سے قبل ہی سلطان شمس الدین التمش بول پڑا۔ لوگوں نے دیکھا کہ فرماں روائے ہند کا پورا جسم غصے سے کانپ رہا تھا۔ ''تجھے معلوم ہے کہ تیری تہمت طرازی سے اہلِ دلی کا کیا نقصان ہوا ہے؟ لوگ عظیم الشان مذہبی شخصیات کے بارے میں بھی اعتبار کھونے لگے ہیں۔ اس زیاں کا حساب کون دے گا؟''

''اہلِ دلی کبھی خسارے میں نہیں رہے۔'' سردار نے سلطان التمش کی طرف پلٹتے ہوئے کہا۔

''اے ذات والا حشم! یہ میرا ہی گناہ ہے کہ جس نے لوگوں کو مزید دولت یقین بخشی ہے۔ اگر مجھ سے اس جرم کا ارتکاب نہ ہوتا تو حضرت خواجہؒ کی یہ کرامت بھی ظاہر نہ ہوتی۔ اکثر لوگ معرفت کے سمندر کی کچھ گہرائیوں سے ناواقف ہی رہ جاتے۔'' سلطان التمش کے غضب ناک ہونے کے باوجود سردار کے چہرے پر خوف و ہراس کا ہلکا سا نشان بھی نہیں تھا۔

''کیا حضرت خواجہؒ کی تعریف و توصیف اس لیے ہے کہ تجھے اپنے سر پر موت سایہ فگن نظر آ رہی ہے؟ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ بھی تو ان ہی کے خلیفۂ اکبر ہیں۔ جب ایک مردِ حق کی برگزیدہ شخصیت تہمتوں کی آندھیوں کی لپیٹ میں تھی اس وقت تو نے اقرارِ جرم کیوں نہیں کیا؟'' سلطان التمش کی قہر آلود آواز سے پورا دربار گونج رہا تھا۔

''سلطان ذی جاہ! میں موت سے نہیں ڈرتا۔'' سردار نے انتہائی بے باک لہجے میں جواب دیتے ہوئے کہا۔ ''مجھ سے درباری علماء نے کہا تھا کہ خانقاہوں میں بیٹھنے والے یہ درویش عملی زندگی سے دور ہوتے ہیں۔ یہ خرقہ پوش پہلے جاہل اور توہم پرست انسانوں کے کمزور دماغوں



کو متاثر کرتے ہیں۔ پھر ان ہی بے نظر لوگوں کی عقیدت کے سہارے یہ اپنی مسندوں کو آراستہ کر لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ ضرورت مند دنیا ان کے گرد جمع ہونے لگتی ہے۔ مجھ سے کہا گیا تھا کہ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ بھی ایک ایسے ہی بے عمل درویش ہیں' جن کے نظام خانقاہی سے اسلام کو شدید نقصان پہنچ رہا ہے۔ مجھ سے یہ بھی کہا گیا تھا کہ سلطان معظم صوفیوں کے حلقۂ اثر میں آ چکے ہیں اور اب درپردہ ہندوستان پر ان ہی خرقہ پوشوں کی حکومت ہوگی' جس کے نتیجے میں حضرت قطبؒ سے نظریاتی اختلافات رکھنے والے اپنے اپنے عہدوں سے محروم کر دیے جائیں گے۔ یہ اہلِ اقتدار کیلئے ایک بھیانک خبر تھی۔ میں اپنے جہل کے باعث ان باتوں کی حقیقت کو نہ سمجھ سکا۔ دولت و اقتدار کے نشے نے مجھے یہ توفیق بھی نہیں بخشی کہ میں خود حضرت قطبؒ کی خانقاہ میں حاضر ہو کر ان افواہوں کی تصدیق کرتا۔ آخر میرے نفس نے مجھے کھلا فریب دیدیا اور میں ہوس کی آندھیوں میں اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا۔ پھر حضرت قطبؒ کی بے داغ شخصیت کو آلودہ کرنے کیلئے ایک ناپاک منصوبہ تیار کر لیا گیا۔ اس سازش میں کچھ علمائے وقت اور کچھ اربابِ اختیار شامل تھے لیکن میں اس منصوبے میں نمایاں کردار ادا کر رہا تھا۔ سلطان ذی حشم کے دربار میں ایک بااثر شخص ہونے کی وجہ سے مجھے پورا یقین تھا کہ میرے خلاف کوئی ایک زبان بھی جنبش نہیں کر سکے گی۔۔۔ اور ایسا ہی ہوا۔ میں نے درویشوں کے عقیدت مندوں سے یہ بھی سنا تھا کہ خانقاہوں میں بیٹھنے والے روشن ضمیر ہوتے ہیں۔ مجھے اس غیر فطری بات پر یقین نہیں آتا تھا۔ ایک انسان پس دیوار کس طرح دیکھ سکتا ہے؟ جب حضرت قطبؒ پر الزام تراشی کی گئی تھی اور وہ بہت دن تک اپنی بے گناہی کا ثبوت پیش نہیں کر سکے تو درویشوں کی روشن ضمیری سے میرا اعتبار اٹھ گیا اور پھر اس منصوبے کے تمام شرکاء یہ سوچ کر مطمئن ہو گئے کہ حضرت قطبؒ کی روحانی عظمتوں کا مینار ہمیشہ کیلئے منہدم ہو چکا ہے۔ مگر حضرت خواجہؒ کی چشم گرہ کشا نے گناہ گار عقل کے تمام طلسمات کو تار تار کر دیا۔ اب روشن ضمیری کی اس سے بڑی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے؟'' یہ کہہ کر سردار حضرت قطبؒ کی طرف مڑا۔

''میں آپ کا مجرم ہوں۔ اسلامی شریعت نے تہمت طرازیوں کیلئے جو سزا مقرر کی ہے' مجھے اس سے زیادہ سخت سزا دی جائے تاکہ میرے بعد آنے والے عبرت حاصل کر سکیں۔'' سردار کی آواز سے کسی قسم کی دہشت نمایاں نہیں تھی۔ پھر بھی اس کا لہجہ اثر انگیز تھا۔ ''میں اپنے جرم کی سزا بھگتنے سے پہلے شہنشاہِ معرفت سے درخواست کروں گا کہ مجھے اپنے دستِ مبارک کو بوسہ دینے کی

اجازت مرحمت فرمائیں۔ میرا جرم تو اتنا سنگین ہے کہ مجھے اس میں رعایت اور معافی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ اب میرے لیے یہ امر باعث تسکین ہوگا کہ ایک مرد خدا کے جسم کو چھولوں اور اگر زندہ بچوں تو تمام عمر اس اعزاز پر فخر کروں۔'' یہ کہہ کر سردار نے درخواست گزار نظروں سے حضرت قطبؒ کی طرف دیکھا۔ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ جو کچھ دیر پہلے بہت اداس نظر آرہے تھے اب آپ کے ہونٹوں پر وہی جاں فزا تبسم لوٹ آیا تھا۔

اہل دربار نے دیکھا کہ اچانک حضرت قطبؒ نے اپنا ہاتھ سردار کی طرف بڑھا دیا اور پھر بڑے محبت آمیز لہجے میں فرمایا: ''درویش کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ احترام کی اس رسم کو فروغ دے۔ یہ ایک گمراہ کر دینے والی رسم ہے جس سے انسانی نفس بڑے فریب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ فقیر بھی اپنے عقیدت مندوں کیلئے عزت و احترام کے اس مظاہرے کو روا نہیں رکھتا مگر آج تجھے اجازت ہے۔''

جیسے ہی حضرت قطبؒ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ ادا ہوئے سردار نے بے قرار ہو کر حضرت قطبؒ کے ہاتھ پر اپنے ہونٹ رکھ دیئے اور پھر حاضرین دربار نے اسے ہچکیوں کے ساتھ روتے دیکھا۔ وہ اپنے مزاج کے اعتبار سے ایک سنگدل انسان تھا مگر آج رویا تو اس طرح کہ اس کی آنکھوں سے اشکوں کی بارش ہو رہی تھی۔ انسانی فطرت کے اس انقلاب پر تمام اہل دربار حیران تھے۔ جب اس کے دل کا غبار دھل گیا تو وہ سیدھا کھڑا ہوا اور پھر فوراً ہی حضرت قطبؒ کے قدموں سے لپٹ گیا۔ حضرت قطبؒ نے سردار کو اٹھایا اور پھر نہایت پرسوز لہجے میں فرمانے لگے۔

امت محمدیؐ کے اولیاء کے مقام کا اس واقعہ سے بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ تاریخ میں صرف دو نومولود بچوں کے کلام کرنے کے واقعات درج ہیں۔ ایک سیدنا عیسیٰ کا واقعہ جب آپ نے اپنی والدہ کی پاکدامنی پر گواہی دی اور اپنی نبوت کا اعلان کیا اور اس کے بعد حضرت بختیار کاکیؒ کی عزت کی حفاظت کے لیے حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے ہاتھوں بچے کے بولنے کی کرامت رونما ہوئی۔ اس واقعہ سے حضرت بختیار کاکیؒ کے اعلیٰ مقام کا بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ درویشوں نے اپنے دشمنوں کو معاف کر کے سنت رسولؐ کا احیاء کیا اور اسلام کی حقانیت کو بے شمار لوگوں کے سامنے ثابت کیا۔



## مردہ زندہ ہو گیا

حضرت معین الدین چشتیؒ کے ہاتھوں ایک مردہ زندہ ہونے کا واقعہ بھی تاریخ میں درج ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ان دونوں قسم کے واقعات میں خواجہ صاحب سے وہی کام سرزد ہوئے جو سیدنا عیسیٰ کے ہاتھوں اور جادوگر کو شکست والا معاملہ سیدنا موسیٰ کے اتباع میں ہوا۔ دونوں پیغمبر بنی اسرائیل کے تھے۔ یہاں مجھے وہ روایت یاد آرہی ہے کہ اُمت محمدؐ کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح ہیں۔ ایک بوڑھی عورت کے ایک ہی بیٹے کے ظالمانہ قتل کے بعد اس کے زندہ ہو جانے کا واقعہ خان آصف کی زبانی سن لیں۔

''پھر حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ نے حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی زندگی میں پیش آنے والے ایک ایسے واقعے کا ذکر کیا جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے اس قدر عجیب ہے کہ عہد جدید کا کوئی مادہ پرست اس پر مشکل ہی سے یقین کرے گا۔ ''سیر الاقطاب'' کے مصنف نے حضرت خواجہؒ کی اس کرامت کا تفصیل سے ذکر کیا ہے مگر یہ پتا نہیں چلتا کہ وہ کیا زمانہ تھا اور یہ واقعہ کس مقام پر پیش آیا تھا؟ اس واقعہ سے جو کردار وابستہ ہیں ان کے ناموں کا بھی سراغ نہیں ملتا۔ ان تمام کوتاہیوں کے باوجود تذکرۂ خواجگان چشت کے سلسلے میں ''سیر الاقطاب'' ایک معتبر اور مستند کتاب ہے۔ اس کتاب کے مصنف حضرت شیخ الہندؒ خود بھی بہت بڑے بزرگ اور نامور صوفی تھے۔ اس لیے کوئی بھی ہوشمند انسان شیخ الہندؒ کی بیان کردہ روایات پر شک نہیں کر سکتا۔ سیر الاقطاب آج سے تقریباً چار سو سال پہلے تصنیف کی گئی تھی۔ سیر الاولیاء کے بعد صوفیائے چشت کی سیرت پر یہ دوسری مستند کتاب ہے۔ حضرت شیخ الہندؒ نے سن اور مقام کے حوالے تو پیش نہیں کیے ہیں تاہم قیاس کیا جا سکتا ہے کہ یہ واقعہ اس وقت رونما ہوا ہوگا جب حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ سبزوار میں قیام فرما تھے۔ اس قیاس کی بنیاد حاکم سبزوار یادگار محمد کا وہ ظلم و تشدد ہے جو اپنی انتہاء کو پہنچ کر تاریخی حیثیت اختیار کر گیا تھا۔ یادگار محمد کی یہ عام عادت تھی کہ وہ معمولی سی بات پر بے گناہ لوگوں کو قتل کرا دیا کرتا تھا۔ غالباً یہ اسی سنگ دل حاکم کے دور حکومت کا واقعہ ہے۔

ایک دن ایک پریشان حال بوڑھی عورت حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی خانقاہ میں داخل ہوئی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور ظاہری حالت سے وہ بہت زیادہ شکستہ نظر آرہی تھی۔ اس وقت حضرت خواجہ ظہر کی نماز کیلئے وضو فرما رہے تھے جیسے ہی عورت نے خانقاہ کے

دروازے میں قدم رکھا ایک خادم نے آگے بڑھ کر اسے روکتے ہوئے پوچھا: ''خاتون! تم کون ہو اور کس سے ملنا چاہتی ہو؟''

''میں صرف ایک غمزدہ ماں ہوں اور مجھے کچھ یاد نہیں۔'' شدتِ غم سے عورت کی آواز کانپ رہی تھی۔ ''وہ کہاں ہے؟'' عورت نے حضرت خواجہؒ کے خادم سے ایک الجھا ہوا سوال کر ڈالا تھا۔

''کون؟'' حضرت خواجہؒ کا خادم ایک اجنبی عورت کے مبہم طرزِ گفتگو سے الجھ کر رہ گیا۔

''وہ فقیر جو لوگوں کی مرادیں پوری کرتا ہے' مجھے اس کے پاس لے چلو۔''

''خاتون! یہ ایک مردِ خدا کی خانقاہ ہے۔ یہاں ادب و احتیاط کا مظاہرہ کرو۔'' حضرت خواجہؒ کے خادم کو اس عورت کا گستاخانہ طرزِ کلام بہت گراں گزرا تھا۔

''مجھے کیا معلوم ادب کسے کہتے ہیں؟'' عورت کے چہرے پر پھیلے ہوئے رنج و الم کے سائے مزید گہرے ہو گئے تھے اور وحشت اس حد تک بڑھ گئی تھی کہ خدام کو اس کی ذہنی حالت پر پاگل پن کا گمان ہونے لگا تھا۔ ''میں اپنے بیٹے کے سوا کسی کو نہیں جانتی۔''

پھر یہاں کیوں آئی ہو؟'' حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے خادم کو بھی عورت کی بدحواسی پر غصہ آ گیا تھا۔

''میں اپنے بیٹے کو لینے آئی ہوں۔'' یہ کہتے کہتے عورت کے صبر و ضبط کا بند ٹوٹ گیا اور وہ ہچکیاں لے کر رونے لگی۔

''واپس جاؤ! یہاں تمہارا کوئی بیٹا نہیں ہے۔'' خادم نے بوڑھی عورت کو جھڑک دیا۔ اب اسے اجنبی خاتون کی دیوانگی کا یقین ہو چلا تھا۔

''اے شخص! تو کہاں ہے؟'' اچانک عورت چیخنے لگی۔ وہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کا نام نہیں جانتی تھی۔ اس لیے آپ کو عجیب انداز میں پکار رہی تھی۔ ''تیرے آدمی کتنے سنگدل ہیں کہ ایک ستم رسیدہ ماں کو آگے جانے کا راستہ نہیں دیتے۔'' عورت دل کے زور سے چیخ رہی تھی۔ اس کی آواز اس قدر پُرشور تھی کہ خانقاہ کا گوشہ گوشہ گونجنے لگا تھا۔ حضرت خواجہؒ کے مریدوں اور خدمت گاروں کے علاوہ جتنے بھی حاضرین موجود تھے' وہ سب کے سب عورت کی دلخراش چیخیں سن



کر چونک پڑے تھے۔ ان میں سے بعض خدام صورتحال کو سمجھنے کیلئے خانقاہ کے دروازے کی طرف جا رہے تھے۔ خود حضرت خواجہؒ بھی حیرت زدہ تھے۔

''جا کر دیکھو یہ کیسا شور ہے؟'' حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے اس خدام کو مخاطب کر کے فرمایا۔ جو آپ کو وضو کرا رہا تھا۔ ''یہ عورت کون ہے اور اس پر کیا افتاد پڑی ہے؟''

''حضور پہلے وضو فرما لیں۔'' خادم نے نہایت ادب سے عرض کیا۔ اس کے نزدیک عورت کی چیخوں کی کوئی اہمیت نہیں تھی اور وہ اپنے اس فعل میں حق بجانب بھی تھا کیونکہ ایک خادم کی زندگی کا مقصد ہی مخدوم کی خوشنودی حاصل کرنا ہوتا ہے۔ اس لیے وہ دنیا کی ہر شے سے بے نیاز ہو کر حضرت خواجہؒ کی طرف دیکھ رہا تھا لیکن سلطان الہندؒ جس انداز کے مخدوم تھے' ان سے یہ بعید تھا کہ عورت چیختی رہتی اور وہ اپنے کام میں مشغول رہتے۔ اپنی اس عادتِ کریمانہ کے سبب حضرت خواجہؒ نے خادم سے دوبارہ فرمایا:

''پہلے تم اس عورت کی خبر لو۔'' سلطان الہندؒ بے قرار سے نظر آنے لگے تھے۔ ''میں خود وضو کر لوں گا۔'' یہ کہہ کر حضرت خواجہؒ نے خادم کے ہاتھ سے پانی کا برتن لے لیا۔ خادم تیز تیز قدموں سے خانقاہ کے دروازے کی طرف چلا گیا اور سلطان الہندؒ وضو کرنے لگے۔ عورت کی پُردرد آوازیں مسلسل سنائی دے رہی تھی۔

''انہیں منع کیوں نہیں کرتا' یہ مجھے تیرے پاس آنے سے روک رہے ہیں۔''

کچھ دیر بعد خادم نے واپس آ کر حضرت خواجہؒ کو بتایا کہ ایک پاگل عورت اپنے بیٹے کو تلاش کرتی ہوئی خانقاہ میں گھس آئی ہے۔

''کیا اس کا بیٹا یہاں موجود نہیں ہے؟ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے خادم سے پوچھا:
''خانقاہ میں تو بے شمار انسان آتے ہیں۔ ممکن ہے کہ ان میں اس کا بیٹا بھی شامل ہو۔''

''اس کے بیٹے کا خانقاہ سے کوئی تعلق نہیں۔'' خادم نے نہایت ادب سے جواب دیا۔

''پھر بھی اسے اپنے بیٹے کو تلاش کر لینے دو۔'' حضرت خواجہؒ نے خادم کو حکم دیتے ہوئے فرمایا: ''اس کی جستجو سے کسی کو کیا نقصان پہنچتا ہے؟''

''حضرت وہ عورت دیوانی ہے۔'' خادم نے دست بستہ ہو کر اس طرح کہا جیسے سلطان

الہندؒ اس کی بات نہ سمجھ سکے ہوں۔

''اگر وہ دیوانی یہاں نہیں آئے تو پھر کہاں جائے؟'' حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے اس بار قدرے ناگوار لہجے میں فرمایا۔ ''یہاں بے شمار دیوانے آتے ہیں' ایک اس کے آنے سے کیا قیامت ٹوٹ پڑے گی؟''

حضرت خواجہؒ نے اشارات و کنایات میں بہت کچھ کہہ دیا تھا مگر خادم علم و معرفت کے ان رموز کیا سمجھتا۔ وہ تو حضرت خواجہؒ کے متغیر چہرے کو دیکھ کر گھبرا سا گیا تھا پھر اسی بدحواسی کے عالم میں دوڑتا ہوا خانقاہ کے دروازے تک پہنچا اور دوسرے ساتھی کو حضرت خواجہؒ کا حکم سنا دیا۔ خانقاہ کا خدمت گار بوڑھی عورت کے راستے سے ہٹ گیا۔ ایک مجبور الحواس خاتون کو حضرت خواجہؒ کی خانقاہ میں داخل ہونے کی اجازت مل گئی تھی۔ اب اس کی چیخیں بند ہو چکی تھیں اور وہ اپنے قریب کھڑے لوگوں کے چہروں کو غور سے دیکھ رہی تھی۔

پھر ایک خادم اس عورت کو حضرت سلطان الہندؒ کے پاس لے گیا۔ حضرت خواجہؒ کو دیکھتے ہی وہ مضطرب حال عورت آپ کے قدموں میں گر گئی اور گریہ و زاری کرنے لگی۔

''میں تیرے پاس اپنا بیٹا لینے آئی ہوں۔ لوگ کہتے ہیں کہ تیری دعاؤں سے مجھے میرا کھویا ہوا بیٹا مل جائے گا۔''

''کہاں ہے تمہارا بیٹا؟'' حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے بوڑھی عورت کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا۔

''میرے بیٹے کے ساتھ ناانصافی ہوئی ہے۔'' عورت ہچکیوں سے رونے لگی۔ ''حاکم شہر کے حکم سے اس بے گناہ کو قتل کر دیا گیا ہے۔''

''تو پھر یوم جزا کا انتظار کرو۔'' حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے اداس لہجے میں فرمایا۔ ''وہ دن جب ساری ناہمواریاں دور کر دی جائیں گی۔ ظالموں اور سرکشوں کو پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر اس کے روبرو لایا جائے گا۔ پھر کسی کی سفارش' کسی کا اقتدار باقی نہیں رہے گا' ناانصافی کا شکار ہونے والے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ کرسی کیا ہے' عدالت کیا ہے اور انصاف کیا ہے؟ جو اس جہان فانی میں محروم رہے' وہ اس دنیا میں بامراد ہوں گے' وقت معلوم کا انتظار کرو۔ وہ عادل حقیقی تمہارے بیٹے کے ساتھ بھی انصاف کرے گا۔''



''وہ دن بہت دور ہے۔'' اس سنگین حادثے نے عورت کا صبر و قرار چھین لیا تھا۔ ''میں تیرے پاس فریاد لے کر آئی ہوں' مجھے اس زمین پر انصاف چاہیے۔''

''خاتون! میں ایک مسافر ہوں جو خود برسوں سے خدا کی تلاش میں دربدر بھٹک رہا ہے' میں اس شہر کا حاکم نہیں کہ کسی کی فریاد سنوں۔'' حضرت خواجہؒ نے آہستہ سے فرمایا۔ ''اور پھر جانے والا تو جا چکا' اس کی رخصت سے پہلے خبر ہو جاتی تو یہ عاجز اپنے اللہ سے دعا کرتا۔ کتاب زیست مکمل ہو چکی' باب ہستی بند ہو چکا اب کیا ہو سکتا ہے؟ اول بھی صبر' آخر بھی صبر۔ یہی درد کا درماں' یہی غم کا علاج' اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

''میں واپس جانے کیلئے نہیں آئی ہوں۔'' یکایک عورت کی ہذیانی کیفیت میں اضافہ ہو گیا تھا۔ ''میں اپنے بیٹے کو ساتھ لے کر جاؤں گی۔ اگر مردے زندہ نہیں ہوتے تو پھر میں بھی یہیں تیرے قدموں میں مر جاؤں گی۔ اپنے بچے کے بغیر یہ زندگی ایک بوجھ ہے۔ اگر وہ واپس نہیں آ سکتا تو پھر میری موت کیلئے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا دے' خدا تیری یہ دعا تو سن لے گا۔'' بوڑھی عورت اپنے ہوش و حواس کھو چکی تھی۔ وہ دیوانہ وار آگے بڑھی اور اس نے حضرت خواجہؒ کا دامن پکڑ لیا۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کچھ دیر تک گہری سوچ میں ڈوبے رہے۔ پھر آپ نے دلنواز لہجے میں مخاطب ہو کر فرمایا: ''اچھا میرا دامن چھوڑ دو۔ نماز کا وقت تنگ ہوا جا رہا ہے۔ میں نماز ادا کر لوں۔ اس کے بعد تمہاری روداد غم سنوں گا۔''

عورت نے حضرت غریب نوازؒ کا دامن چھوڑ دیا۔

پھر آپ نے نماز کی امامت کی اور اس کے بعد بوڑھی عورت کی طرف متوجہ ہوئے۔

بوڑھی خاتون ہچکیوں کے درمیان اپنی داستان الم سنانے لگی۔ ''میں ایک غریب بیوہ عورت ہوں۔ شوہر نے دنیا سے رخصت ہوتے وقت دو سالہ شیر خوار بچہ چھوڑا تھا۔ میں نے محنت مزدوری کر کے اس کی پرورش کی۔ پھر جب وہ جوان ہوا تو اسے حاکم شہر کا اندھا قانون کھا گیا۔ ایک رئیس زادے نے ایک غریب نوجوان کا قتل کر دیا۔ مقتول میرے بچے کا دوست تھا۔ چشم دید گواہوں نے قتل کا الزام میرے بیٹے کے سر ڈال دیا۔ میں نے عدالت میں جا کر انصاف چاہا مگر قانون بھی بہرا تھا اور منصف بھی۔ آخر اس رئیس زادے کو بچانے کیلئے میرے بیٹے کو پھانسی پر

چڑھا دیا گیا۔ میں اس کی لاش مقتل میں چھوڑ کر تیرے پاس چلی آئی ہوں۔ لوگوں نے مجھے تیرا پتا بتاتے ہوئے کہا تھا کہ اللہ تیری دعائیں سب سے زیادہ سنتا ہے۔'' یہ کہہ کر عورت نے حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی طرف ملتجی نظروں سے دیکھا۔ ایک تو عورت کا غم انگیز بیان دوسرے اس کی سادگی اور حضرت خواجہؒ کا حسن ظن۔ سلطان الہندؒ کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا اور پھر آپ کے ہونٹوں سے ایک سرد آہ نکلی۔

''خدایا! اپنے بندے معین الدین پر رحم فرما تو اس کی حقیقت کو بہتر جانتا ہے۔'' عورت نے حضرت خواجہ کو شدید کرب میں مبتلا کر دیا تھا۔ وہ آپ سے ایک ایسی دعا کی طالب تھی جس کا کسی درویش کی زبان پر آنا بظاہر ناممکن تھا۔

دراصل واقعہ یہ تھا کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے مخالفین نے اس عورت کو یقین دلا دیا تھا کہ آپ کے دعاؤں سے مُردے بھی زندہ ہو جاتے ہیں۔ یہ ایک شرارت تھی' جس کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں تھا کہ غم زدہ ماں آپ کے پاس فریاد لے کر جائے گی اور پھر حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی ذات ایک تماشا بن کر رہ جائے گی۔ یہ دل آزاری کا بڑا عجیب انداز تھا۔

حضرت سلطان الہندؒ بہت دیر تک آنکھیں بند کیے بیٹھے رہے۔ آپ کے چہرہ مبارک پر اذیت و کرب کے آثار صاف نمایاں تھے۔ پھر آپ نے آنکھیں کھول کر بوڑھی عورت کی طرف دیکھا اور اداس لہجے میں فرمایا:

''خاتون! تم نے مجھے بہت آزار پہنچایا ہے۔ کاش! تمہیں یا کسی دوسرے شخص کو میری ذات سے یہ حسن ظن نہ ہوتا۔ لوگ یہ کہہ دیتے کہ معین الدین اس شہر میں سب سے زیادہ گناہ گار ہے اور خدا اس کی کوئی دعا نہیں سنتا۔''

مریدوں اور خادموں نے آج تک اپنے پیرو مرشد کی ایسی گفتگو نہ سنی تھی۔ سب کے سب شدید حیرت کے عالم میں اس بات کے منتظر تھے کہ اب کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آنے والا ہے۔

یکایک حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اٹھے اور بوڑھی عورت سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے: ''مجھے اپنے بیٹے کے پاس لے چلو میں اس کیلئے اللہ سے انصاف طلب کروں گا۔''

عورت بھی کھڑی ہو گئی۔ ''اب میرا بیٹا مجھے مل جائے گا۔'' فرطِ مسرت سے غمزدہ ماں کا پورا جسم لرز رہا تھا۔ ''خدا ان لوگوں کا بھلا کرے جنہوں نے مجھے تیرا پتا بتایا۔''



بوڑھی عورت کی باتیں سن کر ایک بار پھر حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے چہرہ مبارک پر شدید اذیت کے آثار نظر آنے لگے۔ قریبی خدمت گار اور مریدانِ خاص جو کسی حد تک سلطان الہندؒ کے مزاج شناس تھے آج آپ کی بار بار بدلتی ہوئی اس کیفیت سے سخت پریشان تھے۔ حضرت خواجہؒ نے اپنا عصا ہاتھ میں لیا اور خانقاہ کے دروازے تک آئے۔ تمام مرید' خدام اور حاضرین آپ کی تقلید میں پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ حضرت خواجہؒ ایک لمحے کے لیے ٹھہرے' چند مریدین کو اپنے ہمراہ لیا اور باقی لوگوں کو خانقاہ کے اندر رہنے کا حکم دے کر اس طرف روانہ ہو گئے' جدھر بوڑھی عورت نشاندہی کر رہی تھی۔

حضرت سلطان الہندؒ طویل فاصلہ طے کر کے بوڑھی عورت اور چند مریدوں کے ہمراہ مقتل پہنچے۔ حکومت کے کارندے بہت دیر پہلے لڑکے کو پھانسی دے کر جا چکے تھے۔ بس ایک مقتل کا محافظ تھا جو دروازے پر کھڑا پہرہ دے رہا تھا۔ اس کے علاوہ تماشائیوں کی ایک بھیڑ تھی' جو دروازے کی سے اندر جھانک جھانک کر مقتول کی لاوارث لاش کو دیکھ رہی تھی۔ بوڑھی عورت ان لوگوں کے درمیان راستہ بناتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔ آخر وہ مقتل کے دروازے تک پہنچ گئی اور دیوانہ وار چیختی ہوئی بولی۔

''وہ ہے میرے جواں مرگ بیٹے کی لاش جسے اس شہر کا اندھا قانون کھا گیا۔'' عورت دراصل حضرت خواجہؒ سے مخاطب تھی جو آہستہ روی کے ساتھ دروازے کی جانب بڑھ رہے تھے مگر انسانی ہجوم نے یہی سمجھا کہ غم زدہ ماں لوگوں کے سامنے فریاد کر رہی ہے۔

اچانک ایک کرخت آواز گونجی۔ ''کیا تو نے اپنے ہوش و حواس کھو دیے ہیں؟'' مقتل کا محافظ بڑے سنگدلانہ انداز میں عورت کو ڈانٹ رہا تھا۔ ''تو حاکم شہر کے انصاف پر اعتراض کرتی ہے' تیری یہ گستاخی تجھے بھی پھانسی کے پھندے تک لے جا سکتی ہے' اپنے بدکردار بیٹے کو مظلوم کہتی ہے؟ یہ بھی تجھ پر حاکم وقت کا احسان ہے کہ تیرے بیٹے کو دو گز کفن میسر آ جائے گا ورنہ اس کی لاش کو کتے کھا جاتے۔''

اسی دوران حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ انسانی ہجوم سے نکل کر مقتل کے دروازے پر نمودار ہوئے اور پہرے دار کو مخاطب کر کے فرمانے لگے: ''اگر تم اس عورت سے عملی ہمدردی نہیں کر سکتے تو اپنی زبان سے چند شیریں کلمات ادا کر کے شریک غم ہو جاؤ۔ آج اس خاتون پر جو آفت ٹوٹی ہے وہی مصیبت کل کسی دوسرے انسان پر بھی نازل ہو سکتی ہے۔ اس سے پہلے کہ تماشا

کرنے والے خود تماشا بن جائیں۔ انہیں اپنا محاسبہ کر لینا چاہیے۔'' حضرت خواجہؒ کی زبان سے ادا ہونے والے الفاظ میں عجیب تاثیر تھی کہ سننے والے مبہوت ہو کر رہ گئے تھے۔ مقتل کا جابر و سفاک محافظ بھی پتھر کی طرح ساکت ہو گیا تھا۔

''ہم اس لڑکے کو لے جانے ہی کیلئے آئے ہیں۔'' حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے مقتل کے محافظ کو دوبارہ مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ''اب تمہیں مزید زحمت برداشت نہیں کرنا پڑے گی۔ حاکم شہر کی ناانصافیوں کا بیان کرنے والی یہ غمزدہ عورت بھی کچھ دیر بعد یہاں سے چلی جائے گی پھر تم بھی آزاد ہو گے' تمہارا حاکم بھی اور تمہارا قانون بھی۔'' یہ کہہ کر حضرت سلطان الہندؒ مقتل میں داخل ہو گئے۔

عورت اور چند خدام بھی آپ کی تقلید میں پیچھے پیچھے تھے۔ تماشائی تو پہلے ہی حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کو دیکھ کر پتھر کے مجسموں کی طرح ساکت ہو چکے تھے۔ رہا محافظ تو اس کی حالت بھی انسانی ہجوم سے مختلف نہیں تھی۔ وہ خاموشی سے ایک ایسے اجنبی شخص کو جاتے ہوئے دیکھتا رہا جس کے آگے اس کی قوت گویائی سلب ہو چکی تھی۔ اجنبی نے چار لفظوں میں اس کے حاکم اور قانون کی درندگی کو بے نقاب کر دیا تھا مگر وہ انتہائی کوشش کے باوجود کسی بات کا جواب نہیں دے سکا تھا۔ مقتل کے محافظ نے اپنے جابر حاکم کا رعب و جلال بھی دیکھا تھا مگر حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے جبروت کے سامنے اس کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہی تھی۔ محافظ مسلسل سوچ رہا تھا کہ آخر یہ سادہ کپڑوں میں ملبوس شخص کون ہے' جس کی ہیبت سے اس کی روح تک لرز رہی ہے۔

ہر طرف ایک سکوت مرگ سا طاری تھا اور تمام بے چین نگاہیں حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کا تعاقب کر رہی تھیں پھر لوگوں نے دیکھا کہ سلطان الہندؒ مقتول کی لاش کے قریب جا کر ٹھہر گئے۔ خدام آپ کے پیچھے کھڑے تھے۔ غمزدہ عورت اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکی اور وہ بے اختیار بیٹے کے مردہ جسم سے لپٹ گئی۔ پورا مقتل اس کے شور ماتم سے گونج رہا تھا۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کچھ دیر تک بہت غور سے مرنے والے نوجوان کے چہرے کو دیکھتے رہے پھر چیختی ہوئی عورت سے فرمایا: ''خدا سے انصاف مانگنے والے بین نہیں کرتے۔''

حضرت خواجہؒ کی آواز سنتے ہی عورت نے اپنی چیخوں کو ضبط کرنے کی کوشش کی لیکن پھر بھی ہلکی ہلکی سسکیاں اُبھرتی رہیں۔ سلطان الہندؒ نے آسمان کی طرف دیکھا اور اپنے خدام سے فرمایا۔



''عصر کا وقت ہو گیا ہے' نماز ادا کر لی جائے۔''

پیر و مرشد کا حکم پاتے ہیں مریدوں نے زمین پر اپنے اپنے رومال بچھا دیے۔ سلطان الہندؒ امامت کیلئے آگے بڑھے' ایک خادم نے تکبیر کہی اور چند مسلمانوں پر مشتمل ایک مختصری جماعت نے نیت باندھ لی۔ مقتل میں نماز ادا کی جا رہی تھی۔ یہ وہی نماز تھی' جو میدان کارزار میں پڑھی گئی' گھوڑوں کی پشت پر پڑھی گئی' خندقوں کے اندر اور دریاؤں کے کنارے پڑھی گئی' جسم بے کار ہو گیا تو اشاروں سے پڑھی گئی۔ یہاں تک کہ زیر شمشیر پڑھی گئی۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے سلام پھیرا اور دعا کیلئے اپنے دونوں ہاتھ دراز کر دیے۔ ''اے علیم و خبیر! تو بہتر جانتا ہے کہ میں کون ہوں؟'' لوگ کہتے ہیں کہ مجھے تجھ سے نسبت ہے۔ کاش! تیری بارگاہ میں مجھے یہ شرف حاصل ہو جائے۔۔۔ اور لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ تو سب سے زیادہ میری دعائیں سنتا ہے۔ تیرے عزت و جلال کی قسم! میں نے ان سے ایسی کوئی بات نہیں کی ہے۔ یہ خود جوش عقیدت میں حد سے گزر گئے ہیں۔ میں تو تیرا وہی معین الدین ہوں جسے دنیا میں تیرے ہی کرم کے حوالے سے پہچانا جاتا ہے۔ میں اپنی حقیقت سے واقف ہوں مگر یہ غمزدہ ماں مجھے تیرا واسطہ دے کر یہاں تک لے آئی ہے۔ اس کے حسن ظن کو برقرار رکھ۔ مقتل بھی تیرے حکم سے آباد ہوتے ہیں اور بزم حیات بھی تیرے اشارے سے سجائی جاتی ہے' تو جو چاہے تو مٹھے سینۂ صحرا سے حباب۔'' خدام نے سلطان الہندؒ کی یہ مختصری دعا سنی تو ان کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ انہوں نے آج تک کسی مانگنے والے کی آواز میں ایسا سوز و گداز محسوس نہیں کیا تھا۔

دعا مانگ کر حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اٹھے اور مقتول کی لاش کے قریب جا کر کھڑے ہو گئے۔ کچھ دیر تک اس بے حس و حرکت نوجوان کو دیکھتے رہے پھر اپنے عصا سے مقتول کی گردن کو چھوتے ہوئے فرمانے لگے: ''اگر تو مظلوم ہے تو خدا کے حکم سے زندہ ہو جا۔''

ابھی فضاؤں میں سلطان الہندؒ کے الفاظ کی بازگشت باقی تھی کہ مقتول کے جسم میں ہلکی سی لرزش ہوئی اور پھر اس نے آنکھیں کھول دیں۔ دوسرے ہی لمحے' وہ دونوں ماں بیٹے حضرت سلطان الہندؒ کے قدموں سے لپٹے ہوئے تھے۔

''جاؤ! بس انصاف ہو گیا۔ مجھ گناہ گار کی ذات کو تماشا نہ بناؤ اور ساری زندگی اس خدا کا شکر ادا کرتے رہو جو ہر شے پر قادر ہے۔'' یہ کہہ کر آپ تیز رفتاری کے ساتھ مقتل سے باہر تشریف

لائے اور اپنی خانقاہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

انسانی ہجوم یہ ناقابلِ یقین منظر دیکھ کر اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا اور مقتل کے محافظ کی تو یہ حالت ہو گئی کہ کسی نامعلوم دہشت کے سبب اس کا پورا جسم کانپنے لگا۔ وہ اس محیر العقول واقعہ کو دیکھ کر چیخنا چاہتا تھا مگر اس کی زبان سے چند ہی الفاظ ادا ہو سکے۔ "یہ کیسے ممکن ہے؟ یہ نہیں ہو سکتا۔" پھر اس کی زبان بند ہو گئی جیسے کسی غیر مرئی قوت نے گویائی کی ساری صلاحیتیں سلب کر لی ہوں۔ اس کے پراگندہ ذہن میں مختلف خیالات ابھر ابھر کر ڈوب رہے تھے۔ اب اسے حاکم شہر کے ظلم و تشدد کا احساس ہو رہا تھا اور اپنی سنگدلی کے بے شمار مظاہرے بھی یاد آ رہے تھے۔

"جس شخص کی دعا سے ایک مقتول نئی زندگی پا سکتا ہے تو کیا اس کی بددعا سے حاکم شہر پر بھی عذاب آسمانی نازل ہو سکتا ہے؟ پھر کیا وہ لوگ بھی اس عذاب کی لپیٹ میں آ جائیں گے جو حاکم کی ناانصافیوں میں شریک رہے ہیں؟" مقتل کے محافظ نے ڈوبتے ہوئے ذہن کے ساتھ سوچا۔ پھر اسے یوں محسوس ہوا کہ جیسے قہر کے فرشتے اس کی طرف بڑھ رہے ہوں۔ شدت خوف سے وہ بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑا۔ مقتل کے دروازے پر جو دوسرے لوگ موجود تھے۔ ان کی دماغی کیفیت بھی دگرگوں تھی۔ وہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے حضور خراج عقیدت پیش کرنا چاہتے تھے مگر آپ کے جلال معرفت نے انہیں پتھروں کی طرح ساکت کر دیا تھا۔ خدام بھی بظاہر خاموش تھے مگر ان کے چہروں پر سارے عالم کی خوشیاں سایہ فگن تھیں۔ خدا نے ان کے پیر و مرشد کو اس طرح سرفراز کیا تھا کہ اس واقعے کو یاد کر کے عقل انسانی حشر تک سرگرداں رہے گی۔

راستے میں شام ہو چکی تھی اس لیے حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے ایک مقام پر ٹھہر کر نماز مغرب ادا کی اور جب خانقاہ میں داخل ہوئے تو کسی سے بات تک نہ کی اور سیدھے اپنے حجرے میں تشریف لے گئے۔ جو خدام آپ کے ہمراہ مقتل گئے تھے انہوں نے اپنے دیگر ساتھیوں کو اس عجیب و غریب واقعے کی تفصیلات سنا دیں۔ حاضرین سلطان الہندؒ کی زبان مبارک سے قدرت کی اس کرشمہ سازی کی تشریح سننا چاہتے تھے مگر حجرے کا دروازہ بند ہو چکا تھا۔ کچھ دیر بعد حضرت خواجہؒ عشاء کی نماز میں شریک ہونے کیلئے باہر آئے اور پھر فرض ادا کرتے ہی دوبارہ حجرے میں تشریف لے گئے۔ دروازہ حسب سابق بند ہو گیا۔

خانقاہ میں موجود ہر شخص پر اضطراب جاری تھا۔ اس سے پہلے بھی حضرت خواجہ معین الدین



چشتیؒ اپنے حجرے میں بند رہ کر رات رات بھر ریاضت کرتے رہتے تھے مگر اس وقت خدمت گاروں اور مریدوں کو پیر و مرشد کی مصروفیات کا علم ہوتا تھا۔ ایک طویل عرصے کے دوران یہ پہلی رات تھی جب حضرت خواجہؒ نے واپسی کے بعد کسی سے بات نہیں کی تھی اور وقت مقررہ پر کھانا تک طلب نہیں کیا تھا۔ یہ ایک غیر معمولی بات تھی مگر کوئی خادم بھی اپنے اندر اتنی جرأت نہیں پا رہا تھا کہ دروازے پر دستک دے کر حضرت سلطان الہندؒ سے اس مکمل سکوت کا سبب دریافت کر سکے۔

آخر رات آہستہ آہستہ گزرنے لگی۔ خدام میں سے کوئی شخص ایک لمحے کے لیے بھی نہ سو سکا۔ شب کی تاریکی میں لوگ حضرت خواجہؒ کی اس روشن کرامت کا ذکر کرتے رہے جو مقتل میں ظاہر ہوئی تھی۔ یہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے عقیدت مندوں کیلئے مقام شکر تھا کہ جو مخالفین اس موقع پر سلطان الہندؒ کی عاجزی کا تماشا دیکھنا چاہتے تھے۔ خدا نے انہیں مایوس کر دیا تھا۔۔۔ مگر اس کے ساتھ ہی حضرت خواجہؒ سے محبت کرنے والوں کی روحوں پر ایک بار گراں تھا۔ وہ اپنے مخدوم کی خاموشی کا سبب جاننے کیلئے بے چین تھے اور ایسی اذیت ناک کشمکش میں ان لوگوں نے پوری رات جاگتے ہوئے گزار دی تھی۔ پھر خادموں اور عقیدت مندوں کی یہ جماعت اس وقت چونک اٹھی جب شہروں کی مسجدوں سے خوش الحان مؤذنوں کی آوازیں ابھرنے لگیں۔ پوری فضا "اللہ اکبر" کی صداؤں سے گونج رہی تھی۔ نماز فجر کا وقت ہو چکا تھا۔ ایک خادم نے حسب دستور خانقاہ میں اذان دینی شروع کی۔۔۔ اور جیسے ہی اس نے پکارا۔۔۔ "آؤ نماز کی طرف۔۔۔" حجرے کا دروازہ کھلا اور حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نمودار ہوئے۔ عقیدت مندوں اور خادموں کی صفوں میں ایک مسرت انگیز لہر دوڑ گئی۔

کچھ دیر بعد آپ نے نماز فجر کی امامت کی اور پھر ذکر الٰہی میں مشغول ہو گئے۔ یہاں تک کہ چاروں طرف دن کی روشنی پھیل گئی پھر آپ نے معمول کے مطابق ان لوگوں کو طویل درس دیا جو شہر کے مختلف گوشوں سے آ کر حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی خانقاہ میں جمع ہوتے تھے۔ اس دوران تمام لوگوں کی نظریں سلطان الہندؒ کے چہرۂ مبارک پر مرکوز تھیں۔ ہر شخص آپ کی ظاہری حالت میں بڑا فرق محسوس کر رہا تھا۔ حضرت خواجہؒ کی آنکھیں سرخ تھیں اور چہرے سے شدید تھکن کا اظہار ہو رہا تھا۔ درس میں سینکڑوں انسان موجود تھے مگر یہ راز صرف چند لوگوں کو معلوم تھا کہ سلطان الہندؒ رات بھر اپنے اللہ کے حضور روتے رہے ہیں۔

درس کے بعد آپ دوبارہ حجرے میں تشریف لے گئے۔ شہر میں ایک ہنگامہ سا برپا تھا۔

مقتول نوجوان کے زندہ ہو جانے کی خبر اس تیزی سے پھیلی تھی کہ سارا نظام درہم برہم ہو کر رہ گیا تھا۔ ہزاروں انسان قطار در قطار اس باغ کی طرف کھنچے چلے آ رہے تھے جہاں ایک درویش نے اپنی خانقاہ تعمیر کی تھی اور وہ نہایت خاموشی کے ساتھ لوگوں کے دلوں کی سیاہی دھونے کا کام کر رہا تھا۔ آج بے شمار آنکھیں اسی مردِ خدا کو دیکھنے کیلئے بے قرار تھیں۔ نمازِ ظہر سے پہلے حضرت خواجہؒ بیدار ہوئے اور جب آپ حجرے سے باہر تشریف لائے تو بندگانِ خدا کی بھیڑ کو اپنا منتظر پایا۔ خدمت گاروں نے مشتاقانِ دید کے جمع ہونے کا سبب بیان کیا۔ حضرت سلطان الہندؒ ہجوم کی طرف آئے اور بلند آواز میں فرمایا۔

''خبردار! کسی فریب میں مبتلا نہ ہو جانا۔ یہ اسی قدرت کا ایک ادنیٰ نمونہ ہے، جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کیا اور ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کو ماں باپ دونوں کے بغیر پیدا کیا۔ وہ ہر شے پر قادر ہے اور جب چاہتا ہے اور جس طرح چاہتا ہے اہلِ زمین پر اپنی نشانیاں ظاہر کر دیتا ہے۔'' یہ کہہ کر حضرت سلطان الہندؒ کچھ دیر کیلئے خاموش ہو گئے پھر انتہائی رقت آمیز لہجے میں فرمایا۔

''ایک بندے کا اپنے مالک سے اتنا تعلق تو ضرور ہونا چاہیے کہ بندہ جو درخواست کرے اللہ اسے قبول فرمالے۔''

حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ نے یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد اہلِ مجلس کی طرف دیکھا۔ حاضرین زار و قطار رو رہے تھے۔ خود حضرت قطبؒ کی ریش مبارک آنسوؤں سے تر تھی۔

''کچھ دیر بعد اشکوں کا سیلاب تھم گیا اور حاضرین کے بے قرار دل ٹھہر گئے تو حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ دوبارہ اہلِ مجلس سے مخاطب ہوئے۔ ''حضرت سلطان الہندؒ کے مقامِ معرفت کو کون سمجھ سکتا ہے؟ خدا نے میرے پیر و مرشد کو اس زمین پر شرفِ خاص بخشا ہے، حاسدین کچھ بھی کر لیں مگر آسمانی فیصلہ خاکِ ہند پر نازل ہو کر رہے گا۔ لوگ ایک زندہ بچے کی گفتگو پر حیران ہیں اور حضرت خواجہؒ کی عظیم الشان کرامت کو شعبدہ بازی قرار دے رہے ہیں؟ انہیں کیا معلوم کہ سلطان الہندؒ کی دعاؤں کے طفیل اللہ نے اس نوجوان کی سانسیں بھی لوٹا دی تھیں، جس کا تن مردہ صبح سے شام تک مقتل میں پڑا رہا تھا۔ معاذ اللہ! کیا لوگ اسے بھی شعبدہ بازی قرار دیں گے؟ اور پھر جو بات ان کی عقل سے بالاتر ہو گی، اسے شعبدہ بازیوں کی فہرست میں شامل کر دیا جائے گا؟



جو حقیقتاً شعبدہ باز تھے، وہ حضرت خواجہؒ کے سامنے اپنے تمام تر شیطانی کمالات کے باوجود ختم ہو گئے۔۔۔ اور جو کلمہ گو ہیں، وہ حضرت سلطان الہندؒ کے روحانی مظاہروں کو بت پرستوں کی جادوگری کے مماثل قرار دے رہے ہیں۔ یہ کیسا نفاق ہے اور کیسا حسد ہے؟ کیا انہیں نہیں معلوم ہے کہ اس مردِ حق پرست کی آمد کے بعد رسمِ جادوگری ہندوستان سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو چکی ہے۔ بڑے بڑے کاہن، جوگی، پروہت اور سنیاسی منہ چھپائے پھر رہے ہیں۔ آج ان کیلئے خدا کی زمین پر کوئی پناہ گاہ نہیں۔ حضرت خواجہؒ کی ضربِ لا اللہ سے پورا بت خانۂ ہند کانپ رہا ہے اور تنگ نظر مسلمان شعبدہ بازی کی باتیں کر رہے ہیں۔ یہ کیوں نہیں کہتے کہ آفتابِ چشتیہ طلوع ہوا تو اندھیرے فنا ہونے لگے اور عقائدِ باطلہ مقامِ عافیت کی تلاش میں اپنے ٹھکانے چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔'' یہ کہہ کر حضرت قطبؒ نے اپنی خانقاہ میں موجود انسانی ہجوم پر نظر ڈالی۔ ہر شخص اپنی اپنی جگہ ساکت تھا۔

''لوگ اعتراف کیوں نہیں کرتے کہ ہندوستان کا ایک ایک گوشہ سلطان الہندؒ کی باجبروت شخصیت کی زد میں ہے۔'' حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ نے دوبارہ حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ''یہاں صرف معین الدین چشتیؒ کی آواز ہے جو صدیوں سے گمراہی کی نیند سونے والے پجاریوں کو ان کے گھروں سے کھینچ کر باہر لا رہی تھی۔ خدا کی قسم! یہ آواز انسانی ساعتوں پر محیط ہو جائے گی۔ کوئی ایمان لائے یا نہ لائے مگر اس کا سر پُرغرور حضرت خواجہؒ کی بارگاہِ جلال میں جھک رہے گا۔ سلطان الہندؒ کی ذاتِ گرامی تو ایک مطلعِ انوار ہے جب اس سے کوئی کرن پھوٹتی ہے تو خود بخود ایک کرامت بن جاتی ہے جسے دیکھ کر لوگوں کی زنگ آلود عقل ٹھوکریں کھانے لگتی ہے۔ انسان، کسی کرامت کے اظہار میں عاجز رہ جاتا ہے تو دوسروں کی روحانی سربلندیوں کو ''ساحری اور شعبدہ بازی'' کہہ کر پکارنے لگتا ہے۔ شمس و قمر کا کام مختلف اوقات میں روشنی تقسیم کرنا۔۔۔ نسیمِ سحری اور بادِ صبا کا کام فطری انسانی دل و دماغ پر خوشگوار اثرات چھوڑنا اور تریاق کا عمل زہر کی ہلاکت آفرینی کو ختم کرنا ہے۔ اسی طرح کرامت بھی زہد اور تقوے کا ردِ عمل ہے جب بندے کو خداوندِ ذوالجلال کی بارگاہ سے ولایت کی سند عطا ہو جاتی ہے تو پھر کشف و کرامت کی کوئی حیثیت ہی باقی نہیں رہتی۔ یہ تو مردِ مومن کی دھندلی سی نشانیاں ہیں۔۔۔ اور مردِ مومن ان نشانیوں کے بغیر بھی خدا کا دوست ہے۔'' یہ کہہ کر حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ نے حضرت سلطان الہندؒ کی ایک اور کرامت بیان فرمائی۔

# منافق جاسوس کی سزا

اس کے بعد حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ نے حضرت سلطان الہندؒ کی زندگی کا ایک اور اہم ترین واقعہ سنایا۔ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا تھا جب حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اپنے طویل سفر کے اختتام پر ہندوستان تشریف لائے تھے اور پھر دہلی ملتان اور لاہور سے گزر کر اجمیر میں قیام پذیر ہو چکے تھے۔ یہ حضرت سلطان الہندؒ کی تبلیغ اسلام کا ابتدائی زمانہ تھا۔ اجمیر کے بت پرست ایک مسلمان کو خاموشی سے دیکھتے ہوئے گزر جاتے تھے پھر مقامی لوگوں کے ذہنوں میں آہستہ آہستہ ایک خاص تبدیلی رونما ہونے لگی۔ پتھر کے پجاری حضرت خواجہؒ کے قریب ٹھہر کر آپ کا طریقہ عبادت دیکھنے لگے پھر کافروں کی یہ دلچسپیاں اس حد تک بڑھیں کہ بعض منکرین اپنے آباؤ اجداد کا مذہب چھوڑ کر حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔ اجمیر کے حکمران پرتھوی راج نے شروع میں اسے ایک معمولی واقعہ سمجھ کر نظر انداز کر دیا مگر جب مذہب تبدیل کرنے والے راجپوتوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا تو پرتھوی راج کو فکر لاحق ہوئی۔ اس نے اپنے قریبی درباریوں سے مشورہ کیا۔ آخر طویل غور و فکر کے بعد ایک منصوبہ بنایا گیا۔ منصوبے کی تفصیل اس طرح تھی کہ پرتھوی راج نے اپنے ایک درباری امیر کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ مسلمان درویش کی خدمت میں ادب کے ساتھ حاضر ہوگا اور پھر ظاہری طور پر اسلام قبول کر کے حالات کا جائزہ لیتا رہے گا۔ دراصل اس راجپوت سردار کی حیثیت ایک جاسوس کی تھی۔ اسے حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی بارگاہ میں اس لیے بھیجا جا رہا تھا کہ وہ مسلمانوں کی سرگرمیوں سے پرتھوی راج چوہان کو مطلع کرتا رہے کہ اسلام کے بڑھتے ہوئے اثرات کا بروقت مقابلہ کیا جا سکے۔

پھر ایک دن وہی درباری امیر حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے سامنے دست بستہ کھڑا تھا۔

''تم کون اور یہاں کس لیے آئے ہو؟'' حضرت سلطان الہندؒ نے نہایت نرم لہجے میں راجپوت سردار سے پوچھا۔

''میں سمراٹ پرتھوی راج چوہان کا درباری امیر ہوں۔'' آنے والے نے سر جھکا کر کہا۔ ''آپ کے پاس اس لیے آیا ہوں کہ اب نیا مذہب اختیار کرنا چاہتا ہوں۔'' راجپوت سردار نے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔

''باپ دادا کے مذہب سے کیوں بیزار ہو؟'' حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے راجپوت



سردار سے نیا سوال کیا۔ ''تمہارے آباؤ اجداد تو صدیوں تک اس مذہب پر عمل پیرا رہے اب تم میں اچانک یہ تبدیلی کیوں آئی ہے؟''

''مجھے لاکھوں دیوتاؤں اور ہزاروں دیویوں کا مذہب پسند نہیں۔'' راجپوت سردار نے پرجوش لہجے میں کہا۔ ''میں نے سنا ہے کہ مسلمانوں کا خدا ایک ہے' اس لیے میں بھی بے شمار خداؤں کو چھوڑ کر صرف اس کی پوجا کرنا چاہتا ہوں۔''

''بے شک ہمارا خدا ایک ہے۔'' حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے فرمایا۔ ''مگر ایک خدا کی عبادت کرنا آسان نہیں' اس راستے میں دنیا کا ذکر ہی کیا' خود اپنی ذات کی بھی نفی کرنی پڑتی ہے۔''

''میں اس ذمہ داری کو قبول کرنے کیلئے تیار ہوں۔'' پرتھوی راج کے درباری امیر کا جوش بڑھتا جا رہا تھا۔ ''میں ایک خدا کے سوا تمام طاقتوں سے انکار کروں گا۔''

''تم یہ انکار نہیں کر سکو گے۔'' حضرت سلطان الہندؒ نے راجپوت کے دعوے کو مسترد کرتے ہوئے فرمایا۔

''آپ یہ بات کس طرح کہہ رہے ہیں؟'' راجپوت سردار کی باتوں سے حیرت کا رنگ نمایاں تھا۔

''تم یہ راز نہیں سمجھ سکتے۔'' حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے مختصراً فرمایا۔

''میں اس بحث کو طول دینا نہیں چاہتا۔'' راجپوت سردار کا لہجہ بدستور عاجزانہ تھا۔ ''میں تو صرف اس لیے آیا ہوں کہ مجھے اپنے مذہب میں شامل کر لیں۔''

''میری کیا طاقت ہے کہ میں کسی کو مسلمان کر سکوں۔'' حضرت سلطان الہندؒ نے فرمایا۔ ''کسی انسان کو ہدایت دینا محض اللہ کے فضل و کرم پر منحصر ہے۔ اگر وہ ایک شخص کو ہدایت دینا نہیں چاہتا تو پھر سارے جن و انس مل کر بھی کسی گمراہ کو ہدایت یافتہ نہیں بنا سکتے۔''

اس کے بعد راجپوت سردار بہت دیر تک حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے حضور درخواست کرتا رہا مگر آپ نے اسے دولت ایمان سے سرفراز نہیں کیا۔ یہاں تک کہ وہ ناکام و نامراد لوٹ گیا۔ اس وقت حضرت سلطان الہندؒ کے چند خدام بھی موجود تھے۔ ان لوگوں نے اپنی

زندگی میں پہلی بار یہ منظر دیکھا تھا جب کسی غیر مسلم نے قبول اسلام کی درخواست کی ہو اور حضرت خواجہؒ نے جواب میں انکار فرما دیا ہو۔ یہ ایک غیر معمولی واقعہ تھا' جس پر خدام آپس میں بہت دیر تک گفتگو کرتے رہے مگر کسی میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ کوئی حضرت سلطان الہندؒ سے اس انکار کا سبب دریافت کر سکے۔

پھر حالات نے نئی کروٹ لی۔ دوسرے دن چند خدام ایسے افراد کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا' جو ظاہری شکل و صورت سے راجپوت نظر آ رہے تھے مگر جب وہ لوگ قریب آ گئے تو خدمت گاروں کو اندازہ ہوا کہ ان کا تعلق پرتھوی راج کے دربار سے ہے۔ آتے ہی ان لوگوں نے حضرت خواجہؒ سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی۔ خدام نے سلطان الہندؒ کو اطلاع دی۔ آپ نے فوراً ہی آنے والوں کو خانقاہ کے اندر طلب کر لیا۔ (اس وقت حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی خانقاہ ایک جھونپڑی پر مشتمل تھی) راجپوتوں کی اس مختصری جماعت میں وہ سردار بھی شامل تھا جسے حضرت خواجہؒ نے مسلمان بنانے سے انکار کر دیا تھا۔

''ہم آپ سے ایک خاص مسئلے پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔'' آنے والوں میں سے ایک سردار نے اپنی آمد کا مقصد بیان کرتے ہوئے کہا۔

''آپ حضرات کو جو کچھ کہنا ہے' بلا جھجک کہیں۔'' حضرت سلطان الہندؒ نے نہایت شگفتہ لہجے میں فرمایا۔ ''درویش تو یہاں آیا ہی اس لیے ہے کہ اپنی بات کہے اور دوسروں کی سنے۔''

''یہ شخص کل آپ کے پاس قبول اسلام کیلئے حاضر ہوا تھا۔'' آنے والوں میں سے ایک شخص نے راجپوت سردار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''مگر آپ نے اسے اپنے مذہب میں شامل کرنے سے انکار کر دیا' آخر ایسا کیوں؟ کیا آپ کے یہاں بھی انسانوں کی درجہ بندی ہے؟''

''اسلام میں کوئی تفریق نہیں۔'' حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کا لہجہ اچانک بدل گیا تھا اور اب آپ کے الفاظ سے جلال روحانی کا اظہار ہونے لگا تھا۔ ''اللہ کے دین کا دروازہ سب کیلئے کھلا ہے مگر وہاں کسی منافق۔۔۔''

''آپ اس شخص کو منافق کس طرح کہہ سکتے ہیں جو اپنی مرضی سے یہاں آیا تھا۔'' دوسرے راجپوت سردار نے جرح کے انداز میں کہا۔



''اگر یہ اپنی مرضی سے یہاں آتا تو ذات واحد کی قسم! اس فقیر کو اپنے تصور سے زیادہ کشادہ دل پاتا۔'' حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے راجپوت سردار کے دعوے کی نفی کرتے ہوئے فرمایا۔ ''یہ منافق ہی نہیں' جاسوس بھی ہے۔''

''جاسوس؟'' حضرت خواجہؒ کے انکشاف نے راجپوتوں کے ہوش اڑا دیے تھے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ان کا منصوبہ اس طرح بے نقاب ہو جائے گا۔ حضرت سلطان الہندؒ کی قوت کشف نے راجپوتوں کو حیران کر دیا تھا پھر بھی ان لوگوں نے اپنی خفت مٹانے کیلئے اس طرح کہا' جیسے وہ اس راز سے بے خبر ہوں۔ ''یہ کس کا جاسوس ہے؟''

''یہ اسی سے دریافت کرو۔'' حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے فرمایا: ''میں نے اسے کلمہ طیبہ کی تلقین اس لیے نہیں کی کہ یہ اپنی عملی زندگی میں بہت زیادہ گناہ گار ہے۔ اس نے بے گناہ انسانوں پر مظالم ڈھائے ہیں اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ دوسرے یہ کہ اسے اپنے حکمران کو سجدہ کرنے کی عادت ہے۔۔۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کی قسمت میں ہدایت نہیں ہے۔ میں نے اللہ کے فضل سے لوح محفوظ پر دیکھا ہے کہ یہ دنیا سے ایمان کے ساتھ رخصت نہیں ہوگا۔ سارا اجمیر دیکھے گا کہ اس کی موت بڑی بے کسی کی موت ہوگی۔'' یہ کہتے ہوئے حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کا چہرۂ مبارک غصے سے سرخ ہو گیا۔ ''اسلام میں منافقوں اور جاسوسوں کی کوئی گنجائش نہیں۔ عنقریب یہ لوگ اپنا حشر دیکھ لیں گے۔''

منصوبہ سازوں کا یہ گروہ حضرت سلطان الہندؒ کے جلال کی تاب نہ لا سکا اور لرزتے ہوئے قدموں سے واپس چلا گیا۔ راجپوت سرداروں نے تمام حالات پرتھوی راج چوہان کے گوش گزار کر دیے۔ اجمیر کا حکمران ایک درویش کی بے باکانہ گفتگو کو برداشت نہ کر سکا اور اس نے اپنے چند سپاہیوں کے ذریعے حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کو یہ گستاخانہ حکم دیا۔

''اگر عافیت چاہتے ہو تو فوراً اجمیر کی حدود سے بہت دور چلے جاؤ ورنہ ایسی دردناک سزا دوں گا کہ آنے والی نسلیں تمہارے حال سے عبرت حاصل کریں گی۔''

اس حکم کے جواب میں حضرت سلطان الہندؒ نے فرمایا تھا۔ ''یہ تو خدا ہی جانتا ہے کہ اجمیر کی حدود سے کون نکلے گا اور زمانہ کس کے حال سے عبرت پکڑے گا؟''

ابھی واقعے کو تین دن بھی نہیں گزرے تھے کہ شہاب الدین غوری نے اجمیر پر حملہ کر دیا۔

ایک خونی معرکہ آرائی کے بعد پرتھوی راج چوہان نے ذلت آمیز شکست کھائی اور افغان سپہ سالار کے ہاتھوں گرفتار ہوا۔ اس تاریخی واقعے میں اہل نظر کے لیے جہاں بے شمار سبق ہیں وہاں یہ پہلو بھی عجیب ہے کہ جس راجپوت سردار کے بارے میں حضرت سلطان الہندؒ نے پیش گوئی کی تھی' وہ حرف بہ حرف درست ثابت ہوئی۔ جب آگ اور خون کا کھیل ختم ہو گیا تو مسلمان کو دریا میں ایک سڑی ہوئی لاش نظر آئی۔ یہ لاش اسی سردار کی تھی جس کے بارے میں حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے فرمایا تھا۔

"میں نے اللہ کے فضل سے لوح محفوظ پر دیکھا ہے کہ یہ دنیا سے ایمان کے ساتھ رخصت نہیں ہو گا اور اس کی موت بڑی بے کسی کی موت ہو گی۔"

یہ واقعہ سنانے کے بعد حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کچھ دیر کیلئے خاموش ہو گئے۔ پھر ایک مختصر سے وقفہ سکوت کے بعد آپ دوبارہ حاضرین سے مخاطب ہوئے مگر اشارہ ان درباری علماء کی طرف تھا جو خانقاہوں میں بیٹھنے والے درویشوں کو بے عمل کہتے تھے۔

"میں جانتا ہوں کہ یہ مسجدوں کے امام' زندگی کے دشت الم میں نماز ادا نہیں کر سکتے۔ یہ تقریر کے ماہرین زیر شمشیر اپنے ایمان کی شہادت نہیں دے سکتے۔ یہ فقہ کی باتیں کرنے والے' یہ راز نہیں جانتے کہ خدا ہر شے سے بے نیاز ہے۔ یہ حقوق العباد کا ذکر کرنے والے اس بات سے بے خبر ہیں کہ انسان کے پاس جو کچھ ہے' وہ سب اللہ کا دیا ہوا ہے۔ قدم قدم پر سود و زیاں کا حساب کرنے والے اس حقیقت سے نا آشنا ہیں کہ خدا چاہے تو زیاں بھی سود ہے...... اور اگر خدا نہ چاہے تو پھر ہر سود زیاں ہے' نقصان ہے' خسارہ ہے۔ یہ شرع کی آگ لے کر اپنے شکم بھرنے والے نہیں جانتے کہ رسالت مآبؐ کے گھر سے چالیس چالیس دن دھواں نہیں اٹھتا تھا۔ یہ سنت رسولؐ اہل علم کو یاد نہیں۔ پانچ وقت کی نمازیں ادا کر کے دوسروں کو بے عمل کہنے والے گریہ نیم شب کو کیوں بھول جاتے ہیں؟ وہ کیوں اس واقعہ عظیم کو فراموش کر دیتے ہیں۔ سرور کونینؐ رات رات بھر اپنے رب کے حضور کسی عمارت کے ستون کی مانند کھڑے رہتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ کے پائے اقدس پر ورم آ جاتا تھا۔ یہ لحاتی سجدہ کرنے والے اس سجدہ طویل کو کیوں یاد نہیں کرتے جب حضور اکرم کو سجدے کی حالت میں صبح ہو جاتی تھی اور دیکھنے والے دیکھتے تھے کہ پتھروں پر سجدہ کرنے کے سبب کبھی پیشانی رسالت مآبؐ سے خون کے قطرے ٹپکنے لگتے تھے۔ یہ بھی تو مزاج



شریعت ہے۔ آخر یہ علمائے ظاہر اس سنت کی پیروی کیوں نہیں کرتے؟ یہ زندگی کا مشکل ترین عمل ہے۔ محفلیں آراستہ کرنے والے' آپ نے لباسوں اور عماموں کو خوشبوؤں میں بسانے والے اس راستے سے نہیں گزر سکتے۔ اگرچہ یہ لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ رسالت مآبؐ وادیٔ طائف میں لہولہان بھی ہوئے ہیں۔ کارزار حیات میں ایک عظیم سپاہی کی حیثیت سے شمشیر بکف بھی اترے ہیں۔ شعب ابی طالب میں بھوک اور پیاس کی ناقابل بیان تکلیف بھی برداشت کی ہے۔ یہ سنت کی اعلیٰ ترین مثالیں ہیں۔ صحیح مسلمان ہونے کا دعویٰ کرنے والے اس راہ سے کیوں نہیں گزرتے؟ وہ تو شبنم اور سبزہ زاروں پر محو خرام ہونے والے ہیں۔ آقاؐ کی سنت سے تو ہم غلاموں کو عشق ہے۔ ہماری صفوں سے کوئی قلندر اٹھتا ہے اور بادشاہوں کے درباروں میں پہنچ کر ان کے اقتدار و حکومت کی نفی کر دیتا ہے۔۔۔ اور پھر تہ تیغ ہو جاتا ہے۔ یہ خوش بیان واعظ مقرر مزاج شاہ کا اندازہ کر کے تقریر شروع کرتے ہیں اور اس برسر اقتدار انسان کی لغزشوں پر مسلسل پردہ ڈالتے رہتے ہیں۔ ہماری جماعت کا ایک درویش شاہوں کے دربار کو حقارت سے دیکھتا ہوا گزر جاتا ہے اور ان مقامات کا رخ کرتا ہے جہاں برہمنوں اور ٹھاکروں کا ہجوم ہے۔ وہ ان کے خداؤں کو جھٹلاتا ہے اور حق کا پیغام سناتا ہے۔ اہل ہنود اس درویش پر زندگی کے دروازے بند کر دیتے ہیں مگر وہ اپنے ارادوں سے باز نہیں آتا۔ یہاں تک کہ بت پرستوں کی صدیوں پرانی تاریخ تباہ ہو جاتی ہے۔ کل جہاں مندروں میں ناقوس کی آوازیں گونجتی تھیں' آج وہاں "اللہ اکبر" کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں۔ یہ جبہ و دستار کے طالب اپنی قباؤں کی نفاست ہی پر غور کرتے رہتے ہیں اور ایک فقیر بے مایہ' دریدہ لباس' خالی شکم' کسی درخت کے نیچے سے اٹھ کر کفار کے عقائد کی بساط اُلٹ دیتا ہے۔ یہ علم کے وارث اپنے مذہبی فرائض ادا کر کے نرم و گداز بستروں پر گہری نیند سو جاتے ہیں۔۔۔ اور ایک جان سوختہ عشق الٰہی رات بھر اپنے خالق کے آگے سجدہ ریز رہ کر گریہ وزاری کرتا ہے۔ درویش قدرت کے ایک مبہم سے اشارے پر اپنی جان سے گزر جاتا ہے اور یہ دانشمند لوگ اپنی زندگی بچانے کیلئے جواز تلاش کرتے رہتے ہیں۔ یہ علمائے ظاہری ہر وقت سر بگریباں رہتے ہیں اور درویش سر بکف پھر دونوں میں کیا تقابل ہے' کیا نسبت ہے؟ جن کے دل گداز سے خالی ہیں' سوز سے محروم ہیں' جاں فروشی کے جذبے سے عاری ہیں' وہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے مقام روحانیت کو کیا سمجھ سکتے ہیں؟ انہیں کیونکر اندازہ ہو گا کہ سلطان الہندؒ کے روبرو ایک شیر خواجہ بچہ کس طرح گفتگو کرتا ہے؟ ایک مقتول کس طرح حیات نو پاتا ہے؟ آگ کے پجاری

کس طرح وحدانیت کا اقرار کرتے ہوئے آتش کدوں کو اپنے ہاتھوں سے بجھا دیتے ہیں' کس طرح لوح محفوظ کا فیصلہ زمین پر نازل ہوتا ہے اور کس طرح لاکھوں راجپوت سپاہیوں کے حصار میں پرتھوی راج چوہان کا جسم ٹکڑوں میں تبدیل ہو جاتا ہے؟ یہ سب کچھ کیا ہے' اس کا ادراک درباری علماء کو نہیں ہو سکتا۔ یہ تمام چیزیں ان کی عقل سے ماوراء ہیں جو اللہ کے پسندیدہ بندوں میں الزام تراشی کرتے ہیں اور انہیں سیاہ کار ثابت کرنے کیلئے جھوٹی گواہیاں لاتے ہیں...... مگر وہ کچھ بھی کر لیں۔ اللہ کے کسی محبوب کے چہرے پر سیاہی نہیں مل جا سکتی۔ اس کے نام لیواؤں کے چہرے بھی روشن رہیں گے اور قبریں بھی اس وقت جتنے لوگ سرزمین ہند پر بستے ہیں' وہ میرے سلطان ہی کی رعایا ہیں۔ میرا سلطان تاج و تخت نہیں رکھتا' اس کے دروازے پر مسلح افواج کا پہرہ نہیں۔ بے شک! وہ ایک بوریا نشین ہے مگر انسانوں کے دلوں پر حکومت کرتا ہے...... اور یہی حکومت حقیقی ہے پائیدار ہے۔ میرے سلطان کا اقتدار چند سانسوں پر محیط نہیں کہ انسان کی آنکھ بند ہوئی اور سب کچھ خاک میں مل گیا۔ میرا سلطان تو وہ ہے جو دنیا سے گزر جانے کے بعد بھی اہل دل پر حکومت کرے گا۔ قیامت تک جو لوگ ہندوستان میں پیدا ہوں گے' وہ سب کے سب سلطان الہندؒ کی رعایا میں شمار ہوں گے۔'' یہ کہتے کہتے حضرت قطبؒ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ جوش جذبات سے آپ کی آواز لرز رہی تھی اور خود سامعین کا یہ حال تھا کہ روتے روتے ان کے دامن بھیگ گئے تھے۔ پہلی بار اہل شہر کو اندازہ ہوا تھا کہ ساعت فراق کسے کہتے ہیں اور حضرت سلطان الہندؒ کے اجمیر تشریف لے جانے سے بے قرار روحوں پر کیا قیامت گزر رہی ہے؟

ایک اور مجلس میں حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ نے حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی روحانی عظمتوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

## غوری کی حاضری

''یہ اسی زمانے کی بات ہے جب پرتھوی راج کو شکست ہوئی تھی۔ راجپوت حکمران کو گرفتار کرنے کے بعد شہاب الدین غوری' حضرت خواجہؒ کی قدم بوسی کو حاضر ہوا۔ سلطان الہندؒ نے اسے مزید فتح و نصرت کی دعائیں دیں۔ جب افغان سپہ سالار رخصت ہونے لگا تو اس نے نذر کے طور پر حضرت سلطان الہندؒ کی خدمت میں زر نقد اور قیمتی تحائف پیش کیے مگر آپ نے انہیں قبول نہیں کیا البتہ اتنا فرمایا کہ ان تمام اشیاء کو اجمیر کی ضرورت مند مسلمانوں میں تقسیم کر دیا



جائے۔ شہاب الدین غوری نے سلطان الہندؒ کے حکم کے مطابق ساری چیزیں مقامی مسلمانوں میں بانٹ دیں اور پھر درخواست گزار لہجے میں عرض کرنے لگا۔

''میں تو مخدوم کی خدمت کرنا چاہتا ہوں۔''

''خدا تمہیں اجر عظیم دے کہ تم نے فقیر کا اس قدر لحاظ رکھا۔'' حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے فرمایا:

''دولت اس دنیا کا فتنہ عظیم ہے۔ اگر یہ کوئی اچھی چیز ہوتی تب بھی میں اس کی طلب نہیں رکھتا' زمین پر صرف اللہ میرا کفیل ہے اور وہ کسی نہ کسی طرح میری ضرورتوں کی تکمیل کر دیتا ہے۔''

شہاب الدین غوری کے قتل کے بعد قطب الدین ایبک نے ہندوستان کی عنان حکومت سنبھالی۔ غلام خاندان کے اس پہلے حکمران نے حضرت سلطان الہندؒ کی خدمت عالیہ میں گراں بہا نذریں پیش کیں مگر آپ نے حسب عادت سختی سے انکار فرما دیا۔ ایبک کے بعد سلطان شمس الدین التمش نے تخت ہندوستان پر قدم رکھا۔ یہ درویش صفت شہنشاہ حضرت خواجہؒ سے بے پناہ عقیدت رکھتا تھا لیکن تحائف قبول کرنے کے سلسلے میں وہ بھی حضرت سلطان الہندؒ کو مجبور نہ کر سکا۔ اس کے علاوہ اجمیر کے حاکم بھی حضرت خواجہؒ کے آستانے پر حاضری دیتے رہتے تھے مگر سلطان الہندؒ کو ان کے قیمتی عطیات سے کوئی سروکار نہ تھا۔ آپ ہر بار شان بے نیازی کا مظاہرہ کرتے یہاں تک کہ اہل ثروت اپنے مقصد میں ناکام ہو کر لوٹ جاتے۔

جیسے جیسے دن گزرتے جا رہے تھے حلقہ اسلام وسیع تر ہوتا جا رہا تھا۔ اجمیر جغرافیائی اعتبار سے ایک ایسا خطہ زمین ہے کہ جہاں ماضی میں آمدنی کے ذرائع محدود تھے اس لیے شہر اجمیر کے تمام غریب سمٹ کر حضرت سلطان الہندؒ کی خانقاہ میں جمع ہو گئے تھے۔ کچھ تاریخی روایتوں سے پتا چلتا ہے کہ ایسے مفلس اور ضرورت مند افراد کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی تھی۔ آپ ان لوگوں کی روحانی تربیت بھی کرتے اور لباس و غذا کا بھی انتظام فرماتے۔ نتیجتاً حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی خانقاہ سے ایک بڑا لنگر خانہ قائم ہو گیا تھا جہاں بے شمار بھوکے دونوں وقت کا کھانا کھاتے تھے۔ ہندوستان میں کچھ اور بھی بزرگان دین ایسے گزرے ہیں جن کے یہاں بھوکے اور پریشان حال انسانوں کی بھیڑ لگی رہتی تھی اور روز و شب لنگر جاری رہتا تھا...... لیکن حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اور دیگر بزرگوں کے انتظامات میں بڑا فرق تھا۔ دوسرے بزرگوں کی خانقاہوں میں

بادشاہوں، وزیروں، امیروں اور دیگر اہل ثروت کی جانب سے بے شمار نذریں آتی تھیں۔ جنہیں وہ خدا رسیدہ لوگ غریبوں اور محتاجوں میں تقسیم کر دیتے تھے اور اس کے ساتھ ہی ایک لنگر خانہ قائم کر دیا جاتا تھا جس سے بھوکوں کو رزق حاصل ہوتا رہتا تھا اس کے برعکس حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کا دستور یہ تھا کہ آپ کسی شہنشاہ یا کسی امیر و وزیر کی کوئی نذر قبول نہیں فرماتے تھے مگر پھر بھی آپ کے لنگر خانے سے صبح و شام ہزاروں انسان اپنے شکم کی آگ بجھاتے تھے۔ اہل شہر کو حضرت سلطان الہندؒ کے اس عمل پر شدید حیرت ہوتی تھی۔ ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اتنے بڑے لنگر خانے کے اخراجات کس طرح پورے ہوتے ہیں؟ بعض تجسس پسند افراد بہت دن تک اس جستجو میں رہے کہ کسی نہ کسی طرح حضرت سلطان الہندؒ کے ذریعہ آمدنی کا پتا چل جائے مگر وہ سب کے سب اپنی کوششوں میں ناکام رہے۔ انہیں اس بات کی ہوا بھی نہ لگ سکی کہ غریبوں کے طعام کیلئے پیسہ کہاں سے آتا ہے؟

اس صورتحال نے تنگ نظر لوگوں کو حسد میں مبتلا کر دیا تھا اور جو عقیدت مند تھے انہیں ہر وقت یہی فکر لاحق رہتی تھی کہ حضرت خواجہؒ اخراجات کا یہ بار گراں کس طرح برداشت کرتے ہوں گے۔ اپنے اسی جذبے سے مجبور ہو کر حاکم اجمیر یا کوئی صاحب ثروت حضرت سلطان الہندؒ کے روبرو حاضر ہو کر درخواست کرتا۔

''ہم اپنے آپ میں یہ جرأت اظہار نہیں پاتے کہ لنگر خانے کے اخراجات کی ذمہ داریاں ہمیں منتقل کر دی جائیں۔ یہ ہم گناہ گاروں کیلئے بڑا شرف ہوگا کہ آپ کی کوئی خدمت انجام دے سکیں۔''

''تم جانتے ہو کہ یہ لوگ کون ہیں؟'' حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کا اشارہ ان ضرورت مند انسانوں کی طرف تھا جو ہر وقت آپ کی خانقاہ میں موجود رہتے تھے۔ ''انہیں اللہ نے میرے پاس بھیجا ہے۔ یہ میرے مہمان ہیں اب تم چاہتے ہو کہ میں اپنے مہمانوں کو تمہارے حوالے کر دوں؟ یہ کیسی عجیب بات ہے؟ کون غیرت مند انسان برداشت کرے گا کہ اس کے مہمان دوسرے کے در پر جا پڑیں۔ اگر یہ عام مہمان ہوتے تو شاید میں گوارہ کر لیتا کہ تم ان لوگوں کی میزبانی کرو۔۔۔ لیکن یہ وہ مہمان خصوصی ہیں جنہیں خالق کائنات نے میرے سپرد کیا ہے۔ یہ بہت معزز لوگ ہیں۔ خود ان کی عزت نفس بھی گوارہ نہیں کرے گی کہ یہ ایک دروازے سے



دوسرے دروازے پر منتقل ہو جائیں۔ انہیں میرے پاس ہی رہنے دو۔ یہ بہت نازک مزاج ہیں۔ ان کے دلوں کا شیشہ تحقیر کی ہلکی سی ضرب بھی برداشت نہیں کر سکے گا۔ یہ میری اولاد کے مانند ہیں۔ میرے سوا کوئی شخص ان کی نازبرداری نہیں کر سکتا۔ پھر تم کیا سمجھتے ہو کہ میں انہیں اپنی جاگیر کی آمدنی سے کھلاتا ہوں؟ میری اس زمین پر کوئی جاگیر نہیں۔ یہ زمین خدائے واحد کی ملکیت ہے۔ اس لیے سارے خزانوں کا بھی وہی مالک ہے۔ معین الدین کا سرمایہ حیات تو بس اتنا ہے کہ اسے ایک وقت کی روٹی بھی میسر نہیں۔ وہ شاہ و امیر ہوں یا محتاج و گداگر ان سب کو وہ خلاق عالم ہی رزق پہنچاتا ہے مگر اکثر لوگ اس کا شعور نہیں رکھتے۔''

حضرت سلطان الہندؒ نے اپنے مہمانوں کی شخصیت کو اس طرح بیان کیا کہ اجمیر کے آسودہ حال لوگ رو پڑے۔ انہوں نے اپنی پوری زندگی میں انسانی اعلیٰ ظرفی اور انکسار کا ایسا عظیم الشان مظاہرہ نہیں دیکھا تھا۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ ان محتاجوں کو جس طرح اپنے سینے سے لگائے ہوئے تھے اس کی مثال ایک نہایت دردمند باپ ہی فراہم کر سکتا ہے۔۔۔۔ مگر صرف اپنی اولاد کی حد تک سلطان الہندؒ کی یہ نوازشات تو ان لوگوں پر عام تھیں، جن سے آپ کا کوئی خونی یا نسبی رشتہ نہیں تھا۔

''میں تمہارا شکر گزار ہوں کہ تم نے اس فقیر کی ضروریات کا اتنا لحاظ رکھا مگر آئندہ ان باتوں سے مجھے اذیت پہنچے گی۔'' حضرت سلطان الہندؒ نے چند لمحوں کے سکوت کے بعد دوبارہ فرمایا:

''ان کی میزبانی میرا فرض ہے۔ سر محشر سے اس سلسلے میں سخت باز پرس ہوگی کہ معین الدین اہم نے تمہارے پاس کچھ مہمان بھیجے تھے تم نے انہیں دوسروں کے کاندھوں کا بوجھ بنا دیا۔ کیا تم چاہتے ہو کہ میں مالک روز جزا کے سامنے سر جھکائے ہوئے آؤں اور ایک ایسے مجرم کی طرح کھڑا ہوں جس نے اپنے آپ کو رزاق سمجھ لیا تھا۔'' حضرت سلطان الہندؒ نے در پردہ نہایت مہذب الفاظ میں اہل سرمایہ یہ بات واضح کر دی تھی کہ دولت کے انبار بھی محض خدا کے فضل و کرم سے ہیں اور اگر خدا نہ چاہے تو ایک انسان تنہا اپنی کفالت بھی نہیں کر سکتا۔

حضرت سلطان الہندؒ کی گفتگو سن کر وہ مالکان سیم و زر وہ صاحبان اقتدار ندامت کے پسینے میں نہائے ہوئے واپس چلے گئے۔ ایک درویش نے 'زمین جس کا بستر تھی اور آسمان جس کا سائبان تھا' دنیا کے تمام وسائل و اسباب کی نفی کر دی تھی۔ اس کے بعد پھر کسی اہل کرم نے حضرت خواجہؒ کے مہمانوں کا ذکر نہیں چھیڑا اور سلطان الہندؒ کا لنگر خانہ روز بروز کشادگی اختیار کرتا چلا گیا۔

سید اجمیر کا تعلق اس ممتاز گروہ سے تھا جن کی نظر میں یہ بات قطعاً اہم نہ تھی کہ وہ کن

حالات میں گھرے ہوئے ہیں بلکہ ان کیلئے قابل توجہ یہ بات ہوتی ہے کہ عام لوگ کن حالات میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ مایوس کے عالم میں لوگ اپنی اپنی لاشیں اٹھائے زندگی کا طویل اور کٹھن سفر طے کر رہے ہیں۔ اپنی بات اس خیال پر ختم کروں گا کہ جب ان بزرگوں نے خود خدا کو اپنے اندر دیکھ لیا، اس خدا کو جو ہر شخص کی شاہ رگ سے بھی زیادہ نزدیک ہے، تو ان پر یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ بظاہر سارے انسان ایک دوسرے سے مختلف ہیں لیکن ان سب انسانوں میں بلا امتیاز عمر، جنس، رنگ، نسل، قوم، مسلک، زبان، زمان اور مکان ایک ہی حقیقت جلوہ گر ہے۔ انہیں ہر قدم پر ہر طرف خدا کا مسکن، خدا کا حرم، خدا کا گھر بار اور ٹھکانہ سڑکوں پر متحرک نظر آتا ہے۔ اس لئے خدا کو پانے کیلئے انسان کو پانا پڑتا ہے۔ خدا سے رشتہ استوار کرنے کیلئے انسان کو مستحکم کرنا پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضورؐ نے مومن کی نشانی اس بات کو قرار دیا کہ اس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرا انسان محفوظ ہوتا ہے۔ یاد رہے کہ زبان سے تحفظ حاصل ہونا بڑی اہم بات کی طرف اشارہ ہے۔ اس قول کے پیچھے یہی حکمت ہے کہ خدا انسان کے اندر بستا ہے اور انسان کا دل توڑنے سے اللہ کا تصور مجروح ہوتا ہے۔

بلھے شاہؒ نے کیا خوب کہا ہے:

سب اکو رنگ کپاہ ہی دا

یعنی کپاس کا رنگ تو ایک ہی ہے لیکن کپاس سے مختلف الانوع اور قسم قسم کی چیزیں بن جاتی ہے۔ حقیقت سب کی ایک ہی ہے۔



# تعلیمات

اس باب میں خواجہ صاحبؒ کی تعلیمات و ملفوظات اور اوراد کا ذکر کریں گے۔ یہ مواد ہم نے دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور میں خواجہ صاحب سے متعلق ایک کتاب بعنوان معین الہند سے حاصل کیا۔ یہ کتاب ڈاکٹر ظہور الحسن شارب صاحب ایم اے۔ ایل ایل بی نے لکھی ہے جسے مکتبہ دینیات، آصف علی روڈ، نئی دہلی نے نومبر 1961ء میں شائع کیا ہے۔ یہ کتاب حال ہی میں لاہور لائبریری میں آئی تھی۔

ڈاکٹر ظہور الحسن شارب صاحب لکھتے ہیں کہ

''خواجہ غریب نوازؒ کی مجالس تعلیم و تلقین کیلئے مشہور تھیں۔ ان مجالس میں تصرفات باطنی اور فیوض روحانی کی پیہم بارش ہوتی تھی۔ آپ اپنی زبان فیض ترجمان سے جو کچھ فرماتے اس کو آپ کے خلیفہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ لکھ لیتے اور نہایت احتیاط سے اسے ترتیب دیتے۔ حضرت خواجہ قطب صاحب نے دلیل العارفین کے عنوان سے ایک کتاب مرتب کی جس میں خواجہ غریب نوازؒ کی مجالس کا حال ہے۔''

## پیر کی خدمت

حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے حضرت قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کو مجلس میں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

''جب میں شیخ الاسلام سلطان المشائخ حضرت خواجہ عثمان ہارونی نور اللہ مرقدہٗ سے پیوستہ ہوا اور بیعت کا شرف پایا، آٹھ سال کی مدت تک آنحضرت کی

خدمت گزاری میں ایک لمحہ نفس کو آسودگی نہ دی۔ نہ دن کو دن جانا اور نہ رات کو رات۔ جہاں آنحضرت مسافرت کو جاتے دُعا گو آنحضرت کا جامہ خواب اور توشۂ سفر پر لئے ہمرکاب رہتا تھا۔ پیرومرشد نے اس درویش کی خدمت دیکھ کر وہ نعمت عطا فرمائی کہ جس کی کوئی حد نہیں ہے۔"

بعدہٗ ارشاد فرمایا:

"جس نے پایا خدمت سے پایا۔ مرید کو چاہیے کہ پیر کے فرمان سے ذرہ بھر تجاوز نہ کرے اور جو کچھ پیر نماز اور وظائف وغیرہ کے متعلق فرمائے، اس کو گوشِ ہوش سے سنے اور اس پر عمل کرے تاکہ مطلوبہ مقام پر پہنچے۔ پیر مرید کا مشاطہ ہے کیونکہ جس امر کی پیر مرید کو تلقین کرے گا وہ حصولِ کمال کیلئے ہوگی۔"

پھر ارشاد فرمایا کہ:

"برادرم شیخ شہاب الدین سہروردی کا بھی یہی معاملہ ہے کہ وہ بھی اپنے پیرومرشد کا سامان سر پر رکھے ہوئے سفرِ حج میں جاتے تھے اور واپس آتے تھے۔ آخرِ انہوں نے وہ نعمت پائی جس کی حد و انتہا نہیں اور اس نعمت کو جو شیخ موصوف نے پائی، لوگ نہیں سمجھ سکتے تھے۔"

(دلیل العارفین از خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، ص3)

## پاکیزگی اور طہارت

خواجہ غریبؒ نے فرمایا کہ:

"جو لوگ عارف ہیں اور دوست کی محبت میں مستغرق رہتے ہیں۔ ان کے متعلق مرقوم ہے کہ جو بندہ رات کو باطہارت سوتا ہے فرشتہ کو ارشادِ باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ جب تک وہ بیدار نہ ہو اس کے پاس رہو۔ فرشتہ عرض کرتا ہے کہ خداوندا اس بندے کو بخش دے کہ نیک ہے اور طہارت کے ساتھ سویا ہے۔"

پھر فرمایا کہ:

"شرح عارفان میں آیا ہے کہ جو بندہ باطہارت سوتا ہے، فرشتے اس کی



روح زیرِ عرش لے جاتے ہیں۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے کہ اس کو خلعتِ نور پہنایا جائے۔ جب وہ سجدہ کرتا ہے ارشاد ہوتا ہے کہ یہ نیک بندہ ہے جو رات کو باطہارت سویا تھا۔ جو بے طہارت سویا ہے اس کی روح کو آسمانِ اوّل سے گرا دیتے ہیں۔ کہتے ہیں یہ اس قابل نہیں ہے کہ آسمانِ اوّل پر لے جایا جائے اور خدائے تعالیٰ کو سجدہ کرے۔"

(دلیل العارفین، ص4)

## نماز

خواجہ غریب نوازؒ نے حاضرینِ مجلس کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

"نماز میں لوگ منزل گاہِ عزت کے قریب ہوتے ہیں کیونکہ نماز مومن کی معراج ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔

اَلصَّلٰوۃُ معراج المومنین"
(نماز مومن کی معراج ہے)

بعدہٗ آپ نے فرمایا کہ:

"نماز ایک راز ہے جو بندہ اپنے پروردگار سے کہتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے۔

اَلْمُصَلِّیْ یُنَاجِیْ رَبَّہٗ
نماز پڑھنے والا اپنے پروردگار سے راز کہتا ہے۔

اس موقع پر یہ بھی فرمایا کہ:

"نماز بندوں کیلئے خدا کی امانت ہے۔ پس بندوں کو چاہیے کہ اس کا حق اس طرح ادا کریں کہ اس میں کوئی خیانت واقع نہ ہو۔"

اس موقع پر یہ بھی فرمایا کہ:

"بخارا میں میں نے دستار بندوں سے حکایت سنی ہے کہ ایک مرتبہ کسی

نے سرورِ عالم کو خواب میں دیکھا کہ آپ ایک شخص کو نماز پڑھتے دیکھ رہے ہیں اور رکوع اور سجدہ کا پورا حق ادا نہیں کرتا۔ جب وہ نماز پڑھ چکا تو آپ نے اس سے دریافت فرمایا:

''کہ تو کتنے روز سے اس طرح نماز پڑھتا ہے؟''

اس نے عرض کیا۔ ''چالیس سال سے۔''

آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ:

''اس چالیس سال کے عرصہ میں تمہاری کوئی نماز نہیں ہوئی اس درمیان میں اگر تم مرجاتے تو میری سنت پر نہ ہوتے۔''

(دلیل العارفین ص9)

## نماز کا حساب

خواجہ غریب نوازؒ نے فرمایا کہ:

''میں نے حضرت خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہٗ سے سنا ہے کہ قیامت کے دن کل انبیاء، اولیاء اور مسلمان سے نماز کا حساب ہوگا۔ پس جو نماز سے عہدہ برآ ہوگا خوشی پائیگا جو اس کے جواب سے قاصر رہے گا، عذاب دوزخ میں مبتلا ہوگا۔''

(دلیل العارفین ص8)

## دین کا رُکن

آپ نے فرمایا کہ:

''نماز دین کا رُکن ہے اور رُکن ستون ہوتا ہے۔ پس جب ستون قائم ہو گیا تو مکان بھی قائم ہوگا۔ جب ستون نکل جائے گا تو چھت گر پڑے گی۔ چونکہ اسلام اور دین کیلئے نماز بمنزلہ ستون ہے۔ پس جب نماز میں فرض، سنت، رکوع اور سجود میں خلل پڑے گا تو حقیقت اسلام و دین اور اسکے جزیات خراب ہو جائینگے۔

(دلیل العارفین ص9)



## چار راستے

خواجہ غریب نوازؒ نے فرمایا کہ اوّل راہ شریعت ہے۔ دوئم راہ طریقت ہے، سوئم راہ معرفت ہے، چہارم راہ حقیقت ہے۔ طالب جب ثابت قدم رہتا ہے تو ترقی کرتا ہوا مرتبہ حقیقت پر پہنچتا ہے۔ اس مقام پر پہنچنے کے بعد جو کچھ مانگا جاتا ہے وہ حاصل ہوتا ہے۔

اس موقع پر زبان گوہربار سے آپ نے فرمایا کہ:

''ایک مرتبہ میں نے ایک بزرگ کو فرماتے ہوئے سنا کہ عارف وہ ہے جو دونوں جہان ترک کر کے مجرد ہو جائے اور مقامِ فردانیت پر پہنچے کیونکہ جو اس مقام پر ہوتا ہے وہ دو جہان سے بیگانہ ہو جاتا ہے۔''

(دلیل العارفین)

## جھوٹی قسم

خواجہ غریب نوازؒ نے فرمایا کہ:

''جو شخص جھوٹی قسم کھاتا ہے اپنے گھر کو ویران کرتا ہے۔ اس کے گھر سے خیر و برکت اٹھ جاتی ہے۔''

پھر فرمایا کہ:

''بغداد کی جامع مسجد میں نے مولانا عماد الدین بخاری سے یہ بات سنی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خدائے عزوجل نے دوزخ کی صفت میں بیان فرمایا کہ:

''اے موسیٰ! میں نے دوزخ میں ہاویہ وادی پیدا کی ہے اور وہ ساتواں دوزخ ہے۔ اس میں سخت عذاب ہے اور وہ بہت ہی ہول و تاریک ہے۔ نیز اس میں سانپ، بچھو اور گندک کے پہاڑ ہیں جنہیں روزانہ جلایا جاتا ہے۔ پس اے موسیٰ اگر اس کبریت کا ایک قطرہ دُنیا میں آ جائے تو تمام دُنیا کا پانی خشک ہو جائے اور اس کی تیزی سے پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں اور زمین کے ساتوں طبق اس کی گرمی سے پھٹ جائیں۔ اے موسیٰ اتنا سخت عذاب ہم نے دو گروہوں

کیلئے پیدا کیا ہے۔ ایک وہ گروہ جو تارک نماز ہے۔ دوسرے وہ لوگ جو میرے نام کی جھوٹی قسم کھاتے ہیں۔

بعدہٗ آپ نے حسب ذیل حکایت بیان فرمائی

''خواجہ محمد اسلم طوسی ایک بزرگ تھے۔ کسی وقت اُنہوں نے حالت سکر میں سچی قسم کھائی مگر جب وہ عالم صحو میں آئے دریافت کیا:

''کیا میں نے آج قسم کھائی ہے۔''

لوگوں نے کہا: ''جی''

فرمانے لگے:

''آج میرا نفس سچی قسم کھانے کی وجہ سے خیرہ ہو گیا۔ کل اور قسم کھائے گا اور یہ عادت ہو جائے گی۔''

بعدازاں اُنہوں نے سچی قسم کے کفارہ میں چالیس سال کسی سے بات نہیں کی۔

اس دعا گو نے التماس کیا کہ اگر کچھ کام ہوا کرے تو آپ ارشاد کر دیا کریں۔

(دلیل العارفین ص 13-11)

## محبت میں صادق

خواجہ صاحب کی مجلس میں شیخ شہاب الدین سہروردی، خواجہ اجل شیرازی اور شیخ سیف الدین باخرزی رحمتہ اللہ علیہم اجمعین موجود تھے۔ گفتگو اس بارہ میں ہو رہی تھی کہ محبت میں صادق کون ہے۔

خواجہ غریب نوازؒ نے فرمایا کہ:

''محبت میں صادق وہ ہے جس پر دوست بلا نازل کرے اور وہ اس کو برغبت قبول کرے۔''

پھر شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے فرمایا:



''محبت میں صادق وہ ہے جس پر شوق و اشتیاق اس قدر غالب ہو کہ اگر سو ہزار تلواریں بھی اس کے سر پر پڑیں تب بھی اس کو خبر نہ ہو۔''

پھر خواجہ اجل شیرازیؒ نے فرمایا کہ:

''مولا کی دوستی میں صادق وہ ہے جس کو ذرہ ذرہ کر کے آگ میں جلائیں تب بھی وہ دم نہ مارے۔''

بعدازاں سیف الدین باخرزی نے فرمایا کہ:

''صادق وہ ہے کہ جس پر ہمیشہ ضربیں لگائیں جائیں مگر وہ مشاہدہ دوست کو فراموش نہ کرے اور ضربوں سے متاثر نہ ہو۔''

یہ سن کر خواجہ غریب نوازؒ نے فرمایا کہ:

''یہ سخن شہاب الدین سہروردیؒ سے ملتا ہوا ہے۔ میں نے ''آثار اولیاء'' میں پڑھا ہے کہ ایک دن رابعہ بصری، خواجہ حسن بصری، مالک دینار اور خواجہ شفیق بلخی رحمتہ اللہ علیہم اجمعین بصرہ میں ایک جگہ بیٹھے تھے اور صدق محبت کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔ خواجہ حسن بصری نے فرمایا کہ:

''مولا کی محبت میں وہ صادق ہے جو منجانب دوست درد اور مصیبت آنے پر صبر کرے۔''

''اے خواجہ اس سے بوئے خودی آتی ہے۔''

مالک دینار نے کہا:

''مولا کی دوستی میں وہ صادق ہے جو ہر بلا و جفا منجانب دوست وارد ہونے پر رضا طلبی میں رہے اور اس پر راضی رہے۔''

رابعہ بصری نے فرمایا کہ:

''اس سے زیادہ ہونا چاہیے۔''

خواجہ شفیق بلخی نے فرمایا کہ

''صادق وہ ہے جو ذرہ ذرہ ہو جائے پھر بھی دم نہ مارے۔''

رابعہ بصری نے فرمایا کہ:

''الم و حزن وارد ہونے پر بھی جو مشاہدہ دوست کو فراموش نہ کرے وہ صادق ہے۔''

(دلیل العارفین، ص 13)

## قہقہہ کی مذمت

خواجہ غریب نوازؒ نے فرمایا کہ:

''قہقہہ گناہوں میں سے ایک گناہ ہے۔ گورستان میں ہنسنے کی ممانعت آئی ہے، کیونکہ وہ عبرت کی جگہ ہے نہ کہ لہو و بازی کی۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے خبر دی ہے کہ جب کوئی گورستان میں گزرتا ہے اس سے مردے کہتے ہیں کہ ''اے غافل! اگر تجھے یہ معلوم ہوتا کہ تجھے کیا درپیش ہے تو تیرے جسم کا گوشت و پوست گر جاتا۔''

(دلیل العارفین، ص 5)

## گریہ و زاری

خواجہ غریب نوازؒ نے فرمایا کہ:

''خواجہ فتح موصلیؒ جو اہلِ طریقت میں سے تھے۔ آٹھ سال تک روتے رہے یہاں تک کہ ان کے رُخساروں کا گوشت پوست گر گیا تھا۔ انکے وصال کے بعد انہیں خواب میں دیکھا گیا۔ پوچھا ''آپ کے ساتھ خدا نے کیا معاملہ کیا؟''

کہنے لگے ''مجھے زیرِ عرش جگہ دی گئی۔ میں نے لرزاں و ترساں سجدۂ شکر ادا کیا۔''

خطاب ہوا کہ:

''فتح! اتنا کیوں روتے تھے، کیا ہمیں غفار نہیں جانتے تھے؟''

میں نے سجدہ میں سر رکھ کر عرض کیا کہ:

''خداوندا! تجھے غفار جانتا ہوں مگر ضغطۂ قبر، ہیبتِ قیامت اور درشتیٔ ملک



الموت کی وجہ سے روتا تھا۔''

بعد ازاں ارشاد ہوا کہ:

''ہم نے تیرے ڈرنے کی وجہ سے تجھے ایمن کیا اور بخش دیا۔''

(دلیل العارفین، ص 16)

## قبرستان کے آداب

خواجہ غریب نوازؒ نے فرمایا کہ:

''قبرستان میں برائے ہوائے نفس کھانا پینا بڑا گناہ ہے کیونکہ وہ جگہ عبرت کی ہے نہ کہ ہوائے نفسانی کی۔''

اس موقع پر ارشاد فرمایا کہ:

''امام یحییٰ ابوالخیر زندوی کے روضہ میں نے سرورِ عالم کا یہ ارشاد لکھا ہوا دیکھا ہے کہ جو شخص قبرستان میں طعام و شراب کھاتا پیتا ہے، وہ ملعون و منافق ہے۔''

بعد ازاں یہ حکایت بیان فرمائی:

''ایک دن خواجہ حسن بصریؒ کا قبرستان میں گزر ہوا۔ آپ نے مسلمانوں کے ایک گروہ کو وہاں کھانے اور شراب نوشی میں مصروف دیکھا۔ خواجہ موصوف اُن کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ تم منافق ہو یا مسلمان۔ یہ بات اُن کو شاق گزری اور آپ کو ایذا پہنچانا چاہی۔ آپ نے اُن سے فرمایا۔ ''میں نے اس وجہ سے کہا کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

''جو شخص قبرستان میں کباب و شراب کھاتا پیتا ہے وہ منافق ہے کیونکہ یہ مقام ہیبت و عبرت کا ہے۔''

تم دیکھتے ہو کہ تم سے بہتر لوگ اس خاک کے نیچے سو رہے ہیں اور مور و مار کے زنداں میں محبوس ہیں۔ اُن کا گوشت پوست گل کر اُن کا جمال خاک میں مل گیا ہے۔ تمہیں بھی انہیں کی طرح تمہارے عزیز سپردِ خاک کر دیں گے۔ تمہارا کیسا دل

ہے کہ تم اس جگہ کھانا پینا کرتے ہو اور لہو و لعب میں مشغول ہوتے ہو۔"

یہ سن کر نوجوانوں نے توبہ کی کہ پھر ایسا نہ کریں گے۔

(دلیل العارفین ص 16)

## لہو و لعب

خواجہ غریب نوازؒ نے فرمایا کہ:

"میں نے "زیاجین" میں لکھا دیکھا ہے کہ ایک مرتبہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گزر ایسے لوگوں پر ہوا جو قہقہے اور لہو و لعب میں مصروف تھے۔

سرورِ عالم کھڑے ہو گئے اور سلام کیا اور فرمایا کہ

"اے عزیزو! کیا تم مرنے سے ایمن ہو گئے ہو۔"

سب نے کہا۔ "یا رسول اللہ نہیں۔"

پھر آپ نے فرمایا کہ "تم نے اپنے اعمال سے خلاصی پائی؟"

کہا۔ "نہیں۔"

"کیا تم پل صراط سے گزر چکے؟"

انہوں نے کہا۔ "نہیں۔"

ارشاد فرمایا۔ "پھر کیوں غافلوں کی طرح لہو و لعب میں مصروف ہو۔"

سرورِ عالمؐ کی نصیحت نے ان پر اثر کیا۔ اس کے بعد ان لوگوں کو کسی نے ہنستے نہیں دیکھا۔"

(دلیل العارفین ص 16)

## رشد و ہدایت کی ضرورت

خواجہ غریب نوازؒ نے فرمایا کہ

"ایک وقت میں نے دریا کے کنارے ایک صومعہ دیکھا جس میں ایک بزرگ رہا کرتے تھے۔ میں نے اُن صومعہ میں داخل ہو کر سلام کیا۔ اُن بزرگ



نے اشارہ سے سلام کا جواب دیا اور بیٹھنے کا ارشاد فرمایا۔ پھر میری طرف منہ کر کے کہنے لگے!

اے درویش! پچاس برس ہوئے مخلوق سے کنارہ کر کے اس جگہ عزلت گزیں ہوا ہوں۔ جس طرح تم مسافرت میں ہو اسی طرح میں بھی سیاحت کرتا ایک شہر میں پہنچا۔ میں نے دیکھا کہ ایک دنیادار لوگوں کو بہت ستا رہا تھا۔ میں نے اس سے کچھ نہ کہا اور اس کو اس فعل سے باز نہ رکھا بلکہ چشم پوشی کی۔ غیب سے آواز آئی۔

"اے درویش! اگر تو خدا کیلئے اس دُنیادار سے یہ کہہ دیتا کہ ظلم اور زیادتی سے باز آ تو تیرا کیا بگڑ جاتا لیکن تو اس بات سے ڈرا کہ دُنیادار تیرے ساتھ سلوک ہونا بند کر دیں گے۔"

جب سے یہ غیبی آواز سنی ہے غایت شرمندگی سے اس صومعہ میں معتکف ہوں اور یہاں سے پاؤں باہر نہیں نکالا اور اس اندیشہ میں مبتلا ہوں کہ کل قیامت کے دن اگر اس معاملہ کی پرستش کی گئی تو کیا جواب دوں گا۔ پس اے درویش! اس دن سے میں نے قسم کھائی ہے کہ کہیں نہ جاؤں گا تاکہ نہ کچھ دیکھوں ورنہ اس کے متعلق قیامت میں گواہ بننا پڑے۔

اس کے بعد مغرب کا وقت ہو گیا اور ایک کاسہ آشام دو جو کی روٹیاں اور ایک کوزہ پانی کا ہوا سے پیدا ہوا اور ان بزرگ اور دُعاگو نے ایک جگہ افطار کیا جب چلنے لگا تو انہوں نے دو سیب مصلے کے پیچھے سے نکال کر عنایت کیے۔"

(دلیل العارفین ص 19)

## قلب کی اصلاح

خواجہ غریب نوازؒ نے فرمایا کہ

"اگر خدانخواستہ خدا تعالیٰ کا ذکر سن کر یا کلام مجید پڑھ کر دل نرم نہ ہو اور اعتقاد ایمان زیادہ نہ ہو سکے بلکہ وہ لہو و لعب میں مشغول رہے تو اہلِ سلوک کے

یہاں یہ بڑے گناہوں میں سے ایک گناہ ہے جو اس کے مطابق ہیں وہ مومن ہیں اور جو اس سے ہٹے ہوئے ہیں وہ منافق ہیں۔''

آپ نے حسب ذیل حکایت بیان فرمائی!

''ایک دن سرور عالمؐ کا گزر ایک قوم پر ہوا۔ آپؐ نے دیکھا کہ وہ لوگ خدا کا ذکر کر رہے ہیں مگر لہو ولعب میں مبتلا ہیں اور ذکر خدا سے ان کا دل نرم نہیں ہوتا۔ پس سرور عالمؐ وہاں کھڑے ہو گئے اور فرمایا:

یہ منافقوں کا طائفہ سوئم ہے کہ کلام ربانی سن کر ان کا دل نرم نہیں ہوتا۔''

(دلیل العارفین ص 19)

## پانچ چیزیں

خواجہ غریب نوازؒ کی اس مجلس میں شیخ جلال اور حضرت محمد واحد چشتی وغیرہ موجود تھے۔ آپ نے برسر مجلس فرمایا کہ:

''پانچ چیزوں کا دیکھنا اہل سلوک کے نزدیک عبادت ہے۔ اولاً صبح کے وقت اپنے ماں باپ کی زیارت کرنا اور ان کو ادب کے ساتھ سلام کرنا۔ اپنی اولاد کو محبت و برکت کی نظر سے دیکھنا بہتر عبادت ہے۔''

سرور عالمؐ نے ارشاد فرمایا کہ:

''جو اولاد اپنے ماں باپ کی زیارت خدا کی خوشنودی و قربت کیلئے کرتی ہے اس کو ایک حج کا ثواب ملتا ہے اور جو اولاد اپنے والدین کے پاؤں چومے حق تعالیٰ اس کے نامہ اعمال میں ہزار سال کی عبادت کا ثواب لکھتا ہے اور اسے بخش دیتا ہے۔''

پھر خواجہ غریب نوازؒ نے حسب ذیل حکایت بیان فرمائی:

''ایک مرتبہ ایک شخص نے خواب میں ایک جوان کو جو گنہگار مر گیا تھا درمیان حاجیوں کے بہشت میں ٹہلتے ہوئے دیکھا۔ یہ دیکھ کر متعجب ہوا اور پوچھا یہ مرتبہ تو نے کہاں سے پایا۔ تو نے دنیا میں کوئی نیک کام نہیں کیا تھا۔



اس نے کہا یہ سچ ہے، مگر میری ایک ضعیفہ ماں تھی۔ جب میں مکان سے باہر جاتا اپنا سر اس کے قدموں پر رکھ دیتا تھا اور بوسہ دیتا تھا۔ بعد ازاں باہر جاتا تھا۔ میری ماں یہ دعا کرتی کہ خدائے تعالیٰ تجھ کو بخش دے اور حج کا ثواب عنایت فرمائے۔

حق تعالیٰ نے میری ماں کی دعا قبول فرمائی، مجھ کو بخش دیا اور حاجیوں میں شامل فرمادیا۔''

پھر ارشاد فرمایا کہ کسی نے حضرت خواجہ بایزید بسطامی سے دریافت کیا کہ یہ دولت آپ کو کیسے ملی۔ فرمایا

''جب سات سال کا بچہ تھا۔ مسجد میں اُستاد سے قرآن پڑھا کرتا تھا۔ جب میں اس آیت پر پہنچا وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا تو اپنے اُستاد سے اس آیت شریفہ کے معنی دریافت کیے۔ اُستاد نے فرمایا کہ ''اللہ جل شانہٗ کا حکم ہے کہ اولاد کو اپنے ماں باپ کی خوب خدمت کرنی چاہیے۔ جس طرح میں تمہارا پروردگار ہوں اسی طرح اُنہوں نے تجھ کو پالا ہے۔''

جب استاد سے یہ سنا تو میں بے تابانہ ماں کے پاس آیا اور اپنا سر ماں کے قدموں پر رکھ دیا اور عرض کیا کہ:

''اے ماں! میں نے آج اپنے استاد سے ایک آیت شریفہ کے معنی سمجھے تو فوراً حاضر ہوا اور سر نیاز آپ کے قدموں پر جھکا کر فرمان خدا کی تعمیل کی۔ اب بحکم خدا آپ کا سچا غلام ہوں۔ مجھے قبول فرمایئے۔''

یہ سن کر والدین پر وجد طاری ہو گیا اور ان دونوں نے دوگانہ نماز شکرانہ ادا کیا اور میرا ہاتھ پکڑ کے آسمان کی طرف منہ کر کے کہا کہ

''ہم نے تجھے خدا کے سپرد کیا۔''

لہٰذا یہ جو کچھ تم دیکھتے ہو میرے ماں باپ کی دعا کا صدقہ ہے۔''

دوسری بات (حضرت خواجہ بایزید بسطامی نے) یہ فرمائی کہ:

''سرما میں آدھی رات کے وقت میری ماں نے پانی مانگا۔ میں نے کوزہ میں پانی بھرا اور ہاتھ پر رکھ کر لے گیا۔ مگر والدہ سو گئی تھیں جب آخر شب میں بیدار ہوئیں مجھے کوزہ لئے کھڑا دیکھا۔ انہوں نے ہاتھ بڑھا کر پانی کا پیالہ مجھ سے لینا چاہا مگر چونکہ سردی کا موسم تھا اور بوجہ زیادہ سردی کے کوزہ میرے ہاتھ سے چپک گیا تھا اس لئے جب انہوں نے پیالہ اُٹھایا تو میرے ہاتھ کی کھال اُکھڑ گئی والدہ نے بڑی بے چینی کے ساتھ اپنی بغل میں لے لیا۔ میرا منہ چوما اور کہا۔

''اے جانِ مادر تو نے بڑی تکلیف اُٹھائی۔''

پھر میرے واسطے دُعا کرنے لگیں کہ:

''اے خدا! تو اس کو بخش دے اور اس پر اپنا فضل فرما اور اپنی قربت عطا کر۔''

اُن کی اس دُعا کو جو انہوں نے بڑی بے چینی کے عالم میں کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے قبول کیا اور مجھ کو بکثرات نعمتیں عطا فرمائیں۔''

پھر فرمایا کہ

''دوئم کلام مجید کا دیکھنا عبادت ہے کیونکہ ''شرح اولیاء'' میں لکھا دیکھا ہے جو کوئی کلام مجید کو دیکھے یا پڑھے اس کو خدائے تعالیٰ دو ثواب عطا فرماتا ہے۔ ایک زیارت کلام کا، دوسرا پڑھنے کا اور ہر حرف کے بدلے میں دس نیکیاں اس کے نامۂ اعمال میں لکھی جاتی ہیں اور دس بُرائیوں سے پاک کیا جاتا ہے۔''

دُعا گو (قطب صاحبؒ) نے عرض کیا کہ سفر اور لڑائی میں کلامِ مجید پاس رکھنا چاہیے یا نہیں۔

خواجہ غریب نوازؒ نے جواب دیا:

''پہلے اسلام اس قدر ترقی پذیر نہیں تھا۔ اسلئے سرورِ عالمؐ نے قرآن مجید ساتھ رکھنے کی اجازت نہیں دی تھی کہ مبادا کفار کے قبضہ میں پہنچ جائے اور وہ بے حرمتی کریں مگر اب یہ زمانہ اسلام کی قوت کا ہے اس لئے اب کوئی خطرہ نہیں ہے کلام اللہ پاس رکھنا چاہیے۔''



پھر فرمایا کہ:

''سلطان محمود غزنوی انار اللہ برہانہ کو انتقال کے بعد خواب میں دیکھا گیا۔ پوچھا: ''اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟'' کہنے لگے:

''ایک رات میں ایک دوست کے یہاں مہمان تھا۔ طاق میں کلام شریف رکھا تھا۔ دل میں خیال آیا کہ یہاں قرآن مجید رکھا ہے یہاں سونا بے ادبی ہے۔ اس لئے یہ قصد کیا کہ قرآن مجید اس مکان سے باہر بھیج دوں مگر فوراً دل میں یہ خیال گزرا کہ قرآن پاک کو اپنے آرام کیلئے علیحدہ کرنا بھی تو بے ادبی ہے۔ پس میں نے اپنے سونے کے واسطے دوسری جگہ تجویز کی۔ یہ بات اللہ کو پسند آئی اور قرآن مجید کا ادب کرنے کے باعث مجھے بخش دیا۔''

بعد ازاں خواجہ غریب نوازؒ نے فرمایا کہ:

''جامع الحکایات'' میں لکھا دیکھا ہے کہ پہلے زمانہ میں ایک جوان فسق و فجور میں مبتلا تھا۔ تمام مسلمان اس سے بیزار ہو گئے تھے۔ ہر چند اس کو سمجھایا جاتا تھا مگر وہ کسی کی نصیحت نہیں مانتا تھا۔ الغرض جب وہ مر گیا تو ایک بزرگ نے خواب میں دیکھا کہ اس کے سر پر تاج ہے۔ کمر میں زرنگار پیٹی لگی ہے اور لباس فاخرہ پہنے ہوئے ہے۔ فرشتوں کو حکم ہوا کہ اس کو بہشت میں پہنچا دو۔ بزرگ نے اس سے دریافت کیا کہ تو نے اپنی زندگی فسق و فجور میں گزاری تھی پھر تجھے یہ دولت کیسے نصیب ہوئی۔ کہنے لگا مجھ سے دُنیا میں صرف ایک نیک کام ہوا ہے کہ جب میں قرآن مجید کو دیکھتا تھا، کھڑا ہو جاتا تھا، تعظیم کرتا تھا اور اس کو عزت کی نظر سے دیکھتا تھا۔ صرف کلام پاک کی عظمت کرنے کے باعث خدائے تعالیٰ نے میرے سب گناہ بخش دیے اور یہ درجہ عطا فرمایا۔''

پھر فرمایا کہ:

''تیسرے یہ کہ کوئی شخص عالم بزرگ کا چہرہ عزت کے ساتھ دیکھے خدا تعالیٰ ایسے وقت ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے جو اس کیلئے قیامت تک بخشش کی دُعا مانگتا رہتا ہے۔''

بعد ازاں فرمایا کہ

"جس کسی کے دل میں محبت اور دوستی علمائے کبار کی ہوتی ہے۔ خدائے تعالیٰ اس کو ہزار سالہ عبادت کا ثواب عطا فرماتا ہے۔ اگر اس درمیان میں اس کا انتقال ہو جائے تو حق تعالیٰ اس کو علماء کا درجہ عطا فرماتا ہے اور مقام اس کا علیین ہوتا ہے۔"

پھر فرمایا:

"فتاوائے ظہیریہ میں سرورِ عالم کا ارشاد لکھا دیکھا ہے کہ علمائے کرام اور اولیائے عظام کی زیارت کرنے کیلئے حتی المقدور بہت کوشش کرے اگر سات دن یہ عمل جاری رکھے تو حق تعالیٰ اس کے تمام گناہ معاف کر دیتا ہے اور سات ہزار سال کی نیکیاں اس کے نامۂ اعمال میں درج فرماتا ہے مگر اس کے ساتھ یہ شرط ہے کہ دن کو روزہ رکھے اور رات کو یادِ حق کے ساتھ شب بیداری کرے۔"

پھر فرمایا:

"پہلے زمانہ میں ایک شخص ایسا گزرا ہے کہ جب وہ مشائخ کو دیکھتا تھا منہ پھیر لیا کرتا تھا اور آتشِ رشک وحسد سے جلنے لگا تھا۔ الغرض اس کا انتقال ہو گیا۔ جب اس کو قبر میں اُتارا ہر چند چاہا کہ اس کا منہ قبلہ کی طرف کریں مگر کسی طرح اس کا منہ قبلہ کی جانب نہیں ہوتا تھا۔ دوسری جانب پھر جاتا تھا۔ خلقت کو حیرت ہوئی۔ غیب سے آواز آئی کہ تم لوگ اس شخص کیلئے رنج کرتے ہو یہ وہ شخص ہے جو دُنیا میں علماء و مشائخ کو دیکھتا تھا تو منہ پھیر لیتا تھا۔ پس جس شخص نے میرے دوستوں سے منہ پھیرا وہ میری رحمت سے محروم رہا اور گمراہ ہوا۔ قیامت کے دن ریچھ کی صورت میں اُٹھایا جائے گا۔"

پھر ارشاد فرمایا کہ:

"چوتھے خانہ کعبہ کے دروازے کی زیارت ہے اور کعبہ شریف دیکھنا ایک قسم کی عبادت ہے۔ سرورِ عالمؐ نے ارشاد فرمایا کہ:

"خانہ کعبہ دیکھنے کی نیت سے جانا ایک قسم کی عبادت ہے۔"



کعبہ دیکھنے والے کو ہزار سالہ عبادت اور حج کا ثواب ملتا ہے اور اولیائے کرام میں شمار کیا جاتا ہے۔"

پھر ارشاد فرمایا کہ:

"پانچویں اپنے پیر و مرشد کے چہرہ کی طرف دیکھنا اور خدمت میں مصروف رہنا ایک قسم کی عبادت ہے۔ حضرت خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہٗ نے معرفت المریدین، کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ

"جو شخص ایک دن بھی اپنے پیر کی ایسی خدمت کرے جیسا کہ حق ہے تو خدائے تعالیٰ اس کو جنت میں ہزار محل موتی کے عطا فرمائے گا۔ ہر محل میں اس کو حوریں خدمت کے واسطے ملیں گی اور قیامت کے دن جنت میں بے حساب جائے گا۔"

چاہیے کہ جو کچھ پیر و مرشد کی زبان سے سنے اس پر جان و دل سے متوجہ ہو اور جو نماز اور وظائف پیر فرمائے وہ ادا کرے اور برابر پیر کی خدمت میں حاضر رہ کر خدم کرے۔ اگر متواتر کا مقدور نہ ہو تو حتی المقدور بجالائے۔

(دلیل العارفین)

## اطاعتِ خداوند تعالیٰ

خواجہ غریب نوازؒ نے ارشاد فرمایا کہ:

"رحمتِ حق سے کوئی چیز بعید نہیں مگر انسان کو لازم ہے کہ اطاعتِ حق تعالیٰ میں قصور نہ کرے اور اس کو کسی حال میں نہ بھولے۔ اس سے قرب حاصل کرے۔ ازاں بعد انسان جو چاہے گا وہ ہو جائے گا۔"

## بڑا مرتبہ رکھنے والی باتیں

٭ "مصیبت زدہ لوگوں کی فریاد سننا اور ان کا ساتھ دینا، حاجت مندوں کی حاجت براری کرنا، بھوکوں کو کھانا کھلانا، اسیروں کو قید سے چھڑانا۔ یہ باتیں خدا کے نزدیک بڑا مرتبہ رکھتی ہیں۔"

## حضرت محمدؐ کی فضیلت

خواجہ غریب نوازؒ نے فرمایا کہ ایک دن جبریل علیہ السلام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

''یا رسول اللہ! خدائے تعالیٰ نے آپ کو اپنی خلقت کی ہدایت کیلئے بھیجا ہے اور اس شان وعظمت اور برکت کے ساتھ بھیجا ہے کہ اگر تمام روئے زمین کے درختوں کی قلمیں بنائیں جائیں اور تمام دریا روشنائی بنائے جائیں اور ہفت زمین وہفت آسمان کاغذ ہو جائیں اور ابتدائے سے لے کر انتہا تک جس قدر انسان، جنات وملائک ہیں وہ سب آپ کی تعریف کریں تب بھی کما حقہٗ آپ کی تعریف ہونا ناممکن ہے بلکہ اگر اس سے بھی زیادہ ہوں تب بھی آپ کی تعریف و توصیف حد امکان سے باہر ہے۔

## سورہ فاتحہ کی فضیلت

خواجہ غریب نوازؒ نے فرمایا کہ جہاں جبریل علیہ السلام نے فضائل آنحضرت بیان کے وہاں سورۂ فاتحہ کی فضیلت بیان کی اور کہا کہ:

''اسی طرح سورۂ فاتحہ کو بھی اللہ تعالیٰ نے بزرگی عطا فرمائی ہے اور اس برکت کی سورۃ کو صرف آپ پر نازل کیا ہے تا کہ آپ کی اُمت اس کی برکتوں سے خاطر خواہ فیضیاب ہوتی رہے۔''

پھر آپ نے فرمایا کہ:

''سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث مبارکہ ہے:

اَلْفَاتِحَۃُ شِفَاءٌ مِنْ کُلِّ دَاءٍ

- یعنی سورۂ فاتحہ تمام دردوں کیلئے شفا ہے۔

پھر خواجہ غریب نوازؒ نے حسب ذیل حکایت بیان فرمائی:

''ایک مرتبہ ہارون رشید سخت بیمار ہوا۔ دو برس سخت تکلیف میں گزر



گئے۔ علاج کرنے سے عاجز ہو گیا۔ اس نے وزیر کو خواجہ فضیل بن عیاض قدس سرہٗ کی خدمت میں بھیجا اور عرض کرایا کہ ''مرض کی تکلیف کی وجہ سے میری جان پر بن گئی ہے۔ کسی دوا سے صحت نہیں ہوئی۔'' چونکہ شفا کا وقت قریب آ گیا تھا۔ آپ یہ سن کر اٹھ کھڑے ہوئے اور ہارون رشید کے پاس تشریف لے گئے اور اپنا دست مبارک اس کے جسم پر رکھا اور اکتالیس بار سورۂ فاتحہ پڑھ کر اس کے چہرہ پر دم کی۔ ابھی آپ پورا عمل کرنے بھی نہ پائے تھے کہ مرض کی سختی دور ہو گئی۔ الغرض شفا پائی۔''

پھر فرمایا کہ:

''اللہ تعالیٰ نے کلام مجید کے شروع پارہ میں فرما دیا ہے کہ یہ وہ کتاب ہے جس میں شک نہیں۔ اس میں ہدایت ہے۔ ہر انسان کو اپنے عقائد درست رکھنا چاہئیں۔ کامیابی اور راحت حاصل کرنے کی یہی صورت ہے۔''

بعد ازاں آپ نے فرمایا کہ:

-''خدائے تعالیٰ نے ہر سورۃ کا ایک نام رکھا ہے مگر اس سورۃ مبارک کے سات نام ہیں:

پہلا نام فاتحۃ الکتاب

دوسرا نام سبع المثانی

تیسرا نام اُم الکتاب

چوتھا نام ام القرآن

پانچواں نام سورۂ مغفرت

چھٹا نام سورۃ الرحمت

ساتواں نام سورۃ الکنز

اس سورۃ میں سات حرف نہیں آئے۔

1- ''ث'' اس میں نہیں ہے۔ ث سے ثبور ہے۔ پس اس کے

پڑھنے والے کو شور سے غرض نہیں۔

2- ''ج'' نہیں ہے۔اس کے پڑھنے والے کو جہنم سے نجات ہے۔

3- ''ز'' نہیں ہے۔اس کا پڑھنے والا تھور کے درخت اور اس کے پانی سے بری ہے۔

4- ''ش'' نہیں ہے۔اس کا پڑھنے والا شقی نہیں ہو سکتا۔

5- ''ظ'' نہیں ہے۔اس کا پڑھنے والا ظلم و ظلمت سے محفوظ ہے۔

6- ''ف'' نہیں ہے۔اس کے پڑھنے والے کو فراق کی مصیبت سے نجات ہے۔

7- ''خ'' نہیں ہے۔اس کے پڑھنے والے کو کبھی خواری نہ ہوگی۔ ہمیشہ مامون رہے گا۔''

پھر ارشاد ہوا کہ:

''امام ناصر لکھتے ہیں کہ سورۂ فاتحہ میں سات آیات ہیں اور انسان کے جسم میں بھی سات حصے ہیں۔اس کے پڑھنے والے کو حق تعالیٰ ساتوں دوزخ سے بچا لے گا۔اس کا کوئی حصہ کسی دوزخ میں نہ جائے گا۔''

پھر فرمایا کہ:

''مشائخ طبقات و اہلِ سلوک فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے اس سورۃ میں ایک سو چوبیس حروف رکھے ہیں اور ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر ہیں۔ ہر حرف ایک ہزار پیغمبر کی بزرگی ثابت کرتا ہے اور ان کے صحیفہ کا ثواب اس کے پڑھنے والے کو ملتا ہے۔''

بعد ازاں فرمایا کہ:

''الحمد میں پانچ حروف ہیں۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے پانچ وقت کی نماز فرض کی ہے تاکہ بندہ دن رات میں جو یہ پانچ حروف پڑھتا ہے تو جو پانچ وقت میں آنے والے نقصانات ہیں ان سے مامون رہے۔



اللہ میں تین حروف ہیں۔ تین میں پانچ ملائے تو آٹھ ہوئے۔ لہٰذا بہشت اور اس کے ساتوں دروازے اس کے پڑھنے والے کیلئے کشادہ ہوں گے۔ جس دروازے سے چاہے گا داخلِ بہشت ہوگا۔

رب العالمین میں دس حروف ہیں۔ دس میں مندرجہ بالا آٹھ ملنے سے اٹھارہ ہوتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے اٹھارہ ہزار عالم پیدا کئے ہیں۔ اس کا پڑھنے والا اٹھارہ ہزار عالم کی عبادت کے برابر ثواب پاتا ہے۔

الرحمٰن میں چھ حروف ہیں۔ مندرجہ بالا اٹھارہ میں چھ ملائے تو چوبیس ہوئے۔ خدائے تعالیٰ نے رات دن کے چوبیس گھنٹے بنائے ہیں۔ اس کے پڑھنے والے کے چوبیسوں گھنٹے پاکی میں ایسے گزرتے ہیں جیسے ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا۔

الرحیم کے چھ حروف ہیں۔ چوبیس میں چھ ملانے سے تیس ہو گئے۔ پل صراط تیس ہزار سال کی راہ ہے مگر اس کا پڑھنے والا پل صراط کو بجلی کی طرح طے کر جائے گا۔

مالک یوم الدین میں بارہ حروف ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر سال کے بارہ مہینے بنائے ہیں۔ پس اس کے پڑھنے والے کے بارہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ بارہ اور تیس بیالیس ہوتے ہیں۔

ایاک نعبد میں آٹھ حروف ہیں۔ بیالیس اور آٹھ پچاس ہوئے۔ قیامت کا دن پچاس ہزار سال کا ہوگا۔ پس جو شخص ان پچاس حرفوں کو پڑھے گا اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ بروزِ قیامت صدیقوں کا سا معاملہ کرے گا۔

وایاک نستعین میں گیارہ حروف ہیں۔ گیارہ اور پچاس اکسٹھ ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان دُنیا میں اکسٹھ دریا پیدا فرمائے ہیں۔ اس کے پڑھنے والے کو ان دریاؤں کے قطرات کے برابر ثواب ملے گا۔

اھدنا الصراط المستقیم میں انیس حروف ہیں اکسٹھ اور انیس اسی ہوئے۔ شراب پینے کی سزا اسی دُرّے ہیں۔ اس کا پڑھنے والا اس سے مامون رہے گا۔

انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین میں چوالیس حروف ہیں اس میں اسی ملائے تو ایک سو چوبیں ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک سو چوبیں ہزار پیغمبر اپنی مخلوق میں بھیجے ہیں۔ اس سورۃ کے پڑھنے والے کو ان سب پیغمبروں کے برابر حق تعالیٰ ثواب عطا فرمائے گا اور بخش دے گا۔"

الحمد شریف کے فضائل بیان کرنے کے بعد خواجہ غریب نوازؒ نے ایک واقعہ بیان فرمایا کہ

"ایک مرتبہ میں حضرت خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہ کے سفر میں تھا کہ ہم دونوں دجلہ کے کنارے پہنچے۔ اس جگہ کشتی نہ تھی۔ ہمیں عجلت تھی۔ حضرت نے فرمایا۔

"آنکھیں بند کر۔"

جب میں نے آنکھیں بند کر کے ذرا سی دیر میں کھولیں تو حضور خواجہ اعظمؒ کو اور خود کو دریا کے پار پایا۔ دعا گو نے عرض کیا کہ ہم نے کس طرح دریا عبور کیا۔ ارشاد فرمایا

"پانچ بار الحمد شریف پڑھ کر پاؤں دریا میں رکھ دیا اور اس طرف آ گئے۔"

پس جو شخص اس سورۃ کا عامل ہو جائے وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے وہ تماشے دیکھے گا جس کا بیان کرنا از بس ناممکن ہے۔"

خواجہ غریب نوازؒ فرماتے ہیں کہ اگر سورۃ فاتحہ کوئی صدق دل سے پڑھے اور اس کی مہم اور مشکل حل نہ ہو تو وہ میرا دامن پکڑ لے۔



# اوراد و وظائف

خواجہ غریب نوازؒ کے بتائے ہوئے اوراد و وظائف کے فیض، اثر اور مقبولیت میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ آپ کا فیض اب بھی جاری ہے۔ لوگ آپ کے اوراد و وظائف سے اب بھی فیض یاب ہوتے ہیں اور فیض یاب ہوتے رہیں گے۔ آپ کے بتائے ہوئے اوراد و وظائف کشود کار کی کنجی ہیں۔ ذیل میں آپ کے بتائے ہوئے چند اوراد و وظائف پیش کیے جاتے ہیں۔

## برائے زیارت رسول پاکؐ

حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کے واسطے حضرت قطب صاحبؒ کو ہر رات حسب ذیل درود شریف ایک ہزار مرتبہ پڑھنے کی تلقین فرمائی۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِکَ وَحَبِیْبِکَ رَسُوْلِکَ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَ عَلٰی آلِہٖ۔

خواجہ غریب نوازؒ فرماتے ہیں کہ سرور عالم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص سوتے وقت یہ کلمے پڑھے مجھ کو خواب میں دیکھے:

اَللّٰھُمَّ رَبَّ الْبَیْتِ الْحَرَامِ وَالشَّھْرِ الْحَرَامِ وَالرُّکْنِ وَالْمَقَامِ اِقْرَاءْ رُوحَ مُحَمَّدٍ مِنِّی السَّلَامَ۔

## اسم اعظم

حضرت خواجہ غریب نوازؒ کا ارشاد ہے کہ اسم اعظم یہ ہے کہ ہر نماز کے بعد یاحیُّ یا قیُّوم پڑھ لیا کرے اور اپنی ہر ضرورت پورا ہونے کیلئے اللہ سے دعا کرے۔

## مہم میں کامیابی کیلئے

خواجہ غریب نوازؒ کا فرمان ہے کہ جب کوئی مہم درپیش ہو تو کامیابی کیلئے چار رکعت صلوٰۃ

العاشقین پڑھے۔ اوّل رکعت میں سو مرتبہ یا اللہ، دوسری رکعت میں یا رحمٰن، تیسری رکعت میں یا رحیم اور چوتھی رکعت میں یا ودود پڑھے۔

## کشائشِ رزق کے واسطے

خواجہ غریب نوازؒ فرماتے ہیں کہ کشائش رزق کے واسطے صبح و شام حسب ذیل دعا تین مرتبہ پڑھے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ وَ وَسِّعْ عَلَیَّ رِزْقِیْ وَ اقْدِرْلِیْ عَلٰی کَسْبِہٖ وَ مَتِّعْنِیْ بِمَا رَزَقْتَنِیْ وَلَا تَشْغَلْنِیْ فِیْمَا مَرَّقْتَنَہٗ عَنِّیْ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ وصلی اللّٰہ علٰی سیدِ نا مُحَمَّدٍ وَّ آلِہٖ اَجْمَعِیْنَ ط

## حاجت پوری ہونے کیلئے

خواجہ غریب نوازؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص حسب ذیل دعا ہر فرض نماز کے بعد پڑھے گا۔ اس کی ہر حاجت پوری ہوگی۔

یَا شَفِیْقُ یَا رَفِیْقُ نَجِّنِیْ مِنْ کُلِّ ضِیْقٍ ط

## ہر مصیبت سے نجات کے واسطے

خواجہ غریب نوازؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص حسب ذیل آیت کریمہ کو مصیبت کے وقت پڑھے مصیبت سے نجات پائے۔

لَا اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ۔

خواجہ غریب نوازؒ فرماتے ہیں کہ روزی میں برکت کے واسطے حسب ذیل دعا نماز کے بعد بکثرت پڑھنا چاہیے۔

سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَلَنَا ھٰذَا وَمَا کُنَّا لَہٗ مُقْرِنِیْنَ ط

## علم کی ترقی کے واسطے

خواجہ غریب نوازؒ فرماتے ہیں کہ علم اور ذہن میں ترقی کیلئے حسب ذیل دعا ہر روز صبح کی نماز



کے بعد پڑھنا مفید ہے۔

مِنْھَا خَلَقْنٰکُمْ وَ فِیْھَا نُعِیْدُکُمْ وَ مِنْھَا نُخْرِجُکُمْ تَارَۃً اُخْرٰی۔

## مرض سے نجات پانے کے واسطے

خواجہ غریب نوازؒ فرماتے ہیں کہ کھٰیٰعٓصٓ، حٰمٓ عٓسٓقٓ چینی کی تشتری پر لکھ کر مریض کو پلائے یا تعویذ لکھ کر گلے میں ڈالے۔

## گم ہوئی چیزوں کے واسطے

خواجہ غریب نوازؒ فرماتے ہیں کہ حسب ذیل آیت کو پڑھ کر گم شدہ چیز کو تلاش کرنا کامیابی کی ضمانت ہے ورنہ غیب سے کوئی عمدہ چیز ملے گی۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اَنْدَادًا یُّحِبُّوْنَھُمْ کَحُبِّ اللّٰہِ ط وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ ط وَ لَوْ یَرَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ یَرَوْنَ الْعَذَابَ اَنَّ الْقُوَّۃَ لِلّٰہِ جَمِیْعًا وَّ اَنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعَذَابِ ط

## گناہوں کی معافی کے واسطے

خواجہ غریب نوازؒ فرماتے ہیں کہ ذیل آیت کو ہر فرض نماز کے بعد ایک مرتبہ پڑھنے سے سب گناہ معاف ہو جائیں گے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّھُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَکَّرُوْا فَاِذَا ھُمْ مُّبْصِرُوْنَ ط

## مقبول دعا

خواجہ غریب نوازؒ فرماتے ہیں کہ حسب ذیل دعا خواجگانِ چشت کے معمولات میں سے ہے۔ صبح کی نماز کے بعد یہ دعا پڑھی جاتی ہے۔ اس دعا کے پڑھنے سے دینی اور دنیاوی حاجتیں پوری ہو جاتی ہیں۔

اَللّٰھُمَّ زِدْ نُوْرَنَا وَزِدْ سُرُوْرَنَا وَزِدْ مَعْرِفَتَنَا وَ زِدْ طَاعَتَنَا وَزِدْ مَحَبَّتَنَا وَزِدْ عِشْقَنَا وَزِدْ شَوْقَنَا وَزِدْ ذَوْقَنَا وَ زِدْ حَوْلَنَا وَزِدْ قُوَّتَنَا وَزِدْ قَبُوْلَنَا

وَزِدْنَا نُسًا وَزِدْعِلْمًا وَزِدْحِلْمًا بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ ۝

## دشمن پر غالب آنے کے واسطے

خواجہ غریب نوازؒ فرماتے ہیں کہ جب دشمن کے سامنے جاؤ تو حسب ذیل اسماء گرامی کا پڑھنا مفید ہے۔

یَا سُبُّوْحُ یَا قُدُّوْسُ یَا غَفُوْرُ یَا وَدُوْدُ۔

## حاجت برآری کے واسطے

حضرت خواجہ غریب نوازؒ فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ یحییٰ مدنی قدس سرہٗ جب مدینہ منورہ سے رخصت ہوئے تو فرمایا

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ یَا ذَالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ ۝

ہر حاجت کیلئے ایک ہزار اور ایک دفعہ پڑھنا چاہیے۔

اور یَا اَللّٰہُ تین ہزار گیارہ دفعہ سوتے وقت پڑھے۔ ہر روز حَسْبِیَ اللّٰہُ وَ نِعْمَ الْوَکِیْلُ ۝ سو دفعہ پڑھے۔

تائب کو چاہیے کہ ہر فریضہ کے بعد دس دفعہ درود شریف اور دس دفعہ سورۃ اخلاص پڑھے اور فرض مغرب کے بعد چھ رکعتیں اوابین تین سلام سے پڑھے۔ اور ہر رکعت میں سورۃ اخلاص تین دفعہ پڑھے اور دو رکعت حفظ الایمان پڑھے اور ہر رکعت میں سورۃ اخلاص دس دفعہ پڑھے۔ جب سونے لگے تو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ سو بار پڑھے اور اہل شجرہ کی ارواح پر فاتحہ پڑھے اور اکثر اوقات میں ذکر اللہ اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ میں مشغول رہے۔

## مصیبت سے خلاصی کے واسطے

خواجہ غریب نوازؒ فرماتے ہیں کہ حسب ذیل آیت پڑھنے سے مصیبت سے رہائی ہو جاتی ہے۔ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ تا آخر سورت

## اولاد کے واسطے

خواجہ غریب نوازؒ فرماتے ہیں کہ اولاد کے واسطے حسب ذیل آیت نماز کے بعد تین مرتبہ



پڑھے یَا اَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمْ اِنَّ زَلْزَلَۃَ السَّاعَۃِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ ۝

## آسیب دور کرنے کے واسطے

خواجہ غریب نوازؒ فرماتے ہیں کہ وَ اِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِیْنَ تین مرتبہ پانی میں پڑھ کر منہ پر چھینٹا مارے یا کان میں دم کرے۔

## آنکھ کی روشنی کیلئے

خواجہ غریب نوازؒ فرماتے ہیں کہ حسب ذیل آیت نماز کے بعد پڑھے۔ انگلی پر دم کر کے آنکھ میں لگائے۔

وَالسَّمَآءَ بَنَیْنٰھَا بِاَیْدٍ وَّ اِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ۝ وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰھَا فَنِعْمَ الْمٰھِدُوْنَ ۝

## ڈاڑھ کے درد کے واسطے

1- خواجہ غریب نوازؒ فرماتے ہیں کہ اس رخسارے پر ہاتھ رکھے۔ جس طرف درد ہو اور سات بار کہے اَللّٰھُمَّ اَذْھِبْ عَنْہُ سُوْءَ مَا یَجِدُ وَفُحْشَہٗ بِدَعْوَۃِ نَبِیِّکَ الْمَکِیْنِ الْمُبَارَکِ عِنْدَکَ۔

2- دوسری ترکیب یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی جس دانت میں درد ہو اس پر رکھے اور یہ پڑھے۔ بِسْمِ اللّٰہِ وَ بِاللّٰہِ اَسْئَلُکَ بِعِزَّتِکَ وَجَلَالِکَ وَقُدْرَتِکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ فَاِنَّ مریم لم تلد غیر عیسٰی مِنْ رُّوْحِکَ وَ بِکَلِمَاتِکَ اَنْ تَکْشِفَ مَا یلقی فلَانُ بْنُ فلَانٍ اَوْتَلْقٰی فلانۃ بنت فلانۃ مِنَ الضُّرِّ۔

3- تیسری ترکیب یہ ہے کہ جس رخسارہ کی طرف درد ہو اس پر یہ لکھا جائے۔ وَلَہٗ مَا سَکَنَ فِی الَّیْلِ وَالنَّھَارِ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝

## تجارت میں ترقی کے واسطے

خواجہ غریب نوازؒ فرماتے ہیں کہ تجارت میں ترقی کے واسطے حسب ذیل درود زیادہ پڑھنا چاہیے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ وَصَلِّ عَلٰی جَمِیْعِ

الْمُومِنِیْنَ وَالْمُومِنَاتِ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ ۔

## نماز کی مقبولیت کے واسطے

خواجہ غریب نواز فرماتے ہیں کہ نماز کے بعد کلمہ توحید تین بار پڑھ لینے سے نماز کو درجہ مقبولیت حاصل ہو جائے گا۔

## رزق میں ترقی کے واسطے

اِنَّ اللّٰہَ یُمْسِکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ۔ وَلَئِنْ زَالَتَا اِنْ اَمْسَکَھُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْ بَعْدِہٖ اِنَّہٗ کَانَ حَلِیْمًا غَفُوْرًا۔

نماز کے بعد بکثرت پڑھنے سے، خواجہ غریب نواز کا فرمان ہے کہ رزق میں اضافہ ہوتا ہے۔

## فتوحات کے واسطے

خواجہ غریب نواز فرماتے ہیں کہ ہر صبح کو تین بار یہ پڑھے۔

اَللّٰھُمَّ بِاسْمِکَ ہَدَایْتُ وَبِکَرَمِکَ اِقْتَدَیْتُ وَ بِکَرَمِکَ اِقْتَدَیْتُ وبِکَرَمِکَ اِقْتَدَیْتُ وبِنُورِ قُدْسِکَ اِھْتَدَیْتُ وَبِفَضْلِکَ اِسْتَغْنَیْتُ وَاسْتَغْفِرُکَ وَاَتُوْبُ اِلَیْکَ۔

## پھل کی مٹھاس کے واسطے

خواجہ غریب نواز فرماتے ہیں کہ حسب ذیل آیت پڑھ کر پھل کو تراشے۔ شیریں معلوم ہو گا۔ فَسَیَکْفِیْکَھُمُ اللّٰہُ ۔ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۔

## زہریلے جانور کے کاٹے کا اُتار

خواجہ غریب نواز فرماتے ہیں کہ جس جگہ زہریلا جانور کاٹے اس مقام پر انگلی گھماتا ہوا ایک سانس میں سات دفعہ یہ پڑھ کر چھینٹا مارے یا کان میں دم کرے۔

رَبَّنَا ھَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّیّٰتِنَا اَعْیُنٍ وَّ اجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا ۔

## جملہ حاجات کے واسطے

خواجہ غریب نواز فرماتے ہیں کہ حسب ذیل آیات کو انگشتری پر کندہ کرا کے اپنے پاس رکھے۔



وَ اِنْ یَّکَادُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَیُزْلِقُوْنَکَ بِاَبْصَارِھِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّکْرَ وَیَقُوْلُوْنَ اِنَّہٗ لَمَجْنُوْنٌ وَمَا ھُوَ اِلَّا ذِکْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ۔

## رجعت عمل سے محفوظ رہنے کے واسطے

خواجہ غریب نواز فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی عمل کے وقت حسب ذیل سورت کو پڑھ لے تو وہ عمل کی رجعت سے محفوظ رہے گا۔

اِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ وَاَذِنَتْ لِرَبِّھَا وَ حُقَّتْ وَ اِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ وَاَلْقَتْ مَا فِیْھَا وَتَخَلَّتْ ۔

## قرض کی ادائیگی کے واسطے

خواجہ غریب نواز فرماتے ہیں کہ حسب ذیل آیت پڑھنا مفید ہے۔

رَبِّ ھَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْکَ ذُرِّیَّۃً طَیِّبَۃً ۔ اِنَّکَ سَمِیْعُ الدُّعَاءِ۔

## کشائش رزق کے واسطے

خواجہ غریب نواز فرماتے ہیں کہ شروع مہینے کے جمعہ سے چالیس جمعہ تک بعد نماز مغرب گیارہ مرتبہ حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ پڑھے اور ہر جمعہ کے بعد حسب ذیل آیت کاغذ پر کنویں میں ڈالتا رہے۔ وَلَقَدْ مَکَّنّٰکُمْ فِی الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَکُمْ فِیْھَا مَعَایِشَ ۔ قَلِیْلًا مَّا تَشْکُرُوْنَ ۔

## بغض وعداوت سے بچنے کیلئے

خواجہ غریب نواز فرماتے ہیں کہ چالیس دن تک سو مرتبہ یہ پڑھے اور پڑھتے وقت دشمن کا خیال دل میں رکھے۔ وَاَلْقَیْنَا بَیْنَھُمُ الْعَدَاوَۃَ وَالْبَغْضَاءَ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ ۔

## ہر مشکل کے واسطے

خواجہ غریب نواز فرماتے ہیں کہ حسب ذیل آیت کو پڑھ کر دعا کرے۔

وَ اِذَا جَاءَتْھُمْ اٰیَۃٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰی نُؤْتٰی مِثْلَ مَا اُوْتِیَ رُسُلُ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ ۔

## ہر مرض و درد کے واسطے

خواجہ غریب نوازؒ فرماتے ہیں کہ تکلیف یا درد کی جگہ حسب ذیل آیات کو ہاتھ رکھ کر تین دفعہ دم کرے۔ وَ کَلْبُھُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَیْہِ بِالْوَصِیْدِ ط

## ہول دلی کو دور کرنے کیلئے

خواجہ غریب نوازؒ فرماتے ہیں کہ حسب ذیل آیت لکھ کر تعویذ بنا کر گلے میں اس طرح لٹکائیں کہ دل پر رہے۔ ہو سکے تو تاگے میں باندھ دیں تا کہ دل سے نہ ہلنے پائے۔

ھُوَ الَّذِیْ اَیَّدَکَ بِنَصْرِہٖ وَبِا الْمُؤمِنِیْنَ ط وَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَافِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّا اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ وَ لٰکِنَّ اللّٰہَ اَلَّفَ بَیْنَھُمْ اِنَّہٗ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ۔

## بدخوابی سے بچنے کے واسطے

حضرت خواجہ غریب نوازؒ فرماتے ہیں کہ حسب آیت کو سوتے وقت پڑھے یا لکھ کر گلے میں ڈالے۔ فَلَمَّا اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰی مَا جِئْتُمْ بِہِ السِّحْرُ ط اِنَّ اللّٰہَ سَیُبْطِلُہٗ ط اِنَّ اللّٰہَ لَا یُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِیْنَ ط وَیُحِقُّ الْحَقَّ بِکَلِمٰتِہٖ وَلَو کَرِہَ مُجْرِمُوْنَ ط

## بلایات سے بچنے کیلئے

خواجہ غریب نوازؒ فرماتے ہیں کہ حسب ذیل آیت پڑھ کر کشتی یا سواری پر سوار ہونے سے راستہ کی تمام بلایات سے امن پائے گا۔ کسی کو اگر سردی سے بخار آتا ہو تو بیری کی لکڑی پر لکھ کر گلے میں ڈالے۔ اِنِّیْ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ رَبِّیْ وَ رَبِّکُمْ مَا مِنْ دَآبَّۃٍ اِلَّا ھُوَ اٰخِذٌ بِنَا صِیَتِھَا اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٌ۔

## ہر مشکل کے حل کیلئے

خواجہ غریب نوازؒ فرماتے ہیں کہ ہر مشکل کے حل کیلئے سورہ فاتحہ زیادہ پڑھنی چاہیے۔ مشکل کے وقت سورہ فاتحہ اس طرح پڑھنا چاہیے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کے میم کو الحمد کی لام سے ملائیے اور آمین کے موقع پر یعنی ولا الضالین کے بعد تین مرتبہ آمین کہے۔



## آنکھوں کی روشنی کے واسطے

خواجہ غریب نوازؒ فرماتے ہیں کہ آنکھوں کی روشنی قائم رکھنے کیلئے ہر نماز کے بعد لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْقَیُّوْمُ ط پڑھے اور آنکھوں پر دم کرے پھر عَنَتِ الْوُجُوْہُ لِلْحَیِّ الْقَیُّوْمِ پڑھے اور دونوں انگوٹھوں پر دم کر کے آنکھوں سے انگوٹھوں کو ملے۔

## مخلوق کی محتاجی سے بچنے کے واسطے

خواجہ غریب نوازؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص حسب ذیل دعا ستر مرتبہ پڑھے گا مخلوق کا محتاج نہ ہوگا۔

اَللّٰھُمَّ اَغْنِنِیْ بِحَلَالِکَ عَنْ حَرَامِکَ وَ بِطَاعَتِکَ عَنْ مَعْصِیَتِکَ وَ بِفَضْلِکَ عَنْ مَنْ سِوَاکَ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔

## کھوئی ہوئی چیز ملنے کیلئے

خواجہ غریب نوازؒ فرماتے ہیں کہ گم شدہ چیز کیلئے حسب ذیل دعا پڑھنا چاہیے۔

یَا جَامِعَ النَّاسِ لِیَوْمٍ لَّا رَیْبَ فِیْہِ اجْمَعْ عَلَیَّ ضَالَّتِیْ

## آنکھ کا درد دور ہونے کے واسطے

خواجہ غریب نوازؒ فرماتے کہ آنکھ کا درد دور ہونے کیلئے اور آنکھ کی روشنی حاصل ہونے کے واسطے اَللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ پڑھ کر انگلیوں کے سروں پر دم کر کے آنکھوں پر پھیرے پھر الٓمّٓ اَللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ القیوم پڑھ کر اسی طرح کرے۔ پھر اسی طرح الْوُجُوْہُ لِلْحَیِّ الْقَیُّوْمِ پڑھے اور آنکھوں پر پھیرے۔

## قرض کی ادائیگی کے واسطے

1- خواجہ غریب نوازؒ فرماتے ہیں کہ حسب ذیل آیت صبح و شام پڑھ لینے سے قرض ادا ہو جائیگا۔ رَبِّ لِیْ مِنْ لَّدُنْکَ ذُرِّیَّۃً طَیِّبَۃً ط اِنَّکَ سَمِیْعُ الدُّعَاءِ ط

2- خواجہ غریب نوازؒ فرماتے ہیں کہ قرض کے ادا ہونے کے واسطے امام مالکؒ کے موطا میں حسب ذیل دعا آئی ہے۔ اَللّٰھُمَّ فَالِقَ الْاِصْبَاحِ جَعَلَ الَّیْلَ سَکَنًا وَّ الشَّمْسَ

وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا اَقْضِ عَنِّی الدَّیْنَ وَاَغْنِنِیْ مِنَ الْفَقْرِ وَمَتِّعْنِیْ بِسَمْعِیْ وَ بَصَرِیْ وَقُوَّتِیْ فِیْ سَبِیْلِکَ۔

3- خواجہ غریب نوازؒ فرماتے ہیں کہ جمعہ کی نماز کے بعد سو دفعہ اَللّٰھُمَّ یَا غَنِیُّ یَا حَمِیْدُ یَا مُبْدِءُ یَا مُعِیْدُ یَا رَحِیْمُ یَا وَدُوْدُ اَللّٰھُمَّ اَکْفِنِیْ بِحَلَالِکَ عَنْ حَرَامِکَ وَ بِطَاعَتِکَ عَنْ مَعْصِیَتِکَ وَاَغْنِنِیْ بِفَضْلِکَ عَمَّنْ سِوَاکَ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ پڑھے اور پھر ہر روز سو بار پڑھا کرے۔

## پریشانی دُور ہونے کے واسطے

خواجہ غریب نوازؒ فرماتے ہیں کہ ہر روز سات بار حسب ذیل آیت پڑھنا اور پڑھ کر داہنا ہاتھ سینہ پر ملنا اور اس کی مداومت کرنا مفید ہے۔ ھُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ السَّکِیْنَۃَ فِیْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِیْنَ لِیَزْدَادُوْا اِیْمَانًا مَّعَ اِیْمَانِھِمْ وَلِلّٰہِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ط وَکَانَ اللّٰہُ عَزِیْزًا حَکِیْمًا ط

## نمازِ استخارہ

خواجہ غریب نوازؒ فرماتے ہیں کہ استخارہ کی نماز جو شب میں پڑھی جاتی ہے۔ اس کی پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد قل یا ایہا الکٰفرون اور دوسری رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورۂ اخلاص پڑھے اور سوتے وقت اپنے مقصد کے متعلق تصور کرکے اور دعا کر کے سو رہے۔

## دوزخ سے نجات کے واسطے

خواجہ غریب نوازؒ فرماتے ہیں کہ ذی الحجہ کے ایام عشرہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنا چاہیے۔

## فتح وکامرانی کے واسطے

خواجہ غریب نوازؒ فرماتے ہیں کہ اذا جاء نصر اللّٰہ پڑھنا چاہیے۔



# ارشاداتِ عالیہ

خواجہ غریب نوازؒ کے اقوال تصوف کا ایک بیش بہا خزانہ ہیں۔ سب کو یہاں پیش کرنے کی گنجائش نہیں۔ بہ نظر اختصار حسب ذیل پیش کیے جاتے ہیں۔

## عارف وعرفان

- عارف سے ادنیٰ بات یہ ظاہر ہوتی ہے کہ وہ ملک ومال سے بیزار ہو جاتا ہے۔
- عارف وہ ہے جو اس بات کی جدوجہد کرے کہ ایک دم نصیب ہو جائے۔ اور عارف دم وہ ہے جو ذکرِ خدا کرے اور اپنی تمام عمر اس ایک دم پر فدا کر دے۔ اگر ایسا دم نصیب ہو جائے تو زہے نصیب کیونکہ ایسا دم زمین وآسمان میں سالہا سال تک تلاش کرنے پر بھی میسر نہیں آتا۔
- عارف اس وقت تک معرفت کو نہیں پہنچتا جب تک وہ معارف کو یاد نہ کرے۔
- عارف وہ ہوتا ہے جو ہر غیر شے کو اپنے دل سے دور کر دے تاکہ وہ یگانہ ہو جائے کیونکہ دوست یگانہ صفت ہے۔
- عارف کی فضیلت اس میں ہے کہ خاموش رہے اور اندوہ گیں۔
- عارف کی علامت یہ ہے کہ وہ موت کو دوست رکھتا ہے، راحت کو ترک کرتا ہے اور ذکرِ الٰہی سے انس رکھتا ہے۔
- عارف وہ ہے کہ جب صبح سو کر اٹھے تو اس کو رات کی بات یاد نہ ہو۔
- عارف وہ ہے کہ جو کچھ وہ چاہتا ہے اس کے پاس آ جاتا ہے اور جو بات کہتا ہے حق تعالیٰ کی

طرف سے اس کا جواب سن لیتا ہے۔

⊙ عارفوں کا ایک مرتبہ یہ ہوتا ہے کہ جب وہ اس مرتبے پر پہنچ جاتے ہیں تو تمام عالم اور جو کچھ اس عالم میں ہے اپنی دو انگلیوں کے درمیان دیکھتا ہے۔

⊙ عارف آفتاب کی طرح تمام عالم پر تاباں ہیں اور تمام عالم ان کے نور سے روشن ہیں۔

⊙ عارف پر اس وقت تک گریہ طاری رہتا ہے جب تک وہ راہ میں ہوتا ہے۔ جب حقائق کے قرب میں پہنچ جاتا ہے اور وصال حاصل ہوتا ہے تو گریہ نہیں کرتا۔

⊙ عارفوں کا ایثار عاشقی بے نیازی ہے۔ محبوں کا ایثار آرزو ہے۔

⊙ عارفوں کا توکل خدا کے سوا کسی اور پر نہیں ہوتا نہ وہ کسی اور سے التفات کرتے ہیں۔

⊙ عارف محبت میں کامل اس وقت ہوتا ہے جب گفتگو درمیان سے اٹھ جائے اور یہ کیفیت ہو جائے کہ یاد دوست ہے یا خود۔

⊙ عارف وہ ہے جو سوائے ذکر حق کے کسی کو دوست نہیں رکھتا۔

⊙ عارف دُنیا کا دشمن اور خدا کا دوست ہوتا ہے۔ وہ دُنیا سے متنفر ہوتا ہے اور اسے غل و غش اور حسدات کی خبر تک نہیں ہوتی۔

⊙ ہر وہ عارف جس میں تقویٰ ہو وہ گداگری کرے تو لقمہ حرام کھاتا ہے۔

⊙ عارف اس وقت تک روتا ہے جب تک راہ میں ہوتا ہے۔ لیکن جب حقائق قرب میں پہنچ جاتا ہے اور وصال حاصل ہو جاتا ہے تو اسے گریہ نہیں رہتا۔

⊙ اہل عرفاں یاد الٰہی کے سوا اور کوئی بات زبان سے نہیں نکالتے۔

⊙ عارفوں کا ایثار عاشقی بے نیازی ہے اور محبوں کا ایثار آرزو ہے۔

⊙ عارفوں کا توکل سوائے خدا کے کسی اور پر نہیں ہوتا۔ نہ وہ کسی اور کی طرف التفات کرتے ہیں۔

⊙ عارفوں میں صادق وہ ہے جس کی ملکیت میں کچھ نہ ہو، نہ وہ کسی کی ملک ہو۔

⊙ عارفوں کی خصلت محبت میں اخلاص ہے۔

⊙ عارف محبت میں کامل اس وقت ہوتا ہے جب درمیان سے گفتگو اٹھ جائے۔ ایسا ہو جائے



کہ یاد دوست رہے یا خود۔

⊙ عارف کا توکل حق کے ساتھ اس طرح کا ہوتا ہے کہ وہ عالم سکر میں متحیر ہوتا ہے۔

⊙ عارف وہ ہے جو راہ عشق میں سوائے خدا کے کسی کو نہ دیکھے۔

⊙ عارف وہ ہے کہ جب صبح کو اٹھے تو اسے رات کی بابت کچھ یاد نہ ہو۔

⊙ جب تک عارف کو ستر خالص نصیب نہیں ہوتا اس کا کوئی فعل خالص نہیں ہوتا۔

⊙ عارف وہ ہے جو سوائے ذکر حق کے کسی کو دوست نہیں رکھتا۔

⊙ عارف آفتاب صفت ہوتے ہیں۔ اُن سے تمام عالم منور ہوتا ہے۔

⊙ عارف وہ ہے جو ہر وقت ولولۂ عشق اور قدرتِ آفرینش میں متحیر رہے۔ اگر استادہ ہے تو دوست کے خیال میں بیٹھا ہے تو دوست کے ذکر میں سو رہا ہے تو دوست کی یاد میں اور بیدار ہے تو حجاب عظمت کے گرد طواف میں ہے۔

⊙ عارف کی ایک علامت یہ ہے کہ وہ ہر وقت مسکراتا رہتا ہے۔ عارف جس وقت مسکراتا ہے اس وقت عالم ملکوت میں مقربان حق اس کے سامنے ہوتے ہیں۔ جو کچھ ان سے ظاہر ہوتا ہے وہ اسے دیکھ کر مسکراتا ہے۔

⊙ عارف پر ایک ایسی حالت طاری ہوتی ہے کہ اگر اس وقت اس کو ہزار ایسے ملک پیش کیے جائیں جن میں ہر قسم کے عجائبات ہوں تو وہ ان کو آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔ صرف اس چیز کو دیکھتا ہے جو اس پر طاری کی جاتی ہے۔

⊙ عارفوں کی خصلت محبت میں اخلاص ہے۔

⊙ خلق میں عارف تر وہ ہے جو زیادہ متحیر ہو۔

⊙ عارف وہ ہے جو جملگی عالم سے خبردار ہو اور لاکھوں معنی بیان کرے اور ہر وقت بحر معانی میں شناوری کرتا رہے تاکہ گوہر اسرار الٰہی اس سے نکالے اور جوہریان مصر کو دکھائے کہ وہ اسے پسند کریں اور جانیں کہ عارف ہے۔

⊙ عارف اس کو کہتے ہیں جس پر عالم غیب سے صد ہزار تجلیات نازل ہوں اور ایک وقت میں چند ہزار حال و تجلیات اس میں دمبدم پیدا ہوں۔

⊙ عارفوں پر ایک ایسی حالت طاری ہوتی ہے کہ اس وقت وہ عرش سے حجاب عظمت کا فاصلہ طے کر لیتے ہیں اور وہاں سے حجاب کبریا تک پہنچ جاتے ہیں پھر دوسرے قدم میں اپنے مقام تک آ جاتے ہیں۔ مگر یہ ادنیٰ درجہ عارفوں کا ہے لیکن جو کامل ہیں ان کا درجہ خدا ہی جانتا ہے کہ وہ کہاں سے کہاں پہنچتے ہیں اور کب واپس آتے ہیں۔

⊙ عارف وہ ہے جو کہیں ہو اور کچھ بھی طلب کرے وہ اس کے سامنے آئے، جس سے بات کرے جواب پائے۔ اس راہ میں وہ عارف نہیں جو خدا کے سوا کسی اور چیز کے درپے ہو۔

⊙ عارفوں کا ایک درجہ اس قسم کا ہوتا ہے کہ اس درجہ پر وہ دُنیا اور مافیہا اپنی دو انگلیوں میں دیکھتے ہیں۔

⊙ عارف کا کمتر درجہ یہ ہے کہ صفاتِ حق اس میں پائی جائیں۔

⊙ عارف کا کمال درجہ یہ ہے کہ پہلے دلی نور دکھائے، پھر کوئی اگر دعوے کے ساتھ سامنے آئے تو اُسے بہ قوت کرامت ملزم بنادے۔

⊙ جب عارف خاموش ہوتا ہے تو اس سے یہ مطلب ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے باتیں کرتا ہے جب آنکھیں بند کرتا ہے تو اس لئے نہیں کھولتا کہ شاید اسرافیل صور نہ پھونک دے۔

⊙ جس نے خدا کو پہچان لیا۔ اگر وہ خلق سے دور نہ بھاگے تو اس میں کوئی نعمت نہیں۔

⊙ عارف کا کمال یہ ہے کہ اپنے آپ کو راہِ خدا میں جلا دے۔

⊙ عارف خواہ معرفت کے متعلق کتنا ہی بیان کرے اگر دوست کی گلی میں پھرے مگر جب تک معارف یاد نہ کرے معرفت کو نہیں پہنچتا۔

⊙ جب عارف کا حال کامل ہو جاتا ہے تو لاکھوں مقام سے باہر نکلتا ہے اور اپنا کام ترقی پذیر پاتا ہے۔ اگر اس مقام سے نہ نکلے تو اسی مقام میں حیران رہ جاتا ہے۔ یعنی ابھی کنارہ ہے۔ اسے راہ معلوم ہی نہیں اس لئے زیادہ تر ضائع ہی رہتا ہے۔

⊙ اہلِ عرفان یادِ الٰہی کے سوا اور کوئی بات زبان سے نہیں نکالتے۔

⊙ عارف راہِ محبت میں وہ ہے جو کونین سے دل برداشتہ ہو۔



## دُنیا

دُنیا فانی ہے اور کار ہائے دُنیا لایعنی ہیں۔

## راہِ سلوک

⊙ جب تک آدمی راہِ سلوک میں دُنیا و مافیہا ترک نہ کر دے وہ اہلِ سلوک میں داخل نہیں ہو سکتا نہ ان میں کا ہوتا ہے۔ پس اگر اس کی یہ حالت نہ ہو تو سمجھو کہ جھوٹا ہے۔

⊙ اس راہ (راہِ سلوک) میں بہت سے مرد عاجز اور عاجز مرد ہو گئے۔

⊙ راہِ سلوک میں گناہ کبیرہ چار ہیں۔

⊙ قبرستان میں قہقہہ لگانا۔

⊙ قبرستان میں کہ عبرت کی جگہ ہے، کھانا پینا۔

⊙ مردم آزاری کرنا۔

⊙ اللہ کے نام پر لرزہ براندام نہ ہونا۔

سالک کیلئے ان سے بچنا لازم ہے۔

## اہلِ سلوک

⊙ اہلِ سلوک میں محبت ایک ایسا علم ہے کہ لاکھوں علماء اس کو سمجھنا چاہتے ہیں مگر ذرہ بھر بھی ان کو اس کی خبر نہیں ہوتی اور زہد میں ایک ایسی طاعت ہے جس کی زاہدوں کو بھی نہیں۔ وہ اس سے غافل نہیں۔ وہ ایک بھید ہے جو دونوں جہان سے باہر ہے اور اُسے اہلِ محبت اور اہلِ عشق کے سوا کوئی نہیں جانتا جو دونوں جہان میں ثابت ہوتا ہے وہ اس بھید کو جانتا ہے بعد ازاں وہ دعویٰ نہیں کرتا تاکہ دعویٰ اسے رنج نہ پہنچائے۔

پانچ چیزوں کا دیکھنا اہلِ سلوک کے مذہب میں داخل عبادت ہے۔

اوّل: ماں باپ کا چہرہ دیکھنا

دوم: مصحف کا دیکھنا عبادت ہے۔

سوم: علماء کا چہرہ دیکھنا عبادت ہے۔

چہارم: خانہ کعبہ کا دیکھنا عبادت ہے۔

پنجم: اپنے پیر کا چہرہ دیکھنا عبادت ہے۔

## اہل معرفت

⊙ اہل معرفت کی عبادت پاس انفاس ہے۔

## قربِ الٰہی

⊙ لوگ اللہ تعالیٰ کا قرب اس وقت تک حاصل نہیں کر سکتے جب تک نماز میں فرماں برداری نہ کریں کیونکہ مومن کی معراج یہی نماز ہے۔

## بہترین وقت

⊙ بہترین وقت وہ ہے جب دل میں وسوسوں کا گزر نہ ہو اور خلقت سے رہائی حاصل ہو۔

## رویت

⊙ اللہ تعالیٰ جب محبوں کو اپنے انوار سے زندہ کرتا ہے تو اس کو رویت کہتے ہیں۔

## حصولِ معرفت

⊙ ہم نے اس کام (حصول معرفت) میں برسوں محنت کی ہے لیکن ہیبت طاری ہونے کے علاوہ کچھ نصیب نہیں ہوا۔

## اہل محبت

⊙ اہل محبت کی فریاد بوجہ شوق و اشتیاق اس وقت تک رہتی ہے جب تک وہ دوست نہ مل جائے کیونکہ عاشق اسی وقت تک واویلا کرتا ہے جب تک دولتِ مشاہدہ حاصل نہیں۔ جب مشاہدہ حاصل ہو جاتا ہے گفتگو نہیں رہتی۔

⊙ اہل محبت کا یہ مرتبہ ہے کہ اگر اُن سے پوچھیں کہ شب کی نماز پڑھ لی تو کہیں اس سے فراغت نہیں۔ ہم ملک الموت کے گرد پھرتے ہیں جب درماندہ ہو جاتے ہیں اس کا ہاتھ پکڑ لیتے ہیں۔



⊙ اہل محبت اگرچہ محبت میں مجبور ہیں مگر کام ایسے لوگوں کا اختیار کرتے ہیں جو سوتے اور جاگتے میں مطلوب کے طالب ہیں اور اپنی دوست داری سے فارغ ہو کر مشاہدۂ دوست میں مشغول ہیں۔

⊙ اہل سلوک اور اہل محبت میں محبت یہ ہے کہ دوست کے مطیع رہیں اور ڈرتے رہیں کہ کہیں دور نہ کر دیے جائیں۔

⊙ اہل محبت وہ لوگ ہیں جو صرف حق تعالیٰ کی بات سنتے ہیں۔

⊙ جب اہل محبت مرتا ہے، جلد بخش دیا جاتا ہے۔

⊙ اہل محبت کی نشانی کیا ہے؟ یہ کہ فرمانبردار ہے اور ڈرتا ہے کہ کہیں دوست اپنے آپ سے دور نہ کر دے۔

## راہِ محبت

⊙ راہِ محبت میں عاشق وہ ہے جو دونوں جہان سے دل اُٹھا لے۔ معشوق خود عاشق کی طلبگاری کو دیکھتا ہے۔ محبت کی راہ مطیعیان کا کام ہے۔

## عبادت

⊙ عبادت قال المحال ہے۔

## محبت

⊙ محبت میں عارف کا ادنیٰ ترین پایہ اور درجہ یہ ہے کہ اس میں صفات خداوندی پائی جائیں۔

⊙ محبت چار معنی رکھتی ہے۔

- ⊙ ذکرِ خدا میں دل و جان سے خوش رہنا۔
- ⊙ ذکرِ خدا کو بزرگ تر جاننا۔
- ⊙ اس کے ساتھ مشغلہ ہے دوسروں کے ساتھ قطع تعلق کرلے۔
- ⊙ اپنے آپ پر روئے اور اس پر جس کو اس سے غیرت ہے۔

⊙ محبت میں صادق وہ ہے جو ماں باپ، فرزندان و برادران سے خدا اور رسول کیلئے قطع تعلق کرے اور سب سے بیزار ہو۔

- محبت چار معنی کی حامل ہوتی ہے:
  - ذکرِ خدا میں دل و جاں سے خوش رہنا۔
  - ذکرِ خدا کو بزرگ تر جاننا۔
  - اس کے ساتھ مشغول ہو تو دوسروں سے قطع تعلق کر لینا۔
  - اپنے آپ پر رونا اور اس پر رونا جو اللہ کا ...... ہے۔
- محب وہ ہے جو نفس کلام اللہ کے مطابق حق کی دوستی میں صادق رہے۔
- اہلِ سلوک کے درمیان محبت وہ علم ہے جسے صد ہزار عالم جاننا چاہتے تھے مگر انہیں ذرہ برابر بھی خبر نہیں ہوتی اور زہد میں بھی ایسی طاقت ہے کہ زاہد اس سے بے خبر اور غافل ہیں اور وہ ایسا بھید ہے جو دو عالم سے باہر ہے۔ اسے صرف اہلِ محبت اور اہلِ عشق جانتے ہیں۔
- محبت وفا کا دعویٰ وصال اور حرمت باطل کے ساتھ ہے۔
- محبت میں عارف وہ ہے جسے کوئی شے عجیب نہ معلوم ہو کیونکہ تسلیم و دعویٰ ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔
- جس کو محبت و فقر عطا کیے جاتے ہیں اسے وحشت نہیں دی جاتی کہ وہ اس پر فریفتہ ہو جائے۔
- محبت میں عارف کا اعلیٰ ترین پایہ اور درجہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اس کے مقابلے میں کوئی دعوے کرے تو وہ قوتِ کرامت سے اسے پکڑ لے۔

## مرشد

- جب تک مرشد کی تربیت حاصل نہ ہو گی منزل پر نہیں پہنچے گا۔
- پیر مرید کا مشاطہ ہے اس لئے کہ پیر کی ترغیب مرید کی کمالیت حال کیلئے ہوتی ہے۔

## مرید

- مرید کو طاعت میں اس وقت لطف آتا ہے۔ جب طاعت میں خوشی و خرمی حاصل ہوتی ہے۔ اس خوشی میں وہ حجاب سے قریب ہو جاتا ہے۔
- مرید اس وقت ثابت ہوتا ہے جب گناہ لکھنے والا فرشتہ بیس برس تک اس کا کوئی گناہ نہیں لکھتا۔



- کوئی مرید فقر کے نام کا اس وقت مستحق ہوتا ہے جب عالم فانی میں اس کی کوئی چیز باقی نہیں رہتی۔

## عشق

- عشق کی راہ ایسی ہے کہ جو اس راہ پر چلتا ہے اس کا نام و نشان نہیں ملتا۔
- عشق و محبت میں گفتگو، حرکت و مشغلہ اس وقت تک ہے جب تک باہر ہیں۔ جب اندر پہنچتے ہیں خاموشی، سکون اور آرام میسر آتا ہے۔ فریاد و شور ہرگز نہیں رہتا۔

## عاشق

- محبت کی راہ میں عاشق اسے کہتے ہیں جو اپنا دل دونوں جہان سے اٹھا لے۔
- دریاؤں کا بہتا پانی شور کرتا ہے لیکن جب سمندر سے مل جاتا ہے، آواز نہیں رہتی۔ اسی طرح جب عاشق معشوق سے واصل ہو جاتا ہے تو واویلا نہیں کرتا۔
- عاشق کا دل آتشکدۂ محبت ہے، جو اس میں آئے اسے جلا کر ناچیز کر دیتا ہے، کیونکہ عشق کی آگ سے تیز کوئی آگ نہیں۔
- اللہ تعالیٰ کے ایسے عاشق بھی ہوتے ہیں جنہیں اس کی دوستی نے خاموش کر رکھا ہے۔ انہیں عالمِ موجودات کی کسی چیز کی خبر نہیں ہوتی۔
- جس دل میں اللہ تعالیٰ کی دوستی ہوتی ہے اس کی جان کو قرار حاصل ہوتا ہے۔ پس اس کو چاہیے کہ دونوں جہان کو بیگانہ دیکھے۔ اگر ایسا نہیں کرے گا تو عاشق صادق نہیں۔
- عشق کی راہ ایسی ہے کہ جو اس راہ پر پڑ جاتا ہے اس کا نام و نشان نہیں ملتا۔

## دوستی

- اگر دوست کی دوستی میں دونوں جہان بھی بخش دیے جائیں تب بھی کم ہے۔
- اللہ تعالیٰ سے دوستی اس طرح ہوتی ہے کہ جن چیزوں سے اللہ تعالیٰ دشمنی رکھتا ہے ان سے دشمنی رکھے یعنی دنیا و نفس سے۔
- دوستی اس کا نام ہے کہ اس کا ذکر دل سے کرے کیونکہ دل یاد کیلئے بنایا گیا ہے۔

## دوست

- دوست کے اسرار خوبصورت ہیں اور خوبصورت عاشق کے دل ہی میں جاگزیں ہوتے ہیں۔
- اللہ تعالیٰ کے ایسے دوست بھی ہیں کہ اگر دنیا میں ایک لمحے کیلئے بھی اس کی یاد سے غافل ہو جائیں تو ان کی ہستی نابود ہو جائے۔
- جس کو خدا دوست رکھتا ہے اس پر بلا نازل کرتا ہے۔ جو دوست سے محبت کرتا ہے وہ برغبت دوست کی طرف سے مصیبت کا خواہاں ہوتا ہے۔

## قیمتی چیزیں

- اس جہاں میں جو چیزیں عزیز ترین ہیں وہ کیا ہیں؟ تین چیزیں ہیں۔
  - اوّل عالم جس کی گفتگو اس کے علم سے ہو۔
  - مرد جس میں طمع نہ ہو۔
  - عارف جو ہمیشہ دوست کی صفت بیان کرتا رہے۔

## زہد

- قیامت کے دن جو چیز بہشت میں پہنچائے گی وہ زہد ہے نہ کہ محض علم و عمل۔

## خود پرستی

- خود پرستی اور نفس پرستی بت پرستی ہے۔ جب تک خود پرستی نہیں چھوڑو گے خدا پرستی حاصل نہیں ہوگی۔

## صفاتِ محبوب

- تجربہ یہ ہے کہ صفاتِ محبوب محبت کے دل اور صفات میں شامل ہو جائیں۔ چنانچہ ارشاد باری ہے کہ جو مجھ سے محبت کرتا ہے میں اس کیلئے کان اور آنکھ بن جاتا ہوں۔

## حاجی

- حاجی لوگ جسم کے ساتھ خانۂ کعبہ کا طواف کرتے ہیں پھر بھی انہیں مشاہدہ حاصل نہیں ہوتا



مگر عشاق دل سے حجاب عظمت کا طواف کرتے ہیں۔ اگر اس کے سوا اور چیز کو دیکھ لیتے ہیں تو فریاد کرتے ہیں اور بقا (مشاہدہ) چاہتے ہیں۔

## صحبت

- نیکوں کی صحبت نیک کام سے بہتر ہے اور بدوں کی صحبت بد کام سے بدتر ہے۔

## یقین

- یقین ایک نور ہے جس سے انسان منور ہو جاتا ہے۔ بعد ازاں محبان و متقیان میں شامل ہو جاتا ہے۔

## بقا

- اگر ہو سکے تو بقا حاصل کرو۔ صلاحیت اور زہد تو ایک ہوا کی طرح ہیں جو تم پر چلتی ہے۔
- بقا عین حق ہے۔

## علم

- علم محیط ہے اور معرفت اس کا جزو ہے۔ پس خدا کہاں اور بندہ کہاں۔ علم خدا ہی کو ہے مگر معرفت ہر دو کو ہے۔
- علم بحرِ بے کنار ہے۔ معرفت اس بحرِ بے کنار کی ایک ندی ہے۔ پس اللہ کجا اور بندہ کجا۔ علم اللہ کو ہے معرفت بندے کو۔

## تجرید

- تجرید یہ ہے کہ صفاتِ محبوب محب کے دل اور صفات میں جاگزیں ہو جائیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے جو مجھ سے محبت کرتا ہے میں اس کیلئے کان اور آنکھ بن جاتا ہوں۔

## عادت

- عادت پرست ہرگز حق پرست نہیں ہوتا۔ ترک عادت کر کے تربیت مرشد حاصل کرنا مردوں کا کام ہے۔

## درویش اور درویشی

- درویش میں اتنی قوت باطنی ہونی چاہیے کہ اگر سننے والا حکایت اولیاء اللہ میں شک کرے تو اسے مشاہدہ کرا کر قائل کر دے۔
- درویشی اس کا نام ہے کہ جو آئے اسے محروم نہ جانے دے۔ اگر بھوکا ہے تو کھانا کھلائے۔ اگر ننگا ہے تو نفیس کپڑا پہنائے۔ بہر حال اسے خالی نہ جانے دے۔ اس کا حال پوچھ کر دل جوئی کرنا چاہیے۔
- جہاں میں عزیز ترین یہ ہے کہ درویش درویشوں سے ملیں اور جو کچھ دل میں ہو صاف صاف بیان کریں اور بدترین چیز یہ ہے کہ درویش درویشوں سے جدا رہیں۔
- درویش وہ ہے جس کے پاس اگر کوئی شخص حاجت لے کر آئے تو محروم نہ لوٹے۔

## سخاوت

- جسے نعمت حاصل ہوئی سخاوت سے ہوئی۔

## گناہ

- گناہ تمہیں اتنا نقصان نہیں پہنچا سکتا جتنا مسلمان بھائی کو خوار و ذلیل کرنا۔

## فریاد

- فریاد کی دلیری اس وقت تک رہتی ہے جب دوست سے غائب اور اپنا عاشق بنا ہوا ہے۔ جب حضوری حاصل ہوتی ہے تو فریاد و گفتگو نہیں رہتی۔

## اہلِ توکل

- اہلِ توکل پر غلبات شوق میں ایسا وقت آتا ہے کہ اس وقت اگر انہیں ذرہ ذرہ کر دیا جائے اور ان کو تلوار سے زخمی کر دیا جائے یا کوئی اور تکلیف پہنچائی جائے تو انہیں مطلق خبر نہیں ہوتی۔
- حقیقتاً متوکل وہ ہے جو خلقت کے آزار اور رنج پہنچانے پر نہ کسی سے شکایت کرے نہ حکایت۔



## دل

- دل وہ ہے جو اپنے حال سے خالی ہو اور مشاہدہ دوست میں باقی ہو۔

## توبہ

- توبہ کے چند مقامات ہیں۔ جاہلوں سے دور رہنا، باطل کو ترک کرنا، منکروں سے روگردانی کرنا، محبوب سے محبت کرنا، خیرات کرنا، توبہ کو درست کرنا اور مظالم کو رد کرنا۔

## خدمت

- جسے جو بھی ملا خدمت سے ملا۔

## اہل محبت

- اہل محبت وہ ہیں کہ استاد کے واسطے کے بغیر دوست کی باتیں سنتے ہیں۔

## بُری چیز

- دُنیا میں سب سے بُری چیز یہ ہے کہ درویش درویشوں سے جدا ہوں کہ یہ بات علت سے خالی نہیں ہوگی۔

## دُنیا

- دُنیا میں سب سے عزیز چیز یہ ہے کہ درویش درویشوں کے ساتھ مل کر بیٹھیں۔

## قیامت میں شرمندگی

- اس شخص پر افسوس ہے جو قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شرمندہ ہوگا۔ آپ سے شرمندہ ہونے والے کی جگہ کہاں ہوگی۔

## پسندیدہ چیزیں

- دُنیا میں دو چیزوں سے زیادہ پسندیدہ کچھ نہیں۔
- صحبتِ فقراء

⊙ حرمتِ اولیاء

## معرفت

⊙ معرفت کی راہ میں قرار دو باتوں سے حاصل ہوتا ہے۔ ایک اپنے بندہ ہونے کا ادب دوسرے حق تعالیٰ کی تعظیم۔

## متوکل

⊙ متوکل حقیقت میں وہ ہے جو اپنے رنج اور تکلیف کو خلقِ خدا سے دور رکھتا ہے۔

## اہلِ صفا

⊙ جو کوئی حصولِ نعمت میں پہل کرتا ہے وہ اہلِ صفا میں شمار ہوتا ہے۔

## شقاوت

⊙ شقاوت کی علامت کیا ہے؟ یہ کہ گناہ کرے اور اُمید رکھے کہ مقبولانِ خدا میں شامل ہوگا۔

## حق شناسی

⊙ حق شناسی کی علامت خلق سے گریز اور معرفت میں خاموشی اختیار کرنا ہے۔

## سفر

⊙ اے غافل اسی سفر کا توشہ تیار کر جو تجھے درپیش ہے یعنی سفرِ آخرت

## تسلیم و دعویٰ

⊙ تسلیم و دعویٰ ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔

## ملازمت

⊙ ملازمت پروردگار کی عبادت سے حاصل ہوتی ہے۔

## بزرگی

⊙ جو بزرگی کا دعویٰ کرتا ہے قید میں ہوتا ہے۔



## نسبت

⊙ بندہ کو حق تعالیٰ سے اس قدر نسبت پیدا کرنی چاہیے کہ جو کچھ وہ چاہے وہ قبول کرے اور اگر اس قدر نہ ہو تو اس کو درویش نہیں کہنا چاہیے۔

## تین چیزیں

⊙ اوّل خوف، دوم رجا، سوم محبت

پس خوف کے ضمن میں ترکِ معصیت ہے تاکہ آتشِ دوزخ سے نجات ہو اور رجا کے ضمن میں طاعت ہے تاکہ بہشت و منزلت اور حیاتِ ابدی حاصل ہو اور محبت کے ضمن میں اجتہاد و فکر ہے تاکہ حق تعالیٰ کی رضا حاصل ہو۔

## کفر

⊙ اگر کافر سو برس تک لا الٰہ الا اللہ کہے مسلمان نہیں لیکن ایک مرتبہ محمد رسول اللہ کہنے سے صد سالہ کفر دور ہو جاتا ہے۔

## مقام جمع الجمع

⊙ مقام جمع الجمع یہ ہے کہ ظہور اسمائے صفات جانے۔ مصنوعات صانع کو دیکھے۔ مشاہدہ چشم کو تجلیات سے پُرنور کرے۔ اضافات ماسوا کو دور کرے۔ کفر کو ظہور جلال جانے اور اسلام کو نور جمال ظہور اسم ہادی کا کہ ہدایت ہے پیرو ہو جائے اور پرتو فعل سے کہ ضلالت ہے دور رہے۔

## گوہر نفس

⊙ چار چیزیں گوہر نفس ہیں۔

اول: درویشی جو تونگری کردے۔

دوم: بھوک جو سیر کردے۔

سوم: تیسرے اندوہ جو شادی دکھائے۔

دوم: دشمن کے ساتھ ایسی مردی جو دوستی دکھائے۔

## دس اور شرطیں

⊙ اہلِ طریقت کیلئے دس شرطیں لازم ہیں:

اوّل: طلب حق — دوم: طلب مرشد

سوم: ادب — چہارم: رضا

پنجم: محبت وترکِ فضول — ششم: تقویٰ

ہفتم: استقامت شریعت — ہشتم: کم کھانا و کم سونا

نہم: عزلت اختیار کرنا خلق سے — دہم: روزہ و نماز

## دس شرطیں

⊙ اہلِ حقیقت کیلئے بھی دس شرطیں لازم ہیں:

اوّل: معرفت میں کامل ہو اور خدا رسیدہ ہو۔

دوم: نہ رنج ہو نہ رنجیدہ کرے اور نہ کسی کی بدی خیال میں لائے۔

سوم: حق تعالیٰ کی راہ دکھائے اور خلق کو ایسی بات بتادے جس میں فائدہ دنیا و آخرت کا مرتب ہو۔

چہارم: تواضع

پنجم: عزلت

ششم: ہر شخص کو عزیز و محترم جانے اور اپنے کو سب سے حقیر اور کمتر شمار کرے۔

ہفتم: رضا و تسلیم

ہشتم: ہر ایک درد و رنج میں صبر

نہم: سوز و گداز و عجز و نیاز

دہم: قناعت و توکل



# خلفاء

حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے خلفاء کی بہت بڑی تعداد تھی۔ مفتی محمد انتظام اللہ شہابی گوپاموی نے اپنی کتاب ''کامل سوانح عمری خواجہ غریب نوازؒ'' میں ساٹھ سے زائد مشاہیر خلفاء کے نام درج کئے ہیں۔ ان کی تفصیل یہ ہے۔

| | اسمائے گرامی | تاریخ وصال | مزار |
|---|---|---|---|
| 1 | حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ | 14 ربیع الاوّل 633ھ | دہلی |
| 2 | حضرت امام الدین دمشقیؒ | 7 ربیع الاوّل 574ھ | اجمیر |
| 3 | حضرت نیاز اللہ خراسانیؒ | 15 ربیع الاوّل 585ھ | اجمیر |
| 4 | حضرت احمد شہاب کوفیؒ | | اجمیر |
| 5 | حضرت خواجہ محی الدینؒ | | اجمیر |
| 6 | حضرت داود الدینؒ | 28 محرم 600ھ | اجمیر |
| 7 | حضرت شیخ احمد کابلیؒ | محرم 597ھ | بنارس |
| 8 | حضرت غلام ہادی ترکؒ | 11 شوال 588ھ | اجمیر |
| 9 | حضرت سلطان شاہؒ | 19 جمادی الاوّل 593ھ | اجمیر |
| 10 | حضرت احمد خاں درّانیؒ | 4 شعبان 603ھ | اجمیر |

| | اسمائے گرامی | تاریخ وصال | مزار |
|---|---|---|---|
| 11 | حضرت قادر سعیدؒ | 19 رجب 607ھ | اجمیر |
| 12 | حضرت قران احمدؒ | 4 رمضان 621ھ | دہلی |
| 13 | حضرت احمد قبرؒ | 16 شوال 621ھ | دہلی |
| 14 | حضرت اطہر خاں ترکؒ | 9 شعبان 707ھ | دہلی |
| 15 | حضرت سبحان علی خاں چغتیؒ | 9 ذی الحجہ 619ھ | اجمیر |
| 16 | حضرت فقیر محمدؒ | 27 جمادی الآخر 611ھ | جمرود |
| 17 | حضرت امیر بر ہانجی سدا سہاگؒ | 16 محرم 600ھ | اجمیر |
| 18 | حضرت احمد خاں غلزئیؒ | 18 ذیقعد 603ھ | قنوج |
| 19 | حضرت ہادی محمد غضنفرؒ | 16 ذی الحجہ 609ھ | اجمیر |
| 20 | حضرت کیون اصغر قند ھاریؒ | 17 ذی الحجہ 615ھ | دہلی |
| 21 | حضرت نظام خاں ترکؒ | 21 رجب 621ھ | دہلی |
| 22 | حضرت سوفی بہادر شاہؒ | 11 محرم 618ھ | اجمیر |
| 23 | حضرت مردغار خاں ترکؒ | 16 شعبان 619ھ | اجمیر |
| 24 | حضرت مراد بیگ مغلؒ | 27 شوال 614ھ | اجمیر |
| 25 | حضرت محمد اصغر بخاریؒ | 27 رجب 697ھ | دہلی |
| 26 | حضرت شعبان خاں ترکؒ | 27 ربیع الاوّل 677ھ | اجمیر |
| 27 | حضرت نعمت احمد صفاؒ | 14 جمادی الآخر 617ء | اجمیر |
| 28 | حضرت محمود احمدؒ | 19 رمضان 621ھ | اجمیر |
| 29 | حضرت رمادا کبر شاہؒ | 21 صفر 608ھ | اجمیر |



| | اسمائے گرامی | تاریخ وصال | مزار |
|---|---|---|---|
| 30 | حضرت غریب اصغرؒ | 18 شعبان 615ھ | اجمیر |
| 31 | حضرت شہاب ولیؒ | 18 شوال 617ھ | اجمیر |
| 32 | حضرت سرور احمد | 18 رمضان 615ھ | اجمیر |
| 33 | حضرت ظہیر الدینؒ | 8 شوال 603ھ | اجمیر |
| 34 | حضرت سفیا احمدؒ | 6 رجب 610ھ | |
| 35 | حضرت معروف شہاب قریشیؒ | 19 صفر 603ھ | |
| 36 | حضرت عبداللہ اصغرؒ | 11 شعبان 661ھ | |
| 37 | حضرت عبدالغفارؒ | 25 رجب 661ھ | اجمیر |
| 38 | حضرت عزیز احمد شاہؒ | 16 صفر 697ھ | دہلی |
| 39 | حضرت موشیوخ عراقیؒ | 23 محرم 672ھ | دہلی |
| 40 | حضرت کریم شعیبؒ | 27 محرم 698ھ | دہلی |
| 41 | حضرت یعقوب خاںؒ | 24 صفر 692ھ | ملتان |
| 42 | حضرت عبدالغفارؒ | 16 رجب 631ھ | اجمیر |
| 43 | حضرت حسن داؤدیؒ | 4 ذی الحجہ 662ھ | اجمیر |
| 44 | حضرت کریم احمد شاہؒ | 14 ذی یقعد 617ھ | دہلی |
| 45 | حضرت ابو الفرح قریشیؒ | 23 صفر 681ھ | دہلی |
| 46 | حضرت خواجہ احمد شاہؒ | 5 محرم 643ھ | دہلی |
| 47 | حضرت شیخ حمید الدینؒ | 11 رجب 673ھ | ملتان |
| 48 | حضرت شیخ وجیہ الدینؒ | | |

| | اسمائے گرامی | تاریخ وصال | مزار |
|---|---|---|---|
| 49 | حضرت شیخ حمید الدین ناگوریؒ | 29 ربیع الاوّل 672ھ | ناگور |
| 50 | حضرت خواجہ برہان الدینؒ | 14 رجب 624ھ | اجمیر |
| 51 | حضرت شیخ احمدؒ | 13 محرم 630ھ | اجمیر |
| 52 | حضرت محمد حسنؒ | | |
| 53 | حضرت خواجہ سلمان کرشتیؒ | | |
| 54 | حضرت شیخ صدر الدینؒ | | |
| 55 | حضرت شمس الدین فوقانیؒ | 7 صفر 674ھ | احمد آباد |
| 56 | حضرت خواجہ حسن خیاطؒ | | |
| 57 | حضرت عبداللہ شاہ بیابانی (عرف جوگی بے پال) | | |
| 58 | حضرت خواجہ شیخ محمد زاہد ترکؒ | 11 محرم 634ھ | دہلی |
| 59 | حضرت خواجہ محمد علی سجزیؒ | | |
| 60 | حضرت خواجہ یادگار خرمؒ | | |
| 61 | حضرت خواجہ سبز یادگاریؒ | 10 محرم 645ھ | |
| 62 | حضرت فتح محمد قتالؒ | 9 رجب 623ھ | اجمیر |
| 63 | حضرت وجیہہ الدین خراسانیؒ | 9 جمادی الآخر 645ھ | ہرات افغانستان |
| 64 | حضرت بی بی حافظ جمال (بنت حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ) | | |

حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ المتوفی (۶۳۳ھ ۱۲۳۵ء) آپ کے خلیفۂ اعظم تھے جن کو آپ نے اپنی زندگی میں دہلی کی ولایت عنایت کر دی تھی۔



# خواجہ کے دربار میں

علامہ مشتاق احمد نظامی نے حضرت خواجہ سید معین الدین چشتی کی زندگی پر ایک کتاب ہند کے راجہ یعنی سوانح خواجہ ترتیب دی جسے مکتبہ فریدیہ جناح روڈ، ساہیوال نے 1976ء میں شائع کیا۔ اس کتاب میں ان سلاطین اور امراء کا ذکر ہے جنہوں نے خواجہ صاحب کے دربار پر حاضری دی اور اس کے علاوہ درگاہ شریف کے معمولات و مراسم اور عمارات درگاہ شریف کا احوال بھی درج ہے۔ ناشران کے شکریہ کے ساتھ اس کتاب میں درج معلومات کو قاری محترم کے استفادہ کیلئے پیش کر رہے ہیں۔

جہاں آرا بیگم اپنے والد شاہجہاں کے ہمراہ 1053 ہجری میں آستانہ خواجہ غریب نواز پر حاضری ہوئی۔ اس حاضری کا بیان درج ذیل ہے۔

''میں تاریخ 18 شعبان والد بزرگوار کے ہمراہ آگرہ سے اجمیر روانہ ہوئی اور 7 رمضان المبارک سنہ 1053ھ کو وہاں پہنچی۔ اس تمام عرصہ میں میرا معمول یہ رہا کہ ہر منزل پر دو رکعت نماز نفل ادا کرنے کے بعد سورہ یٰسین اور سورہ فاتحہ نہایت اخلاص و عقیدت مندی سے پڑھ کر اس کا ثواب حضرت خواجہ بزرگ کی روح پر فتوح کی نذر کرتی رہی۔ کچھ دنوں تالاب آنا ساگر کی عمارت قیام رہا۔ اس عرصہ میں بپاس ادب و تعظیم کبھی پلنگ پر نہیں سوئی اور نہ روضہ منورہ کی جانب کبھی پشت و پاؤں کیے۔ دن بھر درختوں کے سائے میں گزار دیتی تھی۔ آنحضرت کی برکت اور اس زمین کے اثر فیض سے جمعیت خاطر اور ذوق پیدا ہو گیا۔ ایک شب میں نے مولود اور خوب چراغاں کیا۔ زینت و خدمت روضہ کے

لیے جو کچھ ملا اور ملے گا اس میں کمی نہیں کروں گی۔ الحمد للہ والمنۃ وصد ہزار شکر کہ جمعرات کے دن بتاریخ 14 رمضان المبارک حضرت پیر دستگیر کے مرقد منورہ کی زیارت نصیب ہوئی۔ ایک پہر دن رہ گیا تھا کہ حاضر بارگاہ سعادت پناہ ہوئی۔ گنبد شریف میں حاضر ہو کر سات مرتبہ مزار مبارک کا طواف کیا۔ بعد ازاں اپنی پلکوں سے جھاڑ دی۔ مزار مبارک کی خاک وخوشبو کو سرمۂ چشم بنایا۔ نہایت شوق سے میں سراسیمہ ہو گئی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کہوں اور کیا کروں۔ القصہ میں نے قبر شریف پر عطر اپنے ہاتھوں سے ملا اور چادر گل جو میں اپنے سر پر رکھ کر لائی تھی مزار شریف پر پیش کی۔ بعد ازاں سنگ مرمر کی مسجد میں آ کر نماز پڑھی۔ یہ مسجد دو لاکھ چالیس ہزار روپیہ صرف کر کے والد بزرگوار نے تعمیر کرائی تھی پھر گنبد مبارک میں بیٹھ کر سورہ یٰسین وسورہ فاتحہ حضرت خواجہ کی روح پر فتوح پر پڑھی اور مغرب تک وہاں حاضر رہی اور آنحضرت کے یہاں شمع روشن کر کے جھالرہ کے پانی سے روزہ افطار کیا۔ عجیب شام تھی جو صبح سے بہتر تھی۔ اگرچہ اس متبرک مقام اور مخزن فیوض سے گھر آنے کو جی نہیں چاہتا تھا مگر مجبور تھی

رشتہ درگردنم افگندہ دوست

میبرد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

اگر خود مختار ہوتی تو ہمیشہ اسی گوشۂ عافیت میں بسر کرتی۔ ناچار روتی ہوئی اس درگاہ سے رخصت ہو کر گھر آئی۔ تمام رات بیقراری میں کٹی۔ صبح کو جمعہ کے دن والد بزرگوار کے ساتھ آگرہ روانہ ہو گئی۔"

## سلطان شہاب الدین غوری

پرتھوی راج کو شکست دینے کے بعد سلطان شہاب الدین غوری اجمیر مقدس حاضر ہوا اور خواجہ خواجگان سرکار معین الدین اجمیری نور اللہ مرقدہ کے دست حق پرست پر بیعت بھی کی۔

## سلطان شمس الدین التمش

سلطان التمش کو خواجہ بزرگ سے بے پناہ عقیدت تھی۔ حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل کرنے کے بعد آپ سے معرفت کی تعلیم بھی حاصل کی۔



## سلطان محمود خلجی

نواح ہارونی کی کسی جماعت کا ایک عریضہ محمود خلجی کی نظر سے گزرا۔ جس میں یہ تحریر تھا کہ اسلام کی ابتدا ہندوستان میں اجمیر سے ہوئی جو خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی خوابگاہ ہے۔ چونکہ اب یہ مقام غیر مسلموں کے قبضہ میں آ گیا ہے اس لیے اسلام اور شعائر اسلام کی بے حرمتی ہو رہی ہے۔ سلطان عریضہ کے مضمون سے مطلع ہو کر حضرت خواجہ کی روح پر فتوح سے امداد کا طالب ہوا۔ حتی کہ اجمیر پہنچ کر معرکہ آرائی ہوئی۔ قلعہ کا سردار گجادھر مع راجپوتوں کے قلعہ سے باہر نکلا۔ طرفین میں چار دن تک جنگ رہی۔ پانچویں روز گجادھر مارا گیا۔ محمود خلجی کی فتح ہوئی۔ اپنی فتح و نصرت پر بادشاہ سجدہ شکر بجالایا اور روضہ مبارک کا طواف کر کے ایک مسجد "مسجد صندل خانہ" تعمیر کرائی۔ مزار مبارک کے خدام اور مجاوروں کو انعام واکرام دے کر خود منڈل گڑھ کی طرف روانہ ہوا اور خواجہ نعمت اللہ کو سیف خاں کا خطاب دیکر والی اجمیر بنا گیا۔

## سلطان ظفر خاں

منڈل گور (مانڈل) کے مسلمانوں پر راجپوتوں کے حملے کی خبر پا کر ادھر متوجہ ہوا۔ اس نواح کا راجہ قلعہ میں بند ہو گیا مگر طاعون پھیل جانے سے راجہ نے مجبور ہو کر ظفر خاں کی خدمت میں عجز و نیاز کے لیے بھیجا۔ بادشاہ نے اسے تائید غیبی سمجھ کر اس کی عرضداشت کو شرف قبول سے نوازا اور اس کی پیش کش قبول کر کے سرکار غریب نواز کے آستانہ گرامی کی زیارت کے لیے اجمیر روانہ ہوا اور سلطان الہند کی روح پر فتوح سے غیر مسلموں پر فتح و نصرت کی مدد چاہی اس کے بعد بھیلواڑہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

## شہزادہ بہادر خاں

سلطان مظفر بن سلطان بیگڑہ گجراتی بن سلطان محمد شاہ 916ھ میں تخت نشین گجرات ہوا۔ اس کے دو لڑکے تھے۔ شہزادہ سکندر اور شہزادہ بہادر خاں۔ شہزادہ بہادر خاں باپ سے ناراض ہو کر چتوڑ گڑھ ہوتا ہوا 931ھ میں خواجہ خواجگان سلطان الہند کے مزار پر انوار کی زیارت کے لیے روانہ ہوا۔ آستانہ غریب نواز سے فیضیاب ہو کر شہزادہ بہادر خاں سیوات چلا گیا۔ آخر کار 932ھ میں گجرات کا بادشاہ ہوا اور 943 تک حکومت کی۔ ہمایوں نے 943ھ میں اس پر غلبہ پا کر گجرات پر قبضہ کر لیا۔

## شیر شاہ سوری

شیر شاہ راجہ مالدیو حاکم مارواڑ کو شکست دینے کے بعد سنہ 1544ء میں درگاہ سرکار خواجہ معین الدین میں زیارت کیلئے حاضر ہوا اور غرباء و فقراء پر کافی رقم تقسیم کرنے کے بعد آداب آستانہ کے تحت جملہ مراسم ادا کیے جس میں طواف بھی شامل تھا۔ حاضری کے بعد تارا گڑھ کی پہاڑی پر گیا۔ پانی کی کمی تھی اس لیے اس نے معمار مقرر کیے کہ چشمہ حافظ جمال سے قلعہ پر پانی پہنچائیں اور اس کا نام شیر چشمہ رکھا۔ سہسرام میں شیر شاہ کا تاریخی مقبرہ ہے۔

## سلطان جلال الدین اکبر

اکبر نے متعدد بار سرکار خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ کرم میں حاضری دی ہے۔ ان میں سے بعض کی تفصیل بحوالہ معین الارواح حسب ذیل ہیں:

اکبر وار اتفاقاً آگرہ سے فتحپور سیکری کی طرف شکار کے لیے جا رہا تھا جب موضع منڈہا کے قریب پہنچا تو خواجہ بزرگ کے مناقب اس کے سامنے گائے گئے۔ سلطان الہند کے زہد و ورع' کمالات و کرامات اور روحانی تصرفات کا تذکرہ پہلے بھی اس کی مجلس میں ہو چکا تھا۔ اس لیے خواجہ غریب نواز کے روضہ کی زیارت کا شوق اس کے دل میں پیدا ہوا اور عین شکارگاہ میں اس نے اجمیر معلی جانے کا قصد کر لیا۔ چنانچہ 8 جمادی الاول 969ھ بروز چہار شنبہ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ اجمیر روانہ ہوا۔ اجمیر پہنچکر اس نے روضہ غریب نواز کی زیارت کی۔ اس کے بعد آگرہ روانہ ہوا۔

سنہ 975ھ میں اکبر نے "قلعہ چتوڑ" فتح کرنے کا ارادہ کیا اور یہ منت مانی۔ اگر قلعہ فتح ہو گیا تو میں پاپیادہ حضرت خواجہ معین الدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت کے لیے اجمیر جاؤں گا۔ چنانچہ فتحیابی کے بعد 29 شعبان سنہ 975ھ وہ پاپیادہ اجمیر روانہ ہوا اور اجمیر مقدس پہنچ کر 17 رمضان المبارک سنہ 975ھ روضہ کی زیارت کی۔ پھر دس دن قیام کرنے کے بعد آگرہ روانہ ہو گیا۔

سنہ 976ھ میں قلعہ تھمبور فتح کرنے کے بعد اکبر نے پھر اجمیر شریف حاضری دی اور سرکار غریب نواز کے آستانہ کی زیارت کے بعد آگرہ پہنچکر حضرت شاہ سلیم چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں فتحپور سیکری حاضر ہوا۔ اس سے پہلے اکبر کے یہاں چند لڑکے پیدا ہو کر مر چکے تھے۔ چنانچہ حضرت شاہ سلیم چشتی علیہ الرحمۃ نے زندہ لڑکے کے پیدا ہونے کی بشارت سنائی اور



اسی زمانہ میں بیگم حاملہ ہوئی۔

اکبر نے منت مانی تھی کہ اگر میرے لڑکا ہوگا تو حضرت خواجہ بزرگ کے آستانہ پر پاپیادہ حاضری دوں گا۔ چنانچہ 17 ربیع الاول سنہ 977ھ بروز چہار شنبہ عارف باللہ حضرت شیخ سلیم چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مکان پر فتحپور سیکری میں جہانگیر پیدا ہوا تو اکبر 12 شعبان سنہ 977ھ بروز جمعہ آگرہ سے پاپیادہ اجمیر مقدس کے لیے روانہ ہوا اور وہاں چند روز قیام کیا۔ آستانہ غریب نواز کے مجاوروں کو بہت سے تحائف پیش کیے۔

بتاریخ 3 محرم الحرام سنہ 978ھ اکبر کے یہاں دوسرا بیٹا پیدا ہوا۔ بادشاہ نے اس کا نام محمد مراد رکھا اس سال بھی بادشاہ نے اجمیر شریف کا سفر کیا اور خواجہ بزرگ کے روضے کا طواف کیا۔

یکم صفر سنہ 979ھ میں اکبر حصار فیروزہ کا تماشا دیکھنے گیا۔ وہاں کی واپسی میں اجمیر شریف حاضر ہوا اور حضرت سلطان الہند کے روضہ کی زیارت سے مشرف ہو کر آگرہ پہنچا۔

20 صفر سنہ 980ھ میں اکبر شکار کھیلتا ہوا اجمیر روانہ ہوا اور 15 ربیع الاول شریف بروز سہ شنبہ مزار مقدس کی زیارت سے بہرہ ور ہوا۔

3 جمادی الثانی سنہ 981ھ بروز چہار شنبہ اکبر اجمیر پہنچا اور سلطان الہند کی درگاہ میں حاضر ہو کر شرائط طواف و لوازم استمداد بجالایا اور تقریباً دو لاکھ نقد و جنس مجاوروں و دیگر مستحقین پر تقسیم کیا۔

اوائل رمضان سنہ 982ھ میں اکبر اجمیر شریف حاضر ہو کر لوازم زیارت و شرائط طواف بجالایا۔

سنہ 983ھ میں اکبر پھر اجمیر مقدس حاضر ہوا اور سلطان الہند کی زیارت سے مستفیض ہوا۔

17 ذیقعدہ سنہ 984ھ میں اکبر فتحپور سیکری سے روضہ غریب نواز کے طواف کی غرض سے اجمیر روانہ ہوا۔

4 ذی الحجہ بروز سہ شنبہ اجمیر سے 3 میل کے فاصلے پر مقام کیا۔ پھر وہاں سے پاپیادہ روانہ ہو کر آستانہ عالیہ پہنچا اور دس ہزار روپے خدام و مجاوروں کو عنایت کیے۔ اسی سال اکبر پھر اجمیر شریف گیا اور شکار کھیلتا ہوا دکن کی سرحد تک پہنچا اور وہاں سے فتحپور سیکری کا رخ کیا۔

اس کے بعد اکبر نے سنہ 985ھ اور سنہ 987ھ میں غریب نواز کے آستانے پر حاضری دے کر حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مزار کی زیارت کے لیے پنجاب روانہ ہوا۔

### شہباز خاں

آپ کا سلسلۂ نسب 26 واسطوں سے حضرت عبداللہ ابن زبیر تک پہنچتا ہے۔ آپ کے اجداد میں حاجی جمال الدین علیہ الرحمۃ عرب سے ہندوستان آ کر شیخ بہاؤ الدین ذکریا ملتانی کے مرید ہوئے۔ سنہ 985ھ میں اکبر نے آپ کی اور مرزا خان وقاسم کی سرکردگی میں اودے پور کی طرف فوج روانہ کی تھی اس نے کوبھل میر کو فتح کیا۔ سنہ 986ھ میں اودے پور فتح کیا اور سنہ 988ھ میں اکبر نے اجمیر کے سرکشوں کو زیر کرنے کے لیے آپ کو اجمیر بھیجا۔ سنہ 1008ھ آپ کا اجمیر میں وصال ہوا۔ چونکہ سرکار غریب نواز سے آپ کو عقیدت تھی۔ اس لیے آپ نے حضرت خواجہ کی درگاہ میں دفن کرنے کی وصیت کی تھی مگر خدام روضہ راضی نہ ہوئے۔ اور روضہ کے باہر آپ کو دفن کر دیا گیا۔ اسی شب حضرت سرکار غریب نواز نے منتظمین درگاہ کو عالم رویا میں تاکید فرمائی کہ شہباز خاں ہمارا دوست ہے اس کو شمال رویہ گنبد میں جگہ دو۔ چنانچہ صبح بہ منت وسماجت ان کی نعش قبر سے نکال کر اسی مقام پر دفن کی گئی جہاں کے لیے ارشاد فرمایا گیا تھا۔

جس وقت جہانگیر نے آستانہ غریب نواز پر حاضری دی مرزا محمد علی بیگ بھی حاضر دربار خواجہ ہوئے۔ ان کو شہباز خاں سے بڑی محبت تھی۔ شہباز خاں کی قبر کو دیکھ کر قبر سے لپٹ گئے اور کہنے لگے یہ ہمارا حقیقی دوست ہے اور اسی وقت وہ بھی جاں بحق تسلیم ہو گئے۔

### سلطان نور الدین جہانگیر

یہ بادشاہ تخت نشین ہونے کے بعد آٹھویں سال سنہ 1022ھ میں اجمیر روانہ ہوا۔ جب قلعہ اور عمارت خواجہ بزرگوار نظر آنے لگیں اور اجمیر تقریباً 3 میل کے فاصلے پر رہ گیا تو پیادہ پا روانہ ہوا اور فقراء ومساکین پر مال وزر تقسیم کرایا۔

### سلطان شہاب الدین شاہجہاں

شاہجہاں نے اپنے اکیس سال کے عہد حکومت میں پانچ مرتبہ آستانہ غریب نواز پر حاضری دی۔

### سلطان محی الدین اورنگ زیب

اورنگ زیب علیہ الرحمۃ نے اس وقت اجمیر شریف حاضری دی جب دارالشکوہ نے قلعہ تاراگڑھ پر مورچہ بندی کر کے عالمگیر کے لشکر سے مقابلہ کیا۔ 20 جمادی الثانی سنہ 1068ھ



حضرت سرکار غریب نواز کے آستانہ پر حاضر ہو کر مزار پر انوار کا طواف کیا اور پانچ ہزار روپیہ آستانہ عالیہ کے مجاورین پر تقسیم کیے۔

پھر 18 محرم الحرام سنہ 1090ھ میں حاضری دی اس کے بعد 29 شعبان سنہ 1090ھ میں حاضری دے کر حالات جہانگیری کی جانب سے مبلغ پانچ ہزار روپے نذر کیے پھر آخری بار ربیع الاول شریف سنہ 1091ھ وارد اجمیر ہوئے اور سب سے پہلے پاپیادہ آستانہ اقدس پر حاضری دی۔

### لارڈ کرزن وائسرائے ہندوستان

سنہ 1902ء میں لارڈ کرزن نے آستانہ غریب نواز پر حاضری دی۔ بلا تفریق مذہب و ملت غریب نواز کو مرجع خلائق دیکھ کر اس نے یہ لکھا: "میں نے ہندوستان میں ایک قبر کو شہنشاہی کرتے دیکھا۔"

### افغانستان امیر حبیب اللہ خاں

سنہ 1907ء میں آپ نے آستانہ غریب نواز کی حاضری کا شرف حاصل کیا۔ آپ درگاہ شریف میں چیف کمشنر اور دیگر حاکمان برطانیہ کے ساتھ حاضر ہوئے۔ متولی دیوان اور خدام صاحبان نے آپ کا استقبال کیا لیکن کسی طرف متوجہ نہیں ہوئے۔ پہلے سیدھے قبر شریف میں حاضر ہوئے اور دروازے بند کر دیے گئے اور سب کو اندر سے روک دیا گیا۔ آپ تقریباً ڈیڑھ گھنٹے تک گنبد شریف میں حاضر رہے۔ اس کے بعد متولی صاحب اور دیوان صاحب وغیرہم سے مصافحہ کیا اور ہمکلام ہوئے۔

### نواب حامد علی خاں والئی رامپور

جاورہ جاتے ہوئے اپنی اسپیشل ٹرین اجمیر کے اسٹیشن پر ٹھہروائی اور دربار غریب نواز میں حاضری دی۔ بیگمی دالان میں دروازہ کے سامنے دیر تک سر جھکائے روتے رہے۔ تقریباً ایک گھنٹہ اسی طرح آستانہ غریب نواز پر رو رو کر منت وسماجت کرتے رہے۔ نواب خواجہ محمد خاں صاحب جاگیردار دھولپور بھی نواب رامپور کے ساتھ تھے۔ اگرچہ نواب حامد علی خاں اہل تشیع سے تھے بایں ہمہ آستانہ غریب نواز کے عقیدت کیش تھے۔

### میر عثمان علی خاں نظام حیدر آباد دکن

16 نومبر سنہ 1912ء میں آپ نے آستانہ غریب نواز پر حاضری کی سعادت حاصل کی۔ غرباء و مساکین کو کھانا کھلوایا یہ لنگر عام تھا۔ ہزار ہا روپے وہاں تقسیم کیے اور ایک عظیم الشان صدر دروازہ تعمیر کرنے کا حکم دیا۔

پھر آپ نے دوبارہ 3 نومبر سنہ 1912ء میں حاضر دربار ہوئے۔ اس وقت دروازہ (عثمانی گیٹ) زیر تعمیر تھا۔ جامع مسجد اور گنبد شریف کے اندرونی حصے کی آپ نے مرمت کرائی۔ سنگ مرمر کی اگروائی اور مرمریں چراغ دان تعمیر کرایا۔ دونوں جھالروں کو ایک کرایا۔ مزار شریف کے بائیں جانب چاندی کی تختی پر سونے کے حروف میں لکھا ہوا ذیل کا شعر آپ ہی کا نذر کردہ ہے:

گر بگورم بخاطر پاک تو باک نیست
خاشاک ہیں کہ برسر دریا گذر کند

گنبد شریف کے اندر ہر ایک شمع دان میں ایک ایک موم بتی آپ ہی کی طرف سے روشن ہوتی تھی روزانہ ایک وقت دلیہ کا لنگر اور ایام عرس میں دو دیگیں بھی آپ کی طرف سے پکائی جاتی تھیں۔ اب سنہ 1947ء سے یہ سلسلہ بند ہے۔

### مہاراجہ گوبند سنگھ والی ریاست دیتا

آستانہ عالیہ پر حاضر ہو کر عطر میں بسی ہوئی پھولوں کی چادر اپنے سر پر رکھ کر مزار شریف پر پیش کی۔ اپنی بحالی کی دعا مانگی اور غریب نواز کے فیض بخشیوں سے کامیاب و بامراد ہوئے۔

### مہاراجہ سرکشن پرشاد صدر اعظم دولت آصفیہ حیدر آباد دکن

23 دسمبر سنہ 1924ء مع اہل و عیال دربار خواجہ میں حاضر ہوئے۔

مہاراجہ سرکشن پرشاد شاعر بھی تھے اور شاد تخلص تھا۔ چنانچہ سرکار غریب نواز کے آستانہ پر حاضر ہو کر حسب ذیل قطعات بھی کہے۔

## قطعات

جھکتے ہیں شاہوں کے سر خواجہ وہ سرکار ہے　　ہیں ملک دربار وہ شاہ چشت کا دربار ہے
شاد کیا پرواہ ہو بال ہما کی تجھ کو اب　　خواجہ اجمیر کا تو مورچھل بردار ہے



مورچھل جھلنے کی خدمت مل گئی　　شاد کو دنیا کی عزت مل گئی
بارگاہ خواجہ اجمیر سے　　لوکلیہ گنج قسمت مل گئی

ہند کے سلطان تم ہو مصطفیٰ کا واسطہ　　پنجتن کا واسطہ آل عبا کا واسطہ
شاد اس در کا ہے سائل دیجئے دل کی مراد　　یا معین الدین اجمیری خدا کا واسطہ

### آنجہانی پنڈت جواہر لال نہرو

سنہ 1945ء میں آستانہ غریب نواز پر حاضری دی۔ غلام حسین عرف طوطی قوال سے درگاہ معلی میں قوالی سنی۔ دوسری مرتبہ فسادات اجمیر کے زمانہ سنہ 1947ء میں حاضر آستانہ ہوئے۔ اس موقع پر پنڈت جی نے تقریر کی اور عمارات درگاہ کی حفاظت کا انتظام کیا۔

### سردار عبد الرب نشتر گورنر پنجاب

سنہ 1946ء میں آستانہ غریب نواز پر حاضری دی۔

### راجگو پال آچاریہ سابق گورنر جنرل بھارت

9 فروری سنہ 1949ء میں خواجہ غریب نواز کے آستانہ گرامی پر حاضر ہوئے۔

### کری آپا کمانڈر انچیف

20 نومبر 1950ء حاضر دربار ہوئے۔

### ڈاکٹر راجندر پرشاد سابق صدر جمہوریہ بھارت سرکار

13 فروری سنہ 1951ء میں حاضر آستانہ سرکار غریب نواز ہوئے۔

اگر اس فہرست کو طول دیا جائے تو بجائے خود ایک مستقل کتابچہ کی حیثیت ہو جائے گی۔ ویسے اپنے اپنے عصر میں شہزادہ دارالشکوہ، سلطان غیاث الدین، سلطان مانڈو، شہزادہ شجاع اور شہزادہ فرخ سیر یہ بھی آستانہ خواجہ کے نیاز مند و عقیدت کیش رہے۔

والئی ریاست ٹونک، والئی ریاست جاورہ، والئی ریاست کورائی وغیرہ بھی نیاز مندوں میں رہے۔

ملک کے ممتاز لوگوں میں آزادی ہند کے ہیرو گاندھی جی، مولانا محمد علی جوہر، مولانا حسرت موہانی،

جگر مرادآبادی، جوش ملیح آبادی، قاضی عبدالغفار وغیرہ بھی آستانہ غریب نواز پر حاضر ہو چکے ہیں۔

اہلسنت کے امراء، غرباء، علماء اور مشائخ کا کہنا ہی کیا، سال بہ سال لاکھوں کی تعداد میں حاضر دربار ہو کر اپنی مخلصانہ عقیدت کیشی کا برملا مظاہرہ کرتے ہیں۔

خدا سلامت رکھے میرے بھائی مولانا سید عبدالحق صاحب اور مخدومی شیخ طریقت مولانا غلام آسی صاحب ابوالعلائی کو جن کے ساتھ غریب نواز کے شیدائیوں کا ایک قافلہ اترتا ہے......

اب ایک خالص معاشی اور سیاسی حاضری کا ذکر کر کے اپنی گفتگو ختم کیے دیتا ہوں۔

سنہ 1947ء کے بعد صدر دیوبند مولوی حسین احمد ٹانڈوی نے بھی آستانہ غریب نواز پر حاضری دی تھی تاکہ اوقاف سے متعلق جمیعۃ العلماء ہند کو اپنی غاصبانہ پالیسی کی تائید و حمایت حاصل ہو سکے۔

2005ء میں صدر پاکستان جنرل پرویز مشرف نے اہل خانہ کے ہمراہ دربار خواجہ غریب نواز پر حاضری دی۔ اس حاضری کیلئے صدر پاکستان نے خصوصی طور پر ہندوستان کی حکومت کی پیغام بھیجا تھا



# معمولات و مراسم درگاہ

روزانہ صبح

فجر کی نماز سے تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ قبل عقیدت کیشان خواجہ روضہ مبارک کے مشرقی دروازہ کے سامنے جمع ہوتے ہیں، یہ وقت گنبد شریف کے دروازے کے کھلنے کا ہوتا ہے۔ دروازہ کھلنے سے پہلے ایک خادم دروازے کے روبرو کھڑے ہو کر اذان دیتا ہے۔ اس کے بعد کلید بردار دروازہ کھولتا ہے۔

خدام مزار پر انوار کے قریب پہنچ کر مور چھل سے تربت شریف صاف کرتے ہیں، روضہ مبارک کے پھول بدل کر تازہ پھول چڑھاتے ہیں اور لوبان سلگاتے ہیں۔ اس کے بعد زائرین حاضر ہو کر سلام عرض کرتے ہیں بعدہ فاتحہ خوانی کی رسم ادا کرتے ہیں۔

تھوڑی دیر بعد نماز فجر کا وقت ہو جاتا ہے۔ مساجد درگاہ میں اذانیں ہوتی ہیں۔ نماز سے فارغ ہوتے ہی زائرین کا ہجوم پرے کا پرا باندھ کر حاضر ہونے لگتا ہے اور اس وقت سے نماز عشاء کے ایک گھنٹہ بعد تک زائرین کی یہی کیفیت رہتی ہے۔ نماز فجر ہونے کے بعد شاہجہانی دروازہ اور عثمانی دروازہ پر روزانہ نوبت بجتی ہے۔

ظہر کی نماز کے بعد

عثمانی دروازہ پر نوبت بجتی ہے۔ پہلے اس موقع پر نظام کی طرف سے قوالی بھی ہوتی تھی۔ ظہر کے بعد خدام روضہ مبارک کی خدمت کرتے ہیں۔ نیز پھول اور صندل پیش کرتے ہیں۔

## مغرب سے پہلے

مغرب سے پندرہ منٹ پہلے روشنی کی اطلاع کا ڈنکا بجتا ہے۔اس موقع پر خصوصیت سے لوگ حاضر ہوتے ہیں۔قبہ مبارکہ میں روشنی کرنے کے لیے خدام صاحبان مخصوص طور سے بنی ہوئی موم بتیاں لے جاتے ہیں۔لوگ حصول برکت کی خاطر ان بتیوں کو اپنے سروں پر رکھواتے ہیں اس خصوصی حاضری میں لوگ فاتحہ پڑھ کر بوسیلہ خواجہ غریب نواز دعائیں مانگتے ہیں اور یہ شعر بآواز بلند پڑھا جاتا ہے

الٰہی تا بود خورشید و ماہی
چراغ چشتیاں را روشنائی

مغرب سے تھوڑی دیر پہلے روضہ مبارکہ اور تمام درگاہ میں موم بتی اور برقی روشنی ہو جاتی ہے۔

## نماز عشاء کے بعد

بیگمی دالان کے روبرو صحن میں شاہی چوکی اور پائیں دروازہ کے سامنے ضامن علی شاہ والی چوکی تقریباً ایک گھنٹہ قوالی کی خدمات بجالاتی ہیں۔

اس وقت بھی درگاہ معلی میں کافی مجمع رہتا ہے۔قوالی شروع ہونے کے آدھے گھنٹہ بعد پائیں شریف کا دروازہ بند ہو جاتا ہے اور ایک گھنٹہ بعد قبہ شریف کا دروازہ بھی معمور ہو جاتا ہے اور قوالوں کی شاہی چوکی کھڑے ہو کر ''کڑکا'' پڑھتی ہے (ایک پرانا خاص قسم کا کلام ہے جس میں غریب نواز کی تعریف ومنقبت ہے)

## جمعرات

ویسے تو ایام عرس کے علاوہ بھی زائرین کے قافلے اترتے رہتے ہیں لیکن پنجشنبہ کو خصوصیت سے مجمع زیادہ ہوتا ہے۔بعد مغرب حاضر کی تعداد بڑھنے لگتی ہے۔بیگمی دالان کے روبرو فرش بچھایا جاتا ہے۔فاتحہ اور قوالی کا دستور کے مطابق ایک خصوصی اہتمام کیا جاتا ہے۔

## چھٹی شریف

چونکہ سیدی سرکار غریب نواز کی تاریخ وصال 6 رجب المرجب ہے۔اس لیے چاند کی ہر چھٹی تاریخ کو درگاہ معلی میں خواجہ غریب نواز کی فاتحہ ہوتی ہے۔صبح کے وقت خدام آستانہ کی



طرف سے قرآن خوانی اور فاتحہ کی رسم ادا کی جاتی ہے اور شب پنجشنبہ کی طرح محفل سماع بھی منعقد ہوتی ہے مگر محفل پنجشنبہ کی طرح چھٹی کی محفل کے آخر میں فاتحہ نہیں ہوتی 'البتہ اگر جمعرات اور چھٹی ایک دن ہوں تو دو مرتبہ فاتحہ ہوتی ہے اور دونوں تقاریب کی شرینی بھی علیحدہ علیحدہ تقسیم کی جاتی ہے۔

آج بھی غریب نواز کے ان گنت و بے شمار شیدائی اپنی اپنی جگہوں پر چاند کی ہر چھٹی تاریخ کو سرکار غریب نواز کی رسم چھٹی ادا کرتے ہیں۔میرے محترم بھائی سیٹھ ابراہیم لکڑی والے بمبئی بڑی عقیدت کیشی سے اس کے پابند ہیں۔شیخ طریقت مولانا الحاج غلام آسی صاحب اور پیر طریقت مولانا سید عبدالحق صاحب سفر وحضر میں بالالتزام اس کی پابندی کرتے ہیں۔راقم الحروف نے بھی دارالعلوم غریب نواز کے دستور میں اسے شریک کرلیا ہے۔

ناظرین سے گزارش ہے کہ غریب نواز کی چھٹی حصول خیر وبرکت کا بہترین ذریعہ ہے۔ حتی الوسع اس رسم سعید کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔

## عرس شریف

فقراء اور درویش تو اوائل جمادی الثانی ہی سے پہنچنے لگتے ہیں۔درگاہ کی عمارات میں چونا کاری شروع ہو جاتی ہے۔25 جمادی الثانی کو بلند دروازہ پر جھنڈا لگا دیا جاتا ہے اسی تاریخ سے خدام آستانہ روزانہ مزار شریف کو غسل دینا شروع کر دیتے ہیں۔رجب کا چاند ہوتے ہی مخصوص مراسم شروع ہو جاتے ہیں۔

درگاہ میں شادیانے بجتے ہیں اور توپ (توپ نما آہنی نال) کی سات سلامیاں دی جاتی ہیں۔اپنے اپنے مقررہ مقامات پر خدام آستانہ کی گدیاں اور فرش بچھ جاتے ہیں۔جنتی دروازہ کھل جاتا ہے۔سماع خانہ میں روزانہ محفل سماع کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔یہاں اندرونی حصے میں فرش بچھتا ہے۔صدر مقام پر نقرئی چوبوں کا شامیانہ لگایا جاتا ہے۔دوران محفل سماع میں کسی کو جوتہ لے جانے اور مستورات کو محفل خانہ میں داخل ہونے کی ممانعت ہے۔

## محفل قل شریف

6 رجب دن کے آٹھ نو بجے کے درمیان سماع خانہ شاہجہانی مسجد' صندل مسجد وغیرہ میں قرآن خوانی شروع ہو جاتی ہے'لوگ اس میں بہت کثرت سے شامل ہوتے ہیں۔دس گیارہ بجے

کے درمیان محفل سماع شروع ہو جاتی ہے اور دن کے ڈیڑھ بجے کے قریب فاتحہ ہوتی ہے اس موقع پر جب سرکار غریب نواز کا نامی اسم گرامی آتا ہے تو چوبداران چوبیں اونچی کر لیتے ہیں۔ سات توپوں کی سلامی ہوتی ہے۔ بہت سے لوگوں پر گریہ طاری ہو جاتا ہے۔ نعرے لگائے جاتے ہیں۔ جگہ جگہ لوگوں پر عرق گلاب چھڑکا جاتا ہے۔ اسے قل کا چھینٹا کہتے ہیں۔ رفاعی اور دوسرے سلسلہ کے مشائخ و فقراء نعرے لگاتے ہوئے سماع خانہ میں آ کر گدیلہ پر بیٹھتے ہیں جہاں ان کے معاملات کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔

قل کے بعد سے غریب نواز کے مہمان آہستہ آہستہ رخصت ہونے لگتے ہیں۔

## غسل شریف

9 رجب صبح 6 اور 7 بجے کے درمیان غسل شروع ہو جاتا ہے۔ مزار مبارک کو عرق کیوڑہ اور گلاب سے غسل دیا جاتا ہے۔ ہزار ہا ہزار زائرین پانی کی مشکیں خرید کر خود جھاڑو سے فرش درگاہ کو دھوتے ہیں۔ جنتی دروازے پر خواجہ کے شیدائیوں کا ہنگامہ دیکھنے کے قابل ہوتا ہے ہر شخص ایسے ہی لپکتا ہے جیسے پروانہ شمع پر۔ اکثر لوگوں کے ہاتھ میں عرق کیوڑہ اور گلاب کی شیشیاں ہوتی ہیں۔ غسل آستانہ مراسم عرس کی ایک قابل دید رسم ہے۔ چھوٹے بڑے امیر و غریب صوفی اور درویش سب ایک صف میں ہوتے ہیں۔ ابتداء اپنے ہاتھ میں جھاڑو لیے رہتے ہیں پھر جیسے جیسے نشۂ محبت بڑھتا جاتا ہے ویسے ویسے بےخودی اور وارفتگی اپنی جگہ بناتی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ شیروانی' کوٹ' عبا' قمیض و کرتا کے دامن اور پلکوں سے آستانہ کی صفائی کی جاتی ہے۔ 45 منٹ سے زائد کا یہ روح پرور منظر عشق و محبت کی ایک زندہ تصویر بن جاتا ہے۔

پہلے تو یہ فرش پانی' عرق گلاب اور کیوڑہ سے صاف کیا جاتا ہے۔ پھر آخر میں آنکھوں سے ساون بھادوں کی جھڑی لگ جاتی ہے۔ گریہ و نالہ کے شور سے کوئی آواز سنائی نہیں دیتی۔

سنائے اپنی بربادی کے افسانے کہاں جاتے
ترا در چھوڑ کر خواجہ یہ دیوانے کہاں جاتے
(عرشی)



# عمارات درگاہ

دور ہو کر بھی پاس ہے کوئی
اہتمام نظر کو کیا کہیے

دارالخیر شہر اجمیر کے گوشہ مغرب و جنوب میں لب جھالرہ سیدی سرکار سلطان الہند معین الدین حسن سنجری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی درگاہ معلی زیارت گاہ خلائق ہے، جو نہ صرف ہندوستان بلکہ پوری ملت اسلامیہ کی مرکز عقیدت ہے۔

آستانہ کی اندرونی عمارات ایک وسیع رقبہ میں تین بڑے احاطوں پر مشتمل ہیں۔ احاطہ سولہ کھمبہ بھی انہیں سے ملحق ہے۔

۱) احاطہ نقار خانہ!

یہ احاطہ عثمانی دروازہ' شاہجہانی دروازہ' بلند دروازہ اور اکبری مسجد وغیرہ پر مشتمل ہے۔

۲) احاطہ صحن چراغ!

اس احاطہ میں سماع خانہ' وسیع صحن' لنگر خانہ اور حجرے وغیرہ ہیں۔

۳) احاطہ آستانہ!

اس احاطہ میں روضہ منورہ' شاہجہانی مسجد' صندلی مسجد' اولیاء مسجد' قبور اور حجرے وغیرہ ہیں۔ جھالرہ اور احاطہ چار یاری کا بھی اسی احاطہ سے الحاق ہے۔

احاطہ عمارات سولہ کھمبہ!

اس قطعہ میں شیخ حسین اجمیری اور غریب نواز کے دیگر حضرات آسودہ ہیں۔

حدود رابعہ، چوحدی

درگاہ کے شمال میں درگاہ بازار' جنوب میں جھالرہ' مغرب میں سڑک ترپولیہ دروازہ اور مشرق میں گلی لنگر خانہ ہے۔

درگاہ شریف کے 21 دروازے ہیں۔ یہ شہر کے مختلف حصوں کو درگاہ سے ملاتے ہیں۔

## احاطہ اول نقار خانہ

عثمانی دروازہ یا نظام گیٹ

بیرونی زائرین عموماً اسی دروازے سے داخل ہوتے ہیں۔ درگاہ شریف کا یہ فلک بوس شمال رویہ دروازہ بجانب درگاہ بازار واقع ہے۔ میر عثمان علی خاں سابق والی دکن نے سنہ 1330ھ میں حاضر ہو کر شاہانہ گیٹ تعمیر کرانے کی سعادت حاصل کی۔ تقریباً پچاس ہزار روپے اس کی تعمیر میں صرف ہوئے۔ محراب دروازہ کی چوڑائی 16 فٹ' لمبائی مع دو رویہ دالان 72 فٹ' بلندی تقریباً 70 فٹ ہے۔ دروازے کے اوپر نقار خانہ ہے۔ یہاں پنجوقتہ نوبت مع شہنائی بجائی جاتی ہے اور ہر گھنٹہ گھڑیال بھی بجتا ہے۔

منجانب نظام حیدر آباد دکن ایک منتظم' دو چپراسی' دو گھڑیالی چھ شہنائی نواز اور آٹھ نقارچی وغیرہ مامور ہیں جس کا صرفہ تقریباً پانچسو روپیہ ماہوار ہے۔

کلمہ دروازہ

شاہجہاں نے سنہ 1047ھ میں بطور نذر عقیدت اس کی تعمیر کرائی تھی اس لیے اس کو شاہجہانی دروازہ کہا جاتا ہے۔ محراب دروازہ کی پیشانی پر بخط جلی سنہری حروف میں کلمہ شریف لکھا ہے۔ لہٰذا اس کو کلمہ دروازہ بھی کہتے ہیں۔ دروازہ پر آب زر سے یہ شعر مرقوم ہے۔

بعہد شاہجہاں بادشاہ دیں پرور
زدود ظلمت کفر آفتاب دیں یکسر

اکبر بادشاہ نے رمضان سنہ 983ھ میں بنگال فتح کرنے کے بعد دو نقارے داؤدی درگاہ



شریف میں پیش کیے تھے جو اب اس دروازہ پر رکھے ہوئے ہیں اور ایک بڑا نقار خانہ قلعہ چتوڑ میں تھا۔ آٹھ یا دس فٹ اس کا قطر ہے۔ کوسوں تک اس کی آواز پہنچتی تھی۔ جب چتوڑ کا رئیس سوار ہوتا تھا یا قلعہ میں داخل ہوتا تھا۔ اس وقت یہ بجتا تھا تا کہ دور دور تک خبر ہو جائے۔

اکبری مسجد

یونانی شفاخانہ کے متصل ایک بلند زینہ پر اکبری مسجد کا رفیع الشان دروازہ ہے۔ اکبر نے اس مسجد کی تعمیر کا حکم اس وقت دیا تھا' جب جہانگیر کی ولادت کے چھ ماہ بعد اظہار تشکر و نیاز کے لیے شعبان سنہ 977ھ میں حاضر دربار خواجہ ہوا تھا۔

محراب مسجد 56 فٹ بلند ہے۔ گنبد کے گوشوں پر مرمریں مینار ہیں۔ صحن مسجد میں ایک ہشت پہل حوض تھا جو اب مٹی سے پر کر دیا گیا ہے۔

بلند دروازہ

یہ دروازہ سنگ سرخ سے تعمیر ہوا ہے لیکن اب اس کی سرخی پر چونا کاری کے باعث سفیدی آ گئی ہے۔ اس کی بلندی 85 فٹ ہے، اس کا فرش سنگ مرمر اور سنگ موسیٰ کا ہے۔ محراب میں تین گولے طلائی زنجیروں میں آویزاں ہیں۔ برجیوں پر ڈھائی فٹ لمبے سنہری کلس ہیں۔ دروازہ میں شمال جانب تین تین درجہ کی دو چھتریاں ہیں' اوپر چڑھنے کے لیے دو طرفہ زینے ہیں چونکہ یہ درگاہ شریف کی تمام عمارات سے بلند ہے اس لیے اس کو بلند دروازہ کہتے ہیں۔ مورخین کا رجحان یہ ہے کہ اس کی تعمیر سلطان غیاث الدین کے عہد سنہ 1469ء تا غایت سنہ 1500ء میں ہوئی۔

## احاطہ دوم صحن چراغ

بڑی دیگ

یہ دیگ اکبر بادشاہ نے سنہ 974ھ میں پیش کی تھی۔ چتوڑ پر فوج کشی کے وقت اس نے منت مانی تھی کہ بعد فتح پا پیادہ اجمیر حاضر ہو کر ایک بڑی دیگ دربار خواجہ میں پیش کروں گا۔ چنانچہ فتحیابی کے بعد اکبر پا پیادہ سفر کر کے بتاریخ 7 رمضان سنہ 974ھ بروز یکشنبہ اجمیر پہنچ کر خواجہ بزرگ کے آستانہ پر نذر و نیاز کے لیے تیار کرائی۔

بقول "احسن السیر" اس میں سو من چاول پکتے ہیں مگر بقول کرنل براٹن اس میں ستر من

چاول پک سکتے ہیں۔

### چھوٹی دیگ

سلطان نورالدین جہانگیر نے یہ دیگ آگرہ میں تیار کرائی۔ آستانہ غریب نواز پر حاضر ہو کر اس میں کھانا پکوایا اور پانچ ہزار فقراء و مساکین کو اپنے سامنے کھانا کھلوایا۔ دیگ کی تیاری کی تاریخ حسب ذیل ہے:

بدنیا باد دائم نعت دیگ جہانگیری

1022ھ

28 یا 80 من چاول اس میں پک سکتے ہیں۔

### صحن چراغ

بلند دروازے سے گزر کر ایک وسیع صحن آتا ہے اس میں پیش بلند دروازہ ایک گنبد نما ہشت پہل خوبصورت چھتری بنی ہوئی ہے۔ اس میں متعدد چراغوں کا حامل ایک چراغ دان ہے اس لیے یہ صحن چراغ کہلاتا ہے۔ مشہور ہے کہ اس کو اکبر بادشاہ نے پیش کیا تھا۔

### محفل خانہ

نواب بشیر الدولہ مدار المہام دولت آصفیہ نے اپنے فرزند معین الدولہ کی ولادت پر اسے تعمیر کرایا۔ موصوف نے دربار خواجہ میں فرزند ہونے کی منت مانگی تھی۔ خدا نے انہیں اسی سال اسی سال کی عمر میں بیٹا دیا۔ مراد پوری ہونے پر بطور اظہار تشکر اسی ہزار روپے کے صرفہ سے یہ رفیع الشان مجلس خانہ تعمیر کرایا۔ یہ عمارت 46 فٹ مربع ہے۔

### خانقاہ

یہ عمارت محفل خانہ کے جانب مغرب ہے۔ محفل خانہ کی مغربی دیوار میں ایک دروازہ ہے۔ جس سے خانقاہ کا راستہ ملتا ہے۔

بعد وصال سیدی سرکار غریب نواز کو یہیں غسل دیا گیا ہے۔ اس کی تعمیر کے متعلق اکبر نامہ جلد دوم صفحہ 44 پر ابوالفضل نے لکھا ہے:

اصل عبارت:



عمارات عالی بناز مسجد و خانقاہ و دراں حوالی لمع انداختہ

ترجمہ:

(اکبر نے) ایک مسجد اور اس کے متصل خانقاہ تعمیر کرائی۔

خانقاہ میں رجب کی پانچ تاریخ سہ پہر کے وقت سالانہ محفل ہوتی ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہاں سرکار غریب نواز کے اہل خانہ رہتے تھے۔

### حوض و حمال خانہ

محفل خانہ کے سامنے گوشۂ مشرق و جنوب میں ایک حوض اور ایک سبیل ہے' اس حوض کی چھتری "ملکہ مری" (اہلیہ جارج پنجم) کی جانب سے تعمیر ہوئی۔ سنہ 1911ء میں ملکہ نے دربار خواجہ میں حاضری دی اور اس موقع پر درگاہ میں کوئی یادگار قائم کرنے کے لیے پانچسو روپے دیے تھے۔ درگاہ کے خزانے سے مزید روپیہ ملا کر یہ چھتری تیار کرائی گئی۔

### لنگر خانہ

صحن چراغ کے مشرق میں ٹین کے سائبان کے نیچے لنگر خانہ کا پھاٹک ہے اس پھاٹک سے گزر کر ایک مختصر صحن اور دالان ہے۔ دالان میں ایک لوہے کا بہت بڑا کڑھاؤ ایک بڑے چولھے پر رکھا ہے۔ اس میں روزانہ جو کی دلیہ پکتی ہے اور غرباء پر تقسیم کی جاتی ہے۔ اس لنگر خانہ کو اکبر بادشاہ نے غرباء و مساکین کی آسائش کے لیے تعمیر کرایا تھا۔

### تاریخی چھتری

صحن لنگر خانہ میں پرانے زمانے کی ایک خوبصورت چھتری ہے' یہ اس واقعہ کی یادگار ہے جب اکبر بادشاہ اس مقام پر لنگر لینے آیا تھا اور اس کا پیالہ ٹوٹ گیا تھا۔ اسی سال اس تاریخی یادگار کو مسخ کر کے حجرہ بنا دیا گیا ہے۔

## احاطہ سوم درگاہ شریف

### احاطہ چمیلی

احاطہ صحن چراغ کی جنوبی دیوار میں احاطہ درگاہ شریف میں جانے کے لیے دو دروازے ہیں۔ ایک دروازہ سماع خانہ کی دیوار سے ملا ہوا ہے۔ اس دروازے سے احاطہ درگاہ میں داخل

ہونے کے بعد داہنی طرف سولہ کھمبہ میں جانے کا راستہ ہے اور بائیں ہاتھ پر مختصر سا احاطہ چمیلی پتھر کی جالیوں میں گھرا ہوا ہے۔ احاطہ کے اندر چند متبرک مزارات ہیں اور حال کے بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے۔ یہ مزارات خواجہ بزرگ کی ازواج کے ہیں اور یہ چمیلی والی بیوی کے نام سے مشہور ہیں۔

لیکن صاحب احسن السیر کا کہنا ہے کہ مسجد صندل خانہ کی شمالی دیوار کے متصل (احاطہ چمیلی میں) حضرت رفیع الدین بایزید خورد کا مزار ہے۔ ان مزارات پر چمیلی کی بیل چھائی رہتی ہے۔

شاہجہانی مسجد

یہ مسجد روضہ مبارکہ کے مغرب میں شاہجہاں کی بنوائی ہوئی ہے۔ شاہجہاں بعہد شہزادگی اودے پور فتح کرکے جب زیارت کیلئے اجمیر حاضر ہوا اس وقت اس نے ایک وسیع مسجد بنوانے کا خیال کیا۔ جب وہ تخت نشین ہوا تو اس مسجد کی تعمیر کا حکم دیا۔ جس پر دو لاکھ چالیس ہزار روپے خرچ ہوئے۔ مسجد کا طول 97 گز شرعی اور عرض 27 گز شرعی ہے۔ تاریخ تعمیر حسب ذیل ہے:

قبلۂ اہل زماں شد مسجد شاہجہاں

1407ھ

عہد شاہجہانی کے ملک شعراء ابو طالب حکیم ہمدانی نے حسب ذیل مصرع سے تاریخ تعمیر نکالی ہے۔

کعبۂ حاجات دنیا مسجد شاہجہاں

1047ھ

مسجد نفیس سنگ مرمر کی بنی ہوئی ہے۔ اندرون وسط محراب میں سنہری حروف میں کلمہ طیب لکھا ہوا ہے۔ سنہ 1261ھ میں جب تبرکات نبوی دہلی سے لاکر یہاں رکھے گئے اس وقت کلمہ اور محراب سے آب خنک (معین الارواح ص 351) رسنے لگا تھا۔ بعض لوگ اسے اشک افشانی سے تعبیر کرتے ہیں۔

جب اس مسجد میں نماز جمعہ ہوتی ہے تو چار توپیں (توپ نما نال) داغی جاتی ہیں۔ ایک بوقت ادائیگی سنت دوسری خطبہ کے وقت تیسری بوقت اقامت چوتھی سلام کے بعد۔



چلہ بابا فرید گنج شکر علیہ الرحمۃ والرضوان

اس مقام پر بابا فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے چلہ کشی کی تھی۔ صندلی مسجد کے پیچھے اس کا دروازہ ہے۔ کہا جاتا ہے۔ پہلے سرکار غریب نواز کے خادم مزار کا یہی راستہ تھا جواب مدت دراز سے وہاں تک پہنچنے کا راستہ بند کر دیا گیا ہے۔ چلہ کا دروازہ ہمیشہ مقفل رہتا ہے مگر ہر سال ماہ محرم کی پانچ تاریخ کو کھلتا ہے۔ پانچویں محرم کو بھی لوگ دور دراز سے بغرض زیارت حاضر ہوتے ہیں۔

جنتی دروازہ

اس دروازہ کو "کی" دروازہ بھی کہتے ہیں۔ اس کے کیواڑوں پر چاندی کا پتر چڑھا ہوا ہے۔ یہ دروازہ عیدین اور حضرت خواجہ غریب نواز و حضرت عثمان ہارونی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے عرس کے موقع پر کھلتا ہے۔

چار یاری

شاہجہانی مسجد کے جنوبی دیوار سے ملحق حوض کے متصل احاطہ چار یاری میں جانے کا ایک چھوٹا سا دروازہ ہے۔ اس احاطہ میں ایک وسیع قبرستان ہے جس میں مولانا محمد حسین الہ آبادی اور بعض دوسرے بزرگوں کے مزارات ہیں۔ آپ کا وصال محفل سماع میں اس شعر پر ہوا

گفت قدوی فقیر در فناء و در بقا
خود بخود آزاد بودی خود گرفتار آمدی

حوض جامع مسجد

جامع مسجد کے متصل ایک خوشنما حوض ہے۔ یہ ہمیشہ پانی سے بھرا رہتا ہے۔ اس حوض کے پانی پر سائبان نہیں ہے۔ اس حوض کے متصل اکثر بہشتی بھری مشکیں لیے موجود رہتے ہیں۔ زائرین انہیں پیسے دے کر حوض میں پانی ڈلواتے ہیں۔

جھالرہ

درگاہ شریف کے جنوب میں ایک گہرا چشمہ جھالرہ کے نام سے مشہور ہے۔ درگاہ شریف اور شہر کے بعض محلے اس سے پانی لیتے ہیں۔ درگاہ سے ایک وسیع زینہ اس میں جانے کا ہے' بہشتی

اسی زینہ سے پانی بھر کر لاتے ہیں' دوسرا زینہ سے پانی بھر کر لاتے ہیں' دوسرا زینہ اس میں سولہ کھمبے کی طرف سے بھی ہے' تیسرا زینہ مقبرے کے قریب سے ہے۔ جھالرہ کی مضبوط چہار دیواری شاہجہاں کی بنوائی ہوئی ہے۔

شاہی گھاٹ

لب جھالرہ ارکاٹی دالان اور حوض کے درمیان صحن کا نام شاہی گھاٹ یا سایہ گھاٹ ہے اس صحن میں سنگ مرمر کی چھتری میں غریب نواز کے صاحبزادے حضرت خواجہ ابو سعید کا مزار ہے۔ اس چھتری کے پائیں میں ایک دوسری مرمریں چھتری کے اندر حضرت خواجہ کے برادر نسبتی آرام فرما ہیں (سیر الاولیاء ص 277) مگر بقول احسن السیر (ص 120) "یہ مزار حضرت خواجہ کے خلف خورد خواجہ ابو صالح (خواجہ حسام الدین) کا ہے۔"

ارکاٹی دالان

سایہ گھاٹ کے متصل روزہ منورہ کے پائیں جانب ارکاٹی یا کرناٹکی دالان ہے۔ اس میں تین در بجانب روضہ منورہ ہیں' سنگ سپید کی خوبصورت عمارت ہے۔

پردہ نشین مستورات کے عبادت خانے

روضہ منورہ کے پائیں دروازے ہر دو جانب کرناٹکی دالان کے سامنے سنگ مرمر کے دو چھوٹے سے احاطے ہیں۔

بقول سیر الاولیاء ص 276 ان میں سے جو مزار بی بی حافظہ جمال کے پائیں میں ہیں' اس میں خواجہ معین الدین خورد خواجہ قیام الدین باہر یال کے مزارات ہیں لیکن صاحب "احسن السیر" نے ان مزارات میں شیخ بدہ مخاطب سید الملک کے مزار کا اضافہ کیا ہے اور ان حضرات کو نبیرہ گان خواجہ بزرگ میں شمار کیا ہے۔

دالان حاجی وزیر علی خادم درگاہ

ارکاٹی دالان اور سبیل سے ملحق یہ دو دالان حاجی وزیر علی خادم درگاہ نے بنوائے ہیں۔ ان پر مندرجہ ذیل کتبے آویزاں ہیں:



## نقل کتبہ دالان متصل ارکاٹی دالان

"یہ عمارت بغرض آسائش زائرین حضرت خواجہ غریب نواز بیادگار قبلہ حاجی سید مردان علی مرحوم مغفور بصرفہ خاص خاک نشین آستانہ عالیہ حاجی سید وزیر علی خادم حضرت خواجہ تعمیر ہوئی۔ جمادی الاوّل سنہ 1355ھ"

## نقل کتبہ دالان متصل سبیل

"یہ عمارت بغرض آسائش زائرین حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ بیادگار قبلہ و کعبہ سید حافظ فتح محمد صاحب و محترمہ و مخدومہ والدہ صاحبہ بصرف خاص خاک نشین آستانہ عالیہ حاجی سید وزیر علی ربیع الاوّل سنہ 1360ھ میں تعمیر ہوئی۔"

مقبرہ شاہ قلی خاں

یہ مقبرہ جھالرہ کے مشرق میں ہے۔ محرم کی 7 تاریخ کو یہاں تعزیہ رکھا جاتا ہے اس لیے اس کو امام باڑہ بھی کہتے ہیں۔

سبیل خواجہ سنجری

یہ سبیل حاجی وزیر علی صاحب مرحوم درگاہ شریف نے تعمیر کرائی تھی۔ ربیع الاوّل سنہ 1360ھ میں تعمیر ہوئی۔

چھتری دروازہ

سبیل کے قریب درگاہ شریف کے جنوبی سمت بیرونی زائرین کی زیادہ آمد و رفت اسی دروازہ سے رہتی ہے۔ ایام عرس میں یہ دروازہ شب بھر کھلا رہتا ہے۔ خدام صاحبان میں جب کوئی موت ہو جاتی ہے تو مرنے والوں کے رشتہ دار یہاں آ کر بیٹھتے ہیں۔

کھڑکی دروازہ

جانب مشرق ہے اس کے ہر دو جانب حجرے اور سہ دریاں وغیرہ بنی ہوئی ہیں' اسی دروازے کے بائیں ہاتھ پر مخدومی سید نور محمد نذر محمد صاحب کا حجرہ ہے' یہ آستانہ کے خدام اور کلید بردار ہیں۔ انتہائی مخلص' علم دوست' دیندار' مہمان نواز اور غریب پرور ہیں۔ یہی حجرہ مولانا سید عبدالحق صاحب' ان کے متوسلین اور ہم لوگوں کی قیام گاہ ہے۔ ہم لوگوں کی حاضری محترمی سید نور محمد نذر محمد صاحب کے

معرفت ہوتی ہے۔

### حمیدیہ دالان

بیگم دالان اور کھڑکی دروازہ کے درمیان یہ دالان سید عبدالحمید صاحب خادم درگاہ نے زائرین کی آسائش کے لیے تعمیر کرایا ہے جس کا صرفہ تقریباً پچاس ہزار روپیہ ہے۔ محفل پنجشنبہ کے موقع پر یہاں مستورات بیٹھتی ہیں۔ حسب ذیل تاریخ تعمیر اس پر کندہ ہے۔

سلام ہاتی غنی مجید

1361ھ

### نظام سقہ کی قبر

یہ قبر حمیدیہ دالان کے قریب ہے۔ سنگ مرمر کے چبوترے کے گرد جالی دار کٹہرا ہے۔ شاہان مغلیہ کے عہد میں اس مزار پر زریں شامیانہ نقرئی استادوں پر کھینچا رہتا تھا۔ جب عالمگیر حاضر دربار خواجہ ہوئے تو اس قبر پر دھوکا ہوا۔ لوگوں نے عرض کیا یہ تو نظام سقہ کی ہے۔ یہ سن کر عالمگیر نے کہا: ''شمع پیش آفتاب پرتو ندارد'' جتنی بھی آرائش اس قبر پر تھی اسے لٹوا دیا۔

### اولیاء مسجد

پہلے یہ قلندری مسجد تھی۔ بقول ''احسن السیر'' چونکہ سرکار غریب نواز اس مقام پر نماز پڑھا کرتے تھے اس لیے اہل دل وعقیدت کیش اس میں نماز پڑھنے کو زیادہ بہتر تصور کرتے ہیں۔

### احاطہ کوچک سنگ سفید

پیش صحن مسجد صندل خانہ درمیانی صحن کے بالمقابل بجانب شرق سنگ سفید کا احاطہ ہے اس میں شیخ تاج الدین بایزید بزرگ ان کے اقربا اور ازواج کے مزارات ہیں۔ بعض تذکروں میں یہ ہے کہ یہ مزارات یادگار محمد اور ان کی زوجہ کے ہیں۔

### بیگمی دالان

گنبد شریف کے شرقی دروازے کے آگے یہ دالان جہاں آرا، بنت شاہجہاں نے سنہ 1053ھ میں تعمیر کرایا تھا۔ اس کی چھت سنگ مرمر کے ستون کی ہے اور فرش سنگ افشاں ابری اور طلائی کا ہے۔ سنہ 1888ء میں اس کی دی[illegible] اور کھمبوں پر نواب مشتاق علی خاں والی رامپور نے



سنہری کام کرایا اور چھت میں بمبئی کے ایک مسلمان سوداگر نے نقش ونگار بنوائے۔ دالان کی چھت میں بلوریں جھاڑ فانوس آویزاں ہیں۔ سنہ 1940ء میں چھت کی ایک پٹی چٹک گئی تھی اس کے ٹوٹ کر گر جانے کا اندیشہ تھا۔ سنہ 1943ء میں نواب غلام کبریا رئیس جل پائی گوڑی (بنگال) نے اس پٹی کو بدلوا دیا۔ بیگمی دالان کے صحن میں کھرنی کا ایک درخت ہے جس کے متعلق مشہور ہے کہ یہ درخت جہانیاں جہاں گشت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اجمیر حاضر ہونے کے وقت نصب کیا تھا۔

کہا جاتا ہے اس کی چھال پانی میں پیس کر اگر مارگزیدہ کو پلائیں تو اچھا ہو جاتا ہے۔

### توشہ

بیگمی دالان سے گنبد شریف میں داخل ہوتے ہوئے پہلے ایک خوبصورت شاندار دروازہ آتا ہے۔ اس دروازے سے گزر کر دائیں بائیں سمت دو حجرے ہیں اس میں روضہ مبارکہ کی ضروریات کی چیزیں رکھی رہتی ہیں۔ شمالی توشہ خانہ میں روزانہ کے استعمال کی چادریں 'اگر دانی' چوبیں اور دیگر سامان متعلقہ رہتا ہے۔ جنوبی توشہ خانے میں قیمتی سامان رہتا ہے۔ شاہجہان بادشاہ کا فرمان بھی اس میں مقفل رہتا ہے' اس میں سات قفل لگے رہتے ہیں۔ ان ساتوں کی کنجیاں سات خدام صاحبان کے پاس رہتی ہیں۔

### روضہ منورہ

خواجہ حسین ناگوری نے برسوں حضرت خواجہ غریب نواز کی مجاورت کی ہے۔ یہ حضرت شیخ حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اولاد میں سے ہیں۔ اس زمانے میں مزار مبارک خام تھا اور مزار شریف پر عمارت نہیں تھی۔

سلطان غیاث الدین خواجہ حسین ناگوری کو از راہ عقیدت مدعو کرتا مگر آپ شاہانہ صحبت سے گریز کرتے۔ لیکن سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موئے مبارک کی زیارت کرنے کے لیے آپ سلطان کے پاس تشریف لے گئے۔ بادشاہ نے تحائف پیش کیے مگر آپ نے قبول نہ کیے البتہ صاحبزادے کے دل میں لینے کا خیال گزرا۔ جس پر آپ نے صاحبزادے سے فرمایا۔ اگر اس کو لیتے ہو تو خواجہ غریب نواز اور اپنے جد محترم صوفی حمید الدین ناگوری کے مزارات مبارکہ کی تعمیر کراؤ۔ چنانچہ اس رقم سے حضرت خواجہ غریب نواز کے کچے مزار پر گنبد و عمارات روضہ تیار کرائی گئیں۔

گنبد شریف کا اندرونی حصہ سنگ بستہ کا ہے اس میں چونے سے ریخ بندی کی گئی ہے۔ بالائی حصہ اینٹوں سے تیار کیا گیا ہے۔

لداؤ کی ڈاٹ پر چونے کا صندلہ ہے اس پر گھٹائی کا کام ہے۔ گنبد پچوانس میں ہے مگر کوئی دوسرا گنبد اس ڈول کا ہندوستان میں موجود نہیں۔ اس سفید گنبد پر سنہری تاجدار کلس آویزاں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت خواجہ غریب نواز کو دھولی گنبد اور سنہری کلس والا خواجہ بھی کہتے ہیں۔

یہ کلس نواب حیدر علی خاں برادر کلب علی خاں والی رامپور نے نصب کرایا تھا۔ کہا جاتا ہے۔ پہلے عالم نام کے بنجارے نے بھی گنبد شریف پر سوا من سونے کا کلس چڑھایا تھا۔ گنبد شریف کی دیواروں پر سنہری کلیساں ہیں۔

گنبد کے اندرونی حصہ میں لاجوردی کام ہے۔ یہ نواب مشتاق علی خاں والی رامپور نے کرایا تھا۔ چھت میں کاشانی مخمل کی زریں چھت گیری لگی ہوئی ہے اس میں طلائی زنجیروں میں سنہری گولے لٹک رہے ہیں۔ ان کی قیمت بحساب فی گولہ تقریباً پانچ ہزار روپیہ ہے۔ اس کا سونا عہد شاہجہانی کا عمدہ سونا ہے۔

طلائی نقش و نگار اور قبہ شریف کی دیواروں پر خواجہ حسین ناگوری کی عقیدت کا نتیجہ ہیں۔ غربی دیوار میں سنگ مرمر کی جالی پر ذیل کی تاریخ مرقوم ہے۔

از پے تاریخ نقش گنبد خواجہ معیں
گفت ہاتف گو معظم قبہ عرش بریں

گنبد شریف کے اندر آب زر سے ذیل کے اشعار مرقوم ہیں:

خواجہ خواجگاں معین الدین    اشرف اولیائے روئے زمیں
آفتاب سپہر کون و مکاں    بادشاہ سریر ملک یقیں
درجمال و کمال او چہ سخن    ایں مبیں بود بحسن و حصیں
مطلع در صفات او گفتم    در بارت بود چو در بہیں
اے درت قبلہ گاہ اہل یقیں    بردرت مہر و ماہ سود جبیں
روئے بردر گہت ہمیں سایند    صد ہزاراں ملک چو خسرو چیں



خادمان درت ہمہ رضواں    درصفات روضہ ات چو خلد بریں
ذرہ خاک او عبیر سرشت    قطرۂ آب او چو ماء معیں
جانشین معین خواجہ حسین    بہر تاریخ شیش بگفت چنیں
کے شود رنگ تازہ کہنہ زتو    قبلۂ خواجہ معین الدیں

الٰہی تابود خورشید و ماہی
چراغ چشتیاں را روشنائی

مزار شریف پر سیپ کا کام چھپر کھٹ صندلی بنا ہوا تھا مگر کلکتہ کے سوداگر شکر سیٹھ میمن حاجی محمد صاحب نے پچاس ہزار کے صرفہ سے گنگا جمنی طلائی نقرئی چتر چڑھوایا ہے۔ اس کے چاروں گوشوں پر چار برجیاں مع کلس کے ہیں۔ مسہری میں رنگین مخمل کی چھت گیری لگی رہتی ہے۔ اس پر سنگ طلائی فیروزہ، ابری یشب اور لہسنیہ وغیرہ کی پچکاری ہے مزار اقدس کے تعویذ میں یاقوت رمانی جڑا ہوا ہے۔ مزار پر انور ہمیشہ زربفت و کمخواب وغیرہ کے قیمتی قبر پوشوں سے ڈھکا رہتا ہے۔ قبر پوش پر پھولوں کی سیج اور بکثرت پھول رہتے ہیں۔

چھپر کھٹ کے بیچ میں سنہری کٹہرہ نصب تھا۔ یہ شہنشاہ جہانگیر نے بنوا کر نذر کیا تھا۔ جہانگیر نے اس کے متعلق توزک جہانگیری میں لکھا ہے کہ "بعض مرادیں برآنے پر سنہ 1052ھ میں میں نے مجر طلائی جالیدار مرقد خواجہ بزرگ پر نذر کیا۔ یہ مجر ایک لاکھ دس ہزار روپے کی لاگت سے بتاریخ 27/ رجب المرجب تیار ہوا۔ میں نے حکم دیا کہ اسے لے جا کر روضۂ اقدس پر نصب کر دیں۔ مگر وہ کٹہرا اب موجود نہیں ہے۔ بلکہ دوسرا نقرئی مجر موجود ہے۔ اس کی مرمت راجہ جے سنگھ سوائی دوہائی جے پور نے کرائی تھی۔ اس کا وزن بیالیس ہزار نو سو اکسٹھ تولہ تین ماشہ ہے مگر موجودہ دونوں کٹہرے نواب جہاں آرا بیگم بنت شاہجہاں کے بنوائے ہوئے ہیں۔

اندرون گنبد مبارک زردوزی کے شامیانے ہیں ان میں سے ایک نواب کلب علی خاں والی رامپور اور دوسرا نواب ابراہیم خاں والی ریاست ٹونک کا نذر کردہ ہے۔ مزار شریف کے مغربی حصہ میں محراب کے اندر زمانہ قدیم کا خوشخط قلمی کلام مجید سفید نقرئی صندوق میں نقرئی چوکی کے اوپر قدم آدم بلندی پر رکھا ہوا ہے۔ اس کا چاندی کا صندوق اور چوکی نظام کی نذر کردہ ہیں۔ قرآن شریف کے اوپر کعبہ شریف کا سیاہ مخمل کا پردہ لٹکا ہوا ہے۔

## مجر بی بی حافظ جمال

روضۂ منورہ کی جنوبی دیوار میں پائیں رخ تین دروازے ہیں۔ درمیانی دروازہ دن بھر کھلا رہتا ہے۔ ادھر ادھر کے دروازے بعض خاص حالات میں کھولے جاتے ہیں۔

درمیانی دروازے کے آگے سنگ مرمر کے ستونوں پر چھتری بنی ہوئی ہے۔ چھتری کے متصل روضۂ منورہ کی جنوبی دیوار سے ملحق حضرت خواجہ کی صاحبزادی بی بی حافظ جمال آسودہ ہیں۔ مزار سے متصل دو چھوٹی چھوٹی قبریں ہیں۔ یہ دونوں بی بی صاحبہ کے صاحبزادوں کے مزارات ہیں۔ ان کا انتقال صغر سنی میں ہو گیا تھا۔

## مجر حور النساء عرف چمنی بیگم بنت شاہجہاں بادشاہ

یہ روضہ شریف کے غرب میں واقع ہے۔ صاحب احسن السیر نے بحوالہ تزک جہانگیری و شاہجہاں نامہ لکھا ہے کہ بروز چہار شنبہ بتاریخ 29 جمادی الاول سنہ 1025ھ حور النساء بنت شاہجہاں نے وفات پائی اور روضہ شریف کی دیوار سے ملحق دفن کی گئی۔

## احاطۂ نور

قبہ مبارک کے جنوب و مغرب میں سنگ مرمر کا خوشنما احاطہ ہے۔ اس کے کچھ حصے پر چھت بھی ہے اس احاطہ سے صحن میں آنے کے لیے دو دروازے ہیں۔ ایک قبہ شریف کے جنوب میں پائیں دروازہ کہلاتا ہے۔ دوسرا جنتی دروازہ ہے۔ ان دروازوں پر سنہری کلساں ہیں اس احاطہ میں لوگ قرآن خوانی کیا کرتے ہیں۔

## مسجد صندل خانہ

سلطان محمود خلجی نے جب قلعہ دار گجادھر کو قتل کر کے اجمیر فتح کر لیا۔ اس وقت بطور اظہار تشکر سلطان موصوف کے سرہانے کی طرف یہ مسجد تعمیر کرائی تھی۔

پھر جہانگیر اور عالمگیر نے اپنے اپنے عہد میں اضافے اور مرمت کی خدمات انجام دیں اسی لیے اس مسجد کو تینوں بادشاہوں کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ چونکہ مزار شریف کے اترے ہوئے پھول یہاں رکھے جاتے ہیں اس لیے مسجد خانہ کہتے ہیں اور سرکار غریب نواز کے مزار اقدس کیلئے یہاں صندل گھسا جاتا ہے۔ اس لیے اسے مسجد صندل خانہ یا صندلی مسجد بھی کہتے ہیں۔



# اسانید الصنادید

کتاب "خواجۂ خواجگان" مرتبہ احمد رئیس کو ادارہ عالیہ سرکار غریب نواز اجمیری (پاکستان) کراچی 25 نے سال 1972ء میں شائع کیا تھا۔ اس کتاب کے صفحہ 421 تا 348 پر علامہ خواجہ معنی اجمیری کی کتاب اسانید الصنادید جو کہ تین سو صفحات پر محیط ہے، میں سے بادشاہوں کے وہ فرامین شائع کیے ہیں جو مختلف اوقات میں آستانیہ عالیہ کے منتظمین کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ ان میں صفحہ 430 سے 438 تک ایک جدول بھی منسلک ہے جسے ہم ادارہ عالیہ کے شکریہ کے ساتھ قارئین کرام کیلئے شائع کر رہے ہیں۔

## عہد اکبری کے فرامین و اسناد

| فرمان یا سند | کس کی مہر لگی ہے | کس کے نام ہے | نمبر صفحہ کتاب | تاریخ و سن ہجری | تاریخ و سن عیسوی | مقصد تحریر | اصل کاغذ کس کے پاس تھا | اصل کاغذ اب کس کے پاس ہے | پاکستان میں متعلقہ شخص |
|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|
| فرمان | اکبر بادشاہ | زبدۃ الاقران عالم | 3 | 17، 982ھ | 1574ء | روشنائی چراغ | حاجی سید عبداللطیف | سید عبدالمطلب | |

| | | | | | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|
| فرمان | اکبر بادشاہ | صلاح آثار تقویٰ شعار فتح اللہ | 5 | 29 صفر 984 | مئی 1976 | موضع نادلہ | میر سرفراز علی | سید اعجاز علی | سید رئیس چشتی کراچی |
| فرمان | اکبر بادشاہ | سیادت مآب سید فتح اللہ | 9 | 12 رجب | | بحالی عہدہ | سید ریاض احمد | سید حمید احمد | // |
| سند | سید عالم سید خان | شیخ قطب علی | 11 | 22 جمادی الاول 967 | فروری 1560 | اراضی | سید نظام الحق | زوجہ سید قطب علی | ___ |
| سند | قاضی عماد الدین | شیخ ہاشم ولد شیخ فتح اللہ | 14 | 8 شوال 988 | نومبر 1580 | تقسیم نذورات | سید ریاض احمد | سید حمید احمد | سید رئیس چشتی کراچی |
| سند | حاکم عدالت عالیہ فتحپور | مامین خدام خواجہ | 15 | رجب 992 | جولائی 1584 | // | عبدالباری حقی | سید فضل المتین | سید فتح الباری کراچی |
| سند | عمادالملک | فضیلت مآب تقویٰ شعار شیخ اسماعیل | 19 | جمادی الثانی 995 | اپریل 1587 | اراضی نادلہ | سید ریاض احمد | سید حمید احمد | سید رئیس چشتی کراچی |
| بیع نامہ | مفتی عبدالرحیم | شیخ تاج الدین محمود | 20 | 8 ربیع الاول 997 | جنوری 1989 | بابت حویلی | میر سرفراز علی | سید اعجاز علی | رئیس چشتی کراچی |
| سند | عمادالملک | عبدالدائم وعبدالخالق | 22 | 10 ربیع الثانی 998 | فروری 1590 | اجرائے یومیہ | سید ریاض احمد | سید حمید احمد | // |
| بیع نامہ | مفتی عبدالرحیم | شیخ چندن | 23 | 12 رمضان 1000 | جون 1592 | بابت مکان | عبدالباری حقی | سید فضل المتین | سید فتح الباری کراچی |
| ہبہ نامہ | مفتی عبدالرحیم | مشیخت مآب شیخ تاج محمد | 25 | x | x | حویلی | میر سرفراز علی | سید اعجاز علی | رئیس چشتی کراچی |

## عہد جہانگیری کے فرامین واسناد

| | | | | | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|
| فرمان | جہانگیر بادشاہ | مشیخت مآبی ورع آثاری شیخ ہاشم | 30 | جمادی الاول 1019 | جولائی 1210 | موضع نادلہ | میر سرفراز علی | سید اعجاز علی | رئیس چشتی کراچی |



| | | | | | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|
| فرمان | جہانگیر بادشاہ | سیادت مآب سید خوب اللہ | 37 | ربیع الثانی 1023 | مئی 1214 | اراضی | سید ریاض احمد | سید حمید احمد | سید رئیس چشتی کراچی |
| فرمان | جہانگیر بادشاہ | شیخ احمد | 40 | رمضان 1025 | ستمبر 1216 | اراضی | سید احمد حسین ثروت علی | سید احمد حسین ثروت علی | ___ |
| فرمان | جہانگیر بادشاہ | بی بی جان وغیرہ | 42 | ذیقعدہ 1025 | نومبر 1216 | اراضی | سید حبیب حسین | سید حبیب حسین | سید صفیر حسین کراچی |
| فرمان | جہانگیر بادشاہ | سیادت مآب سید حبیب اللہ | 51 | جمادی الاول 1029 | اپریل 1620 | موضع پیر کانکھاواس | سید فضل الرحمٰن | سید فضل الرحمٰن | ڈاکٹر فضل چشتی کراچی |
| فرمان | جہانگیر بادشاہ | سیادت مآب سید عبدالجلیل | 59 | جمادی الاول 1029 | اپریل 1620 | // | سید محمد حسین چشتی | سید محمد علی چشتی | ___ |
| فرمان | جہانگیر بادشاہ | سید ہاشم | 68 | جمادی الثانی 1029 | مئی 1620 | تقسیم نذورات | میر سرفراز علی | سید اعجاز علی | سید رئیس چشتی کراچی |
| فرمان | جہانگیر بادشاہ | شیخ فرید ولد قطب | 70 | رجب 1026 | جولائی 1617 | اراضی | سید محمد علی نظام علی | سید محمد علی نظام علی | ___ |
| فرمان | جہانگیر بادشاہ | سیادت مآب سید اسماعیل | 73 | محرم 1029 | دسمبر 1619 | موضع پیر کانکھاواس | سید محمد حنیف | سید اعجاز | سید رئیس چشتی کراچی |
| فرمان | جہانگیر بادشاہ | سیادت مآب سید بہلول | 79 | محرم 1029 | دسمبر 1619 | موضع پیر کانکھاواس | سید محمد حنیف | سید فضل المتین | سید فتح الباری کراچی |
| فرمان | جہانگیر بادشاہ | سیادت مآب سید فیروز | 84 | صفر 1029 | جنوری 1620 | // | سید نظام الحق | زوجہ سید قطب علی | ___ |
| فرمان | جہانگیر بادشاہ | سید شاہ محمد ولد منصور | 88 | جمادی الاول 1029 | اپریل 1620 | // | سید احمد حسین ثروت علی | سید احمد حسین ثروت علی | ___ |
| فرمان | جہانگیر بادشاہ | مشیخت مآب شیخ علی | 92 | جمادی الاول 1029 | اپریل 1620 | // | سید محمد حنیف | سید فضل المتین | سید فتح الباری کراچی |

| | | | | | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|
| فرمان | جہانگیر بادشاہ | عبدالشکور | 101 | رمضان 1029 | جولائی 1620 | // | // | // | // |
| فرمان | جہانگیر بادشاہ | مشیخت مآب شیخ کمال | 105 | // | // | // | // | // | // |
| فرمان | جہانگیر بادشاہ | جمیع خدمہ | 108 | رمضان 1023 | اکتوبر 1614 | تقسیم نذورات | میر سرفراز علی | سید اعجاز علی | سید یٰسین چشتی، کراچی |
| فرمان | جہانگیر بادشاہ | سید منصور | 116 | جمادی الاول 1028 | اپریل 1619 | موشح پیر | سید محمد یونس رشیدی | سید محمد یونس رشیدی | |
| فرمان | جہانگیر بادشاہ | سیادت مآب سید مٹھا | 118 | جمادی الاول 1028 | مئی 1619 | ہیرا کلکھیا داس | سید ریاض احمد | سید حمید احمد | سید یٰسین چشتی، کراچی |
| فرمان | جہانگیر بادشاہ | دولت بخت | 126 | رمضان 1030 | جولائی 1621 | اراضی | سید ریاض احمد | سید حمید احمد | // |
| فرمان | جہانگیر بادشاہ | درگاہ تارا گڈھ و خدام درگاہ | 127 | 12 صفر 1023 | مارچ 1614 | دیوارئی دسولیوار | درگاہ کمیٹی تارا گڈھ | درگاہ کمیٹی تارا گڈھ | — |
| فرمان | جہانگیر بادشاہ | زناروداران پشکر | 140 | ربیع الثانی 1023 | مئی 1614 | پشکر | رگناتھ جی ایڈوکیٹ | اگناتھ جی ایڈوکیٹ | — |
| فرمان | جہانگیر بادشاہ | // | 141 | جمادی الاول 1026 | مئی 1617 | // | // | // | — |
| فرمان | جہانگیر بادشاہ | // | 142 | // | // | // | // | // | — |
| فرمان | جہانگیر بادشاہ | حاجی محمد ولد الہداد | 146 | 1025ھ | 1612 | اراضی | غلام علی قادر علی | غلام علی قادر علی | — |
| فرمان | جہانگیر بادشاہ | اجمیری و بازید کلاونت | 147 | رجب 1026 | جولائی 1617 | // | احمد بخش کریم بخش | احمد بخش کریم بخش | — |



| | | | | | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|
| سند | مہر پڑھنے میں نہیں آئی | مشیخت مآب چندن | 148 | 4 رمضان 1020 | نومبر 1611 | // | عبدالباری مفتی | سید فضل المتین | سید فتح الباری، کراچی |
| سند | متولی احمد الحاجی | مشیخت مآب ہاشم | 148 | 14 ذی الحجہ 1020 | فروری 1612 | روزینہ | سید ریاض احمد | سید حمید احمد | سید یٰسین چشتی، کراچی |
| سند | آصف خان | مشیخت مآب چندن | 149 | 1021ھ | 1612 | اراضی | عبدالباری مفتی | سید فضل المتین | سید فتح الباری، کراچی |
| سند | اعتمادالدولہ | مولانا ابراہیم صندوقی | 149 | ذیقعد 1023 | نومبر 1614 | حجرہ | حاجی سید ولی الدین | حاجی سید ولی الدین | سید علی الدین، [illegible] |
| سند | اعتمادالدولہ | عنایت اللہ | 150 | شعبان 1027 | جولائی 1618 | غلہ | میر سرفراز علی | سید اعجاز علی | سید یٰسین چشتی، کراچی |
| سند | ابن قاسم القاضی | سید عبدالدائم | 150 | 3/4 شعبان 1027 | اگست 1618 | رسید | سید زین العابدین | سید زین العابدین | سید فتح چشتی، کراچی |
| سند | اعتمادالدولہ | سید محمود ولد عبدالصمد | 153 | 1028ھ | 1619ء | اراضی | سید رفیع نیازی | سید رفیع نیازی | سید فتح چشتی، کراچی |
| سند | اعتمادالدولہ | فاطمہ منکوحہ شیخ قطب علی | 154 | 10 ربیع الثانی 1033 | جنوری 1624 | غلہ | سید محمد علی نظام علی | سید محمد علی نظام علی | — |
| سند | افضل خطاب فاضل خان | سیادت مآب سید ہاشم | 154 | 5 ربیع الاول 1235 | نومبر 1625ء | اراضی | میر سرفراز علی | سید اعجاز علی | سید یٰسین چشتی، کراچی |
| سند | قیام قلعہ حاری | اولاد سید دانیال | 215 | 4 جمادی الاول 1026 | مئی 1617ء | قبضہ حویلی | سید فضل الرحمن | سید فضل الرحمن | ڈاکٹر فضل چشتی، کراچی |

## عہد شاہجہانی کے فرامین واسناد

| | | | | | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|
| فرمان | شاہجہاں بادشاہ | متولیان درگاہ | 157 | 2 صفر 1047ھ | جون 1637 | وقف برائے درگاہ شریف | خدام خواجہ | خدام خواجہ | — |
| فرمان | شاہجہاں بادشاہ | متولیان درگاہ | 179 | 27 ذی الحجہ 1047 | مئی 1637 | معافی حصہ فوتی | میر سرفراز علی | سید اعجاز علی | سید رئیس چشتی کراچی |
| فرمان | شاہجہاں بادشاہ | اللہ دین مسکین | 183 | 26 ذیقعدہ 1056 | دسمبر 1646 | مدد معاش | شریف حسین قوال درگاہ | اقبال حسین قوال درگاہ | — |
| سند | آصف خان | مشیخت مآب شیخ خوب اللہ | | — | — | اشرفیوں کی تقسیم | میر سرفراز | سید اعجاز علی | سید رئیس چشتی کراچی |
| سند | شاہ بیگ خان | مشیخت مآب شیخ جلال | 192 | — | — | مدد معاش | عبدالباری معنی | سید فضل المتین | سید فتح الباری کراچی |
| سند | مفتی و قاضی | سید مرتضیٰ | 193 | 5 ذیقعدہ 1049 | فروری 1640 | تمسک قرض | عبدالباری معنی | سید فضل المتین | سید فتح الباری کراچی |
| سند | شاہزادہ دارا شکوہ | راجہ جھیلداس | 195 | 14 رجب 1052 | ستمبر 1642 | وصولی رقم سرکاری | سید ریاض احمد | سید حمید احمد | سید رئیس چشتی کراچی |
| سند | — | اولاد سیدان | 196 | 14 رمضان 1056 | اکتوبر 1646 | قیمت نامہ مکان وزمین | سید محمد اسمٰعیل | سید محمد اسحٰق | — |
| سند | قاضی بایزید مفتی عبدالعلیم | سید خوب اللہ و سید کرم اللہ | 201 | 14 ربیع الاول 1057 | اپریل 1647 | اراضی | سید ریاض احمد | سید حمید احمد | سید رئیس چشتی کراچی |



| | | | | | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|
| سند | شاہزادہ دارا شکوہ | زناروداران بھکر | 203 | 19 جمادی الثانی 1069 | مارچ 1659 | موضع بھکر | بے راج | بے راج | — |
| سند | مرزا عظیم بیگ | سید فتح محمد | 304 | 15 رجب 1040 | فروری 1631 | صاحبزادی صاحبہ کے پھولوں کیلئے وظیفہ | سید ریاض احمد | سید حمید احمد | سید رئیس چشتی کراچی |
| سند | بایزید | اولاد دولت محمد | 206 | — | — | تقسیم گزردستہ | سید ریاض احمد | سید حمید احمد | // |
| سند | — | سیدان سید خوب اللہ | 208 | — | — | دعا نامہ | میر سرفراز علی | سید اعجاز علی | // |
| سند | — | خدام خواجہ | 210 | 29 ذی الحجہ 1064 | 31 دسمبر 1651 | تقسیم حصص کلید برداری | سید فضل الرحمٰن | سید فضل الرحمٰن | ڈاکٹر جلیل چشتی کراچی |
| سند | سید احمد خان | سید مرتضیٰ | 225 | 12 رجب 1068 | اپریل 1658 | باغ و مقبرہ | عبدالباری معنی | سید فضل المتین | سید فتح الباری کراچی |

## عہد عالمگیری کے فرامین واسناد

| | | | | | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|
| فرمان | عالمگیر بادشاہ | شیخ بایزید | 229 | 20 جمادی الاول 1091 | جولائی 1680 | مدد معاش | سید امانت حسین | سید امانت حسین | — |
| فرمان | عالمگیر بادشاہ | سید ایوب | 233 | 17 رمضان 1092 | ستمبر 1681 | // | // | // | — |
| فرمان | عالمگیر بادشاہ | سید اعظم | 237 | 4 ربیع الثانی 1093 | اپریل 1682 | // | سید رفیع نیازی | سید رفیع نیازی | سید رفیق چشتی کراچی |

| | | | | | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|
| فرمان | عالمگیر بادشاہ | سید باقر محمد | 240 | 14 رجب 1094 | 30 جون 1683 | مدد معاش | سید محمد حنیف | سید فضل الحسین | سید فتح الباری، کراچی |
| سند | قاضی عبدالرزاق | اولاد منصور | 243 | 6 ربیع الثانی 1078 | ستمبر 1667 | قسمت نامہ | سید احمد حسین ثروت علی | سید احمد حسین ثروت علی | |
| سند | شیر خان ولد قطب خان | سیادت مآب سید مرتضیٰ | 245 | 2 ذیقعد 1081 | مارچ 1671 | وکالت نامہ | عبدالباری حقی | سید فضل الحسین | سید فتح الباری، کراچی |
| سند | داراب خان | سیادت مآب سید دان | 246 | 2 شعبان 1084 | نومبر 1673 | اراضی جہت خانقاہ | میر سرفراز علی | سید اعجاز علی | سید یس چشتی، کراچی |
| سند | شیخ عبدالغنی و مان خان | سیادت پناہ سید حبیب اللہ | 248 | یکم شعبان 1087 | ستمبر 1676 | رقم نذر خواجہ | سید مظفر حسین کاظمی | سید اسرار حسین کاظمی | سید غفار حسین کاظمی، کراچی |
| سند | راؤ اتر دودھ سنگھ | سید جعفر | 250 | 1102ھ | 1690ء | مدد معاش | سید غلام محمد نبی | سید محمد مسلم | سید محمد رشید، حیدر آباد |
| سند | تاج الدین حسین | سیادت پناہ سید مراد | [illegible] | 15 محرم 1113 | جون 1701 | پارچہ غلاف | حکیم سید محمد احمد | حکیم سید محمد احمد | سید مشکور احمد چشتی، کراچی |
| سند | احمد علی | سیادت مآب سید غلام محمد | 253 | جمادی الثانی 1115 | اکتوبر 1703 | نیابت محصل جزیہ | سید نظام الحق | زوجہ سید قطب علی | |
| سند | شاہزادہ بیدار بخت | سیادت پناہ نجابت دستگاہ سید مراد جیو | 258 | — | — | زر نذر | حکیم سید محمد احمد | حکیم سید محمد احمد | سید مشکور احمد چشتی، کراچی |

## عہد شاہ عالم بہادر شاہ اوّل کے فرامین واسناد

| | | | | | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|
| فرمان | شاہ عالم بادشاہ | سید محمد عاقل | 261 | محرم 1120 | — | مدد معاش | سید حبیب حسین | سید حبیب حسین | سید صغیر حسین، کراچی |
| فرمان | شاہ عالم بادشاہ | سید حیات اللہ | 264 | 22 رمضان 1124 | — | احتساب و تدریس | سید نور محمد | سید نور محمد | — |



| | | | | | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|
| فرمان | شاہ عالم بادشاہ | شیخ محمد سریز | 267 | 7 ربیع الاوّل 1122 | — | مدد معاش | سید حبیب حسین | سید حبیب حسین | سید صغیر حسین، کراچی |
| سند | راؤ راجہ بدھ سنگھ | سیادت پناہ سید محمد جعفر | 271 | 4 جمادی الثانی 1119 | — | رقم نذرانہ | حکیم سید محمد احمد | حکیم سید محمد احمد | سید مشکور احمد چشتی، کراچی |
| سند | علی امجد خان | سید محمد مراد | 271 | 11 ذی الحجہ 1119 | — | یادداشت چہارم بیگ | // | // | // |

## عہد فرخ سیر کے فرامین واسناد

| | | | | | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|
| فرمان | فرخ سیر بادشاہ | جمیع خدمہ روضہ منورہ | 279 | 2 ربیع الاوّل 2 جلوس | — | مدد معاش | خدام خواجہ | خدام خواجہ | — |
| فرمان | فرخ سیر بادشاہ | محمد صالح بن محمد دوست | 280 | 25 ذیقعد 5 جلوس | — | یومیہ | سید محمد حسین آغائی | سید غلام حسین آغائی | — |
| سند | محمد مدار خان | سیادت مآب سید جہانگیر | 281 | 20 ربیع الاوّل 2 جلوس | — | مدد معاش | سید مظفر حسین کاظمی | سید اسرار حسین کاظمی | سید غفار حسین کاظمی، کراچی |
| سند | سید خان | جمیع خادمان روضہ منورہ | 282 | 11 شوال 5 جلوس | — | قسمت نامہ | سید مظفر حسین کاظمی | سید اسرار حسین کاظمی | سید غفار حسین کاظمی، کراچی |
| سند | نعمت اللہ نقشبندی | حافظ پیر علی | 283 | | — | مدد معاش | عبدالباری حقی | سید فضل الحسین | سید فتح الباری، کراچی |
| سند | سمندر خان | جمیع خادمان روضہ منورہ | 284 | 16 ربیع الاوّل 7 جلوس | — | قسمت نامہ | میر سرفراز علی | سید اعجاز علی | سید یس چشتی، کراچی |
| سند | قطب الملک عبداللہ خان | محمد مراد | 288 | 16 جمادی الاوّل 7 جلوس | — | حق وکالت | حکیم سید محمد احمد | حکیم سید محمد احمد | سید مشکور احمد چشتی، کراچی |

## عہدِ محمد شاہ کے فرامین واسناد

| | | | | | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|
| فرمان | محمد شاہ بادشاہ | محمد صالح درویش | 291 | 27 ذی الحجہ 6 جلوس | — | مدد معاش | سید محمد حسین آغائی | سید غلام حسین آغائی | — |
| فرمان | محمد شاہ بادشاہ | خدمہ درگاہ میراں سید حسین | 295 | 26 ربیع الآخر 6 جلوس | — | // | امیر علی | امیر علی | — |
| سند | اعظم خان محمد شاہی | رام جی داس | 297 | 3 جمادی الاول 3 جلوس | — | نذر درگاہ کی ادائیگی | سید محمد | سید نجم الدین | — |
| سند | اعظم خان | چودھریان وغیرہ | 298 | یکم محرم 8 جلوس | — | سید سعد اللہ کا تقرر بحیثیت نائب فوجداری | سید فضل الرحمن | سید فضل الرحمن | ڈاکٹر خلیل چشتی کراچی |
| سند | سید جواد خان | سیادت پناہ محمد حسین | 299 | 19 رجب 8 جلوس | — | تبرک کی رسید | سید غلام محی الدین | سید غلام محی الدین | — |
| سند | اعظم خان بہادر | سیادت پناہ سید سعد اللہ | 300 | 6 شوال 9 جلوس | — | بکل سید شریف اللہ تین روپے کی ادائیگی | سید فضل الرحمن | سید فضل الرحمن | ڈاکٹر خلیل چشتی کراچی |
| سند | — | نجم الدین و محسن خان | 301 | 21 شوال 10 جلوس | — | حضرت بی بی حافظ جمال کی نذر مقدم لیتے ہیں | میر سرفراز علی | سید اعجاز علی | سید یونس چشتی کراچی |
| سند | غوث | سیادت پناہ میر حسن علی | 302 | یکم ربیع الثانی 22 جلوس | — | بحیثیت میر حسن کا تقرر | مولوی خیرات الحسن | مولوی خیرات الحسن | — |



## عہد احمد شاہ کی اسناد

| | | | | | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|
| سند | برہان الملک صفدر جنگ | مقصدیان سرکار اجمیر | 305 | 11 رجب 3 جلوس | — | تعمیل حکم بکل سید شاہ | سید محمد حسین آغائی | سید غلام حسین آغائی | — |
| سند | نواب جاوید خان | مہاراجہ بخت سنگھ | 314 | 16 صفر 4 جلوس | — | // | سید محمد حسین آغائی | سید غلام حسین آغائی | — |
| سند | شرکائے اراضی | سید بولاقی و سید محمد قاسم وغیرہ | 315 | | — | قسمت نامہ بٹی فرخ | سید محمد یونس رشیدی | سید محمد یونس رشیدی | — |

## عہدِ عالمگیر ثانی کی اسناد

| | | | | | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|
| سند | حضرت خواجہ نور محمد مہاروی | سید مسعود شاہ | 319 | — | — | التجا برائے دعا | حکیم سید محمد احمد | حکیم سید محمد احمد | سید منظور احمد چشتی کراچی |
| سند | مہاراجہ مادھو سنگھ | سیادت پناہ سید مسعود | 320 | — | — | تبرکات بھیجنے اور نذر بھیجنے کا خط | حاجی سید ولی الدین | حاجی سید ولی الدین | سید علی الدین ڈھاکہ |
| سند | عبید اللہ خان صدر الصدور | مقصدیان اجمیر | 321 | 20 شوال 3 جلوس | — | خدمت تدریس پر سید اکرام علی کا تقرر | سید نثار محمد | سید انوار احمد | سید انوار احمد سید اشتیاق احمد پاکپتن شریف |
| سند | میر صلاح خان | مقصدیان اجمیر | 323 | 19 ربیع الثانی 3 جلوس | — | سید حسن علی کا بحیثیت نائب متولی تقرر | سید محمد حسین آغائی | سید غلام حسین آغائی | — |

## عہد شاہ عالم ثانی اور اس کے بعد کی اسناد

| | | | | | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|
| سند | مہاراجہ سوائی مادھو سنگھ | سیادت پناہ میر مسعود | 323 | — | — | تحریکات پہنچنے اور نذر بھیجنے کی اطلاع | حاجی سید ولی الدین | حاجی سید ولی الدین | سید علی الدین ڈھاکہ |
| سند | مہاراجہ مان سنگھ | متصدیان | 324 | 13 شوال 1177 | — | کشن گڑھ کے علاوہ میں سید رجب علی و سید محمد علی کو زمین کا عطیہ | حاجی سید محمد صدیق | حاجی سید محمد صدیق | سید عتیق چشتی کراچی |
| سند | ..... خان | قربان علی | 325 | 11 صفر 20 جلوس | — | نائب ناظم درگاہ پر تقرر | سید غوث محمد | سید نجم الدین | — |
| سند | اللہ بخش حسین بخش | میاں قلندر بخش | 326 | 2 صفر 1204 | — | نیاز خواجہ کیلئے اراضی | عبدالباری حقی | سید فضل المتین | سید فتح الباری کراچی |
| سند | مرزا محمدی بیگ | سید خدمت علی | 327 | — | — | درگاہ میں دالان و حجرہ کی تعمیر | سید غوث محمد | سید نجم الدین | — |

## عہد اکبر شاہ ثانی کی اسناد

| | | | | | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|
| سند | نواب احمد بخش لوہارو | سید صدر علی جی وغیرہ | 331 | — | — | ساڑھے چار سو روپے کا سالانہ نذرانہ | سید محمد رفیع نیازی | سید رفیع نیازی | سید عتیق چشتی کراچی |
| سند | — | سید کاظم علی | 331 | — | — | زمین کا چک نامہ | سید محمد اخلاق | سید محمد علی | سید شرف الدین لاہور |



| | | | | | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|
| سند | محمد خواجہ بخش | میاں قلندر بخش | 333 | 26 ذی قعد 1230 | — | زمین نیاز درگاہ شریف کیلئے دی | سید مظفر حسین کاظمی | سید اسرار حسین کاظمی | سید افتخار حسین کاظمی کراچی |
| سند | — | سری عظیم اللہ | 333 | پوس بدی 1868 | — | مہاراجہ دولت راؤ کی طرف سے پروانہ | سید حبیب حسین | سید حبیب حسین | سید صغیر حسین کراچی |
| سند | نواب امیر الملک امیر خان ٹونک | میر کاظم علی | 334 | 15 ربیع الثانی 1240ھ | — | وکیل درگاہ کا پانچ روپے سالانہ نذرانہ مقرر کیا | سید محمد اخلاق | سید محمد علی | سید شرف الدین لاہور |
| سند | نواب بہاول خان بہاولپور | کارداران وغیرہ | 335 | 26 جمادی الثانی 1251ھ | — | سید قمر علی شاہ درگاہی وکیل کے بارے | سید عبدالحلیم | سید عاقل شاہ | سید وقار احمد سید اشتیاق احمد پاکپتن شریف |
| سند | بہادر شاہ ظفر | سید فتح علی | 336 | 1227ھ | — | وکالت نامہ | سید غلام معین الدین | سید غلام معین الدین | — |
| سند | نواب غفران منزل | — | 339 | 25 ذیقعد 1267 | — | اراضی سلسلہ اخراجات روضہ شریف خواجہ | سید محمد حنیف | سید فضل المتین | سید فتح الباری کراچی |
| سند | — | سرکار دولت آباد صوبہ اورنگ آباد | 341 | 23 شوال 1278 | — | اراضی سلسلہ اخراجات روضہ خواجہ | سید محمد حنیف | سید فضل المتین | سید فتح الباری کراچی |

| | | | | | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|
| خط | میر عثمان علی خاں والئی دکن | عبدالباری معنی | 342 | 16 جمادی الاول 1356 | — | مضمون زیارت قبور کی تحریف | عبدالباری معنی | سید فضل المتین | سید فتح الباری، کراچی |
| خط | مہاراجہ سر کشن پرشاد | سید محمد حنیف | 343 | 15 ربیع الاول 13 ہجری | — | [illegible] اور عبدالباری آسی کا [illegible] مقرر کرنے کی اطلاع۔ | عبدالباری معنی | سید فضل المتین | سید فتح الباری، کراچی |



# تصورات ونظریات اور ریاضتیں

ادارہ معارف اسلامیہ کی جلد ہفتم میں چشتی سلسلہ کے تصورات ونظریات اور ریاضتوں کے حوالے سے جولکھا ہے اسے ہم ذیل میں قارئین کرام کے استفادہ کیلئے پیش کرر ہے ہیں۔

ہندوستان کے قدیم چشتی صوفیہ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی کتاب ''عوارف المعارف'' کو اپنا سب سے بڑا ہدایت نامہ سمجھتے تھے۔ان کی خانقاہوں کی تنظیم اسی کتاب پر مبنی تھی اور شیوخ صوفیا اسے اپنے مریدوں کو پڑھایا کرتے تھے۔شیخ ہجویریؒ کی ''کشف المحجوب'' بھی بڑی مقبول عام کتاب تھی اور شیخ نظام الدین اولیاءؒ کہا کرتے تھے''جس شخص کا کوئی روحانی مرشد نہ ہو،اس کیلئے کشف المحجوب کافی ہے۔''ان دو تصنیفات کے علاوہ،شیخ نظام الدین اولیاءؒ،شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ،شیخ برہان الدین غریبؒ اور سید محمد گیسودرازؒ کے ملفوظات چشتی سلسلے کے نظریات کا خاصا صحیح تصور پیش کرتے ہیں:

چشتی تصورات ونظریات کا بنیادی تصور ''وحدت الوجود'' تھا۔یہ تصور ان کی تبلیغی سرگرمیوں کیلئے قوت محرکہ مہیا کرتا اور ان کے معاشرتی نظریے کی تعین کرتا تھا،لیکن چشتی سلسلے کے متقدمین نے وحدت الوجود کے بارے میں کچھ نہیں لکھا۔مسعود بک کی کتاب ''مرآۃ العارفین'' اور ان کے دیوان ''نورالعین'' نے ان تصورات کورواج دیا اور ان کی تصنیفات چشتی خانقاہوں میں بڑے شوق سے پڑھی جانے لگیں۔بعد کے زمانے میں،شیخ عبدالقدوسؒ نے ابن العربی کی کتابوں کی شرح لکھی،انہیں کے تتبع میں شیخ نظام الدین تھانیسری نے عراقی کی کتاب ''لمعات'' کی دو شرحیں لکھیں۔ان کے خلفا میں سے ایک شیخ عبدالکریم لاہوری نے ''فصوص الحکم'' کی فارسی میں شرح لکھی۔شیخ محب اللہ الٰہ آبادی نظریہ وحدت الوجود کے زبردست شارح تھے۔اورنگ زیب

نے، جو شیخ احمد سرہندی کے دبستان سے نسبتاً زیادہ متاثر تھا شیخ محب اللہ الہ آبادی کی کتابوں کو جلا دینے کا حکم دیا۔

2- ذاتی جائیداد پر قبضہ رکھنے کو چشتیہ توکل علی اللہ کے منافی سمجھتے ہوئے نفرت کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ وہ تمام دنیوی ساز و سامان اور مادی شہوات کو ترک کرتے تھے۔ (ترک دُنیا) اور ''فتوح'' پر گزارہ کرتے تھے، جنہیں خیرات کے طور پر نہیں مانگا جاتا تھا۔

3- وہ امن و صلح اور عدم تشدد پر اعتقاد رکھتے تھے اور انتقام اور بدلے کو حیوانی دُنیا کا طریقہ خیال کرتے تھے۔ وہ تمام تنازعات و امتیازات سے آزاد ایک صحت مند معاشرتی نظام کیلئے جیتے اور کام کرتے تھے۔

4- حکومت سے راہ و رسم رکھنے کی کسی صورت میں بھی اجازت نہ تھی، ایک قدیم چشتی صوفی کہتا ہے ''صوفیوں میں دو غلط شعار شخص ہیں: جرت اور مقلد۔ مقلد تو وہ ہے جس کا کوئی استاد یا ہادی نہ ہو اور جرت وہ ہے جو بادشاہوں سے ملتا اور ان کے درباروں میں جاتا اور لوگوں سے روپیہ مانگتا ہے۔''

5- صوفیانہ زندگی کی غایت چشتیوں کے خیال میں فقط اللہ تعالیٰ کیلئے جینا ہے۔ صوفی کو نہ تو جنت کی تمنا کرنی چاہیے اور نہ دوزخ سے ڈرنا چاہیے۔ انسان کی خدا سے محبت کی تین قسمیں ہیں:

الف: ''محبت اسلامی'' یعنی وہ محبت جو نومسلم کو نئے دین قبول کر لینے کے باعث خدا سے پیدا ہوتی ہے۔

ب: ''محبت موحبی'' یعنی وہ محبت جو انسان کے دل میں سنت رسولؐ پر عمل کرنے کی کوشش میں پیدا ہوتی ہے۔

ج: ''محبت خاص'' جو کائناتی جذبے کا نتیجہ ہے۔ صوفی کو آخری نوع کی محبت پیدا کرنی چاہیے۔

6- چشتی صوفی صوفیانہ ریاضت کی ابتداء کرنے کیلئے رسمی طور پر اسلام قبول کرنے کا مطالبہ ضروری شرط کے طور پر نہیں کرتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ رسمی طور پر اسلام قبول کرنے سے پہلے جذباتی زندگی میں انقلاب پیدا ہونا ضروری ہے۔ اس لحاظ سے چشتی طریقہ، سہروردی



اصولوں کے بالکل متناقض ہے۔

## ریاضتیں

چشتیہ اللہ سے تعلق قائم کرنے کیلئے تمام احساسات و جذبات پر قابو پالینا ضروری سمجھتے ہیں۔ اس کی خاطر مندرجہ ذیل ریاضتوں کو اپنا شعار بناتے ہیں:

1- ذکر جہر

مقررہ اوقات میں، معین کردہ طریقہ سے بیٹھ کر اللہ کے نام کا بلند آواز سے ذکر کرنا۔

2- ذکر خفی

اللہ کا نام خاموشی سے لینا۔

3- پاس انفاس

سانس کو منضبط کرنا۔

4- مراقبہ

تصوفانہ تفکر میں استغراق

5- چلہ

کسی گوشہ عزلت یا کنج تنہائی میں عبادت و تفکر کیلئے چالیس روز ایک طرف توجہ کر کے مشغول ہو جانا۔

صوفی کے دل کو لامحدود و قدیم مقدس ذات کے ساتھ متحد کرنے کیلئے سماع پر بھی زور دیا جاتا تھا۔ بعض چشتی صوفیہ ''چلہ معکوس'' پر بھی اعتقاد رکھتے تھے۔ جو شخص اس پر عمل کرتا تھا وہ اپنے پاؤں میں رسی باندھ کر کنوئیں میں اُلٹا لٹک جاتا تھا اور چالیس رات تک اسی حالت میں عبادت کرتا رہتا تھا۔

# کتابیات


- سیر الاقطاب — حضرت الہدیہ ابن شیخ عبدالرحیم
- خواجہ خواجگان — محمد جمیل احمد ایم
- خواجہ خواجگان — احمد رئیس
- معین الہند — ظہور الحسن شارب
- جواہر فریدی — مترجم: ملک فضل دین
- تاریخ چشت
- اخبار الاخیار — ابوالمجد شیخ عبدالحق محدث دہلوی
- بزم صوفیہ — سید صباح الدین عبدالرحمن ایم اے
- اُردو دائرہ معارف اسلامیہ — جلد ہفتم
- خزینۃ الاصفیاء — مفتی غلام سرور لاہوری
- نفحات الانس — مولانا عبدالرحمن جامی
- دعوت وعزیمت (حصہ سوم) — مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
- راحت القلوب — ملفوظات بابا فرید الدین مسعود
- فوائد الفوائد — ملفوظات حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء
- مرآۃ الاسرار — شیخ عبدالرحمن چشتی
- تصرف — امام ابوبکر بن ابواسحٰق
- ذکر فرید — سید افضل حیدر
- سیر الاولیاء — امیر خورد
- عوارف المعارف — شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی
- تاریخ مشائخ چشت — مولانا محمد زکریا المہاجر المدنی
- پنجاب کے صوفی دانشور — قاضی جاوید
- انوار اصفیا — ادارہ تصنیف وتالیف شیخ غلام علی اینڈ سنز
- اخبار جہاں — (جنوری تا اپریل 2004ء)